BNIS101DCT

سیرت نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ

(Life of the Prophet and Pious Caliphate)

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

پہلا سمسٹر (اسلامک اسٹڈیز)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2025, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-992584-7-1
Course : Life of the Prophet and Pious Caliphate
First Edition : September 2025
Copies : 2100
Price : **185** /- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Alim Ashraf, Prof. (Arabic), Dept. of Arabic, MANUU

Editorial Board/Editors

Prof. Abdul Ali, Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh

Prof. Mohammad Ishaque
Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi

Prof. Mohammad Habib, HOD, Dept of Islamic Studies MANUU

Prof. Mohd. Fahim Akhter
Dept. of Islamic Studies, MANUU

Prof. Ghazanfar Ali Khan
Dept. of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU

Prof. Ziauddin
Dept. of Islamic Studies, Aligarh Muslim University, Aligarh

Dr. Mohammad Haziq
Assistant Professor, Islamic Studies, CDOE, MANUU

Dr. Syeda Amina
Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Islamic Studies, CDOE, MANUU

Production

Prof. Nikhath Jahan,
Professor (Urdu),
CDOE MANUU

Mr. P Habibulla,
Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Assistant Professor (C/ Guest Faculty),
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer,
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail,
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin,
LDC, Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by the Dr. Syeda Amina, Faculty of Islamic Studies, CDOE, MANUU
Printed at: Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

فہرست

پیغام		وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام		ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف		کورس کوآرڈی نیٹر (اسلامک اسٹڈیز)	7
اکائی نمبر	**اکائی کا نام**	**مصنف**	**صفحہ نمبر**
1۔	جاہلی دور پر اجمالی نظر (حصہ اول)	ڈاکٹر مجیب اختر	9
2۔	جاہلی دور پر اجمالی نظر (حصہ دوم)	ڈاکٹر مجیب اختر	25
3۔	مکی زندگی: بعثت سے پہلے کی زندگی	ڈاکٹر صالح امین	41
4۔	بعثت اور تبلیغ اسلام	ڈاکٹر ندیم اشرف	57
5۔	بعثت کے بعد کے اہم واقعات: ہجرت حبشہ، ہجرت مدینہ	ڈاکٹر ندیم اشرف، ڈاکٹر سیدہ آمنہ	73
6۔	ہجرت کے بعد نبیؐ کے ابتدائی اقدامات: مواخات، میثاق مدینہ	ڈاکٹر ندیم اشرف	91
7۔	اہم غزوات: بدر، احد، خندق	ڈاکٹر ندیم اشرف	105
8۔	اہم واقعات: صلح حدیبیہ، فتح مکہ، حجۃ الوداع	ڈاکٹر ندیم اشرف	121
9۔	شخصیت رسول ﷺ: اخلاق نبوی، ازواج واولاد	ڈاکٹر ندیم اشرف	135

10۔	خلافت راشدہ، حضرت ابو بکرؓ کی خلافت	ڈاکٹر محمد علی	149
11۔	حضرت عمرؓ بن خطاب: حیات اور کارنامے	مولانا اعجاز ارشد قاسمی	167
12۔	حضرت عثمانؓ بن عفان: حیات اور کارنامے	ڈاکٹر جمشید احمد	183
13۔	حضرت علیؓ بن ابی طالب: حیات اور کارنامے	ڈاکٹر قدیر خواجہ	199
14۔	خلافت راشدہ کا نظم ونسق	ڈاکٹر محمد ارشد	215
15۔	خلافت راشدہ کے دور تعلیم کی اشاعت	ڈاکٹر سیدہ آمنہ	227
16۔	خلافت راشدہ کے معاشرے کی خصوصیات	ڈاکٹر محمد ارشد	245
	نمونہ امتحانی پرچہ		257

مصنفین کی تفصیلات

(Writer's Details)

Dr. Mujeeb Akhtar, Assistant. Prof. Delhi University	ڈاکٹر مجیب اختر،اسسٹنٹ پروفیسر،دہلی یونیورسٹی،دہلی
Dr. Saleh Ameen, Research Associate, DTTLP, MANUU.	ڈاکٹر صالح امین،ریسرچ اسوسیٹ،ڈی،ٹی ٹی،ایل پی،مانو
Dr. Nadeem Ashraf, Assistant. Prof, Aligarh Muslim University.	ڈاکٹر ندیم اشرف،اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Dr. Mohammed Ali, Assistant. Prof., Jamia Millia Islamia.	ڈاکٹر محمد علی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Moulana Ejaz Arshad Qasmi	مولانا اعجاز ارشد قاسمی
Dr. Jamshed Ahmad, Assistant. Prof., Dept of Arabic, Mumbai University.	ڈاکٹر جمشید احمد،اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ عربی، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی
Dr. Dr. A.M Quadeer Khwaja, former Assistant. Professor, Dept. Islamic Studies MANUU,	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Dr. Mohd. Arshad, Assistant. Prof, Dept. Islamic Studies, Jamia Millia Islamia.	ڈاکٹر محمد ارشد،اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Dr. Syeda Amina, Assistant. Prof. (Cont), Dept. Islamic Studies , CDOE,MANUU	ڈاکٹر سیدہ آمنہ،اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی،اسلامک اسٹڈیز، سی ڈی او ای ،مانو

نوٹ: زیر نظر کتاب کا علمی مواد(**Study Material**)مختلف مصنفین نے تیار کیا ہے اوراس سے کوآرڈی نیٹر وایڈیٹر کا اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔

پروف ریڈرس(Proofreaders):

اول :ڈاکٹر محمد حاذق

دوم :ڈاکٹر سیدہ آمنہ

ٹائٹل پیج (Title Page): ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ +A حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات واطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثرانداز ہوگا۔
فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم وتدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یوجی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یوجی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یوجی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یوجی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یوجی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یوجی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یوجی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراؤتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انھیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضاءاللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

موجودہ تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی(NEP-2020) کے تحت اسلامک اسٹڈیز کی کتابیں تیار کرائی جارہی ہیں۔ ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے استفادہ کا ذریعہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے چار سالہ (آٹھ سمسٹر) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں یونیورسٹی کو ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ امید ہے کہ یہ کتاب طلبہ کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق تیار کیا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی۔ اے۔ پہلے سمسٹر کے لیے کورس کی یہ کتاب پیش کر رہے ہیں۔ سمسٹر اول کے اس پہلے پرچہ کا عنوان "سیرت نبویؐ اور خلافت راشدہ" ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سمسٹر اول کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل سولہ اکائیاں ہیں۔ اس میں عرب کے جاہلی سماج ما قبل اسلام تمدنی اور مذہبی احوال، سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلو اور اہم واقعات، نیز خلفائے راشدین کی حیات وکارنامے، ان کے دور کی خصوصیات سے متعلق تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف

کورس کوآرڈی نیٹر

اکائی 1: جاہلی دور پر اجمالی نظر (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید
1.1 مقاصد
1.2 جزیرہ نمائے عرب(Arabian Peninsula)
1.3 حجاز کے مشہور شہر
1.4 یمن اور اس کے مشہور شہر
1.5 عرب اقوام
1.6 عربوں کی قدیم تاریخ کے ذرائع
1.7 عرب کے مشہور قبیلے
1.7.1 قحطانی عرب
1.7.2 عدنانی عرب
1.8 عربوں کا غیر قوموں سے رابطہ اور اس کے ذرائع
1.9 فرہنگ
1.10 اکتسابی نتائج
1.11 نمونہ امتحانی سوالات
1.11.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
1.11.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
1.11.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
1.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

جزیرۃالعرب ایک بڑااور اہم علاقہ ہے جو آج کے سعودی عرب، یمن، عمان اور دیگر عرب ممالک پر مشتمل ہے۔اسلام کے آنے سے پہلے کا دور یعنی ما قبل اسلام کا دور بہت دلچسپ ہے اور جغرافیائی اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور کی سمجھ ہمیں عربوں کی تاریخ اور ثقافت کو بہتر طور پر جاننے میں مدد دیتی ہے۔ ما قبل اسلام میں جزیرۃالعرب میں کوئی متحدہ حکومت نہیں تھی۔ لوگ قبیلوں کی شکل میں رہتے تھے۔ ہر قبیلہ خود اپنا سردار رکھتا تھا جو اپنے قبیلے کی حفاظت کرتا تھا۔ قبائل ایک دوسرے سے آزاد اور اکثر آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ مکہ کا قریش قبیلہ اس دور میں سب سے زیادہ طاقتور تھا کیونکہ وہ تجارت اور مذہب کے مرکز کا کنٹرول کرتا تھا۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد:

- آپ جزیرۂ عرب کے جغرافیائی حالات سے واقف ہو جائیں گے۔
- آپ اُس کے جائے وقوع، مشہور شہر، عرب قوم اور اُن کے مختلف قبائل کے بارے میں آپ معلومات حاصل کر سکیں گے۔
- آپ عربوں کی قدیم تاریخ کے ذرائع پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے قبائلی نظام، طرز زندگی، سیاسی حالات،،اور اس دور میں قائم ہونے والی سلطنتوں اور اس کے عروج و زوال کے بارے میں اظہار خیال کر سکیں گے۔

1.2 جزیرہ نمائے عرب(Arabian Peninsula)

زمین کے جس حصے پر عرب قوم آباد ہے، اس کو ''جزیرہ نمائے عرب'' کہتے ہیں۔ اسے 'جزیرہ نمائے عرب' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے تین اطراف میں پانی اور ایک طرف خشکی ہے۔ جزیرہ نما عرب براعظم ایشیاء کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ جزیرہ نما عرب مشرق وسطی کا اہم ترین حصہ ہے، تیل اور گیس کے وسیع تر ذخائر اس خطہ کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جزیرہ نما عرب کا ساحل مغرب میں بحیرہ احمر اور خلیج عقبہ، جنوب مشرق میں بحیرہ عرب اور شمال مشرق میں خلیج عمان، آبنائے ہرمز اور خلیج فارس سے ملتا ہے۔

جزیرہ نما عرب ایشیاء کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس جزیرہ نما کا رقبہ تیس لاکھ مربع کلو میٹر سے زیادہ ہے اور جغرافیائی اعتبار سے تین منطقوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ مرکزی حصہ صحرائے عرب کے نام سے مشہور ہے اور اس جزیرہ کا وسیع ترین علاقہ ہے۔ شمالی علاقے کا نام حجاز ہے۔ حجاز 'حجز' سے مشتق ہے جس کے معنی حائل اور مانع ہونے کے ہیں۔ چونکہ یہ سر زمین نجد اور تہامہ کے درمیان واقع اور مانع ہے اسی لیے اس علاقے کو حجاز کہا جاتا ہے۔ شمالی علاقے میں عراق، اردن، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر عمان اور مغرب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ واقع ہے۔ جس کی حدود کوہ زاگرس تک جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔ جغرافیائی طور پر یہ بغیر کسی واضح علامت کے صحرائے شام سے مل جاتا ہے،

اور سیاسی طور پر جزیرہ نما عرب سعودی عرب اور کویت کی شمالی سرحدوں کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔اس جزیرہ نما کا جنوبی حصہ بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے جس میں یمن اور ''حضر موت'' کے علاقے شامل ہیں۔ جنوبی منطقے کے علاوہ جزیرہ نما کا پورا علاقہ خشک اور بے آب و گیاہ صحراء ہے، مگر بعض جگہوں پر اس میں نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔

مولانا محمد رابع ندوی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: '' جزیرہ نمائے عرب تقریباً ساڑھے چونیتس درجہ طول البلد مشرقی سے تقریباً 60 درجہ مشرقی تک، اور ساڑھے بارہ درجہ عرض البلد شمالی سے 32 درجہ شمالی تک پھیلا ہوا ہے، اس کے جنوب میں بحیرۂ عرب، مشرق میں خلیج عمان، خلیج عربی اور جنوب مشرقی عراق، مغرب میں بحیرۂ احمر اور علاقہ اُردن و فلسطین اور شمال میں شام و عراق کے ملک پڑتے ہیں''۔ بحرین (تکنیکی طور پر جزیرہ نما سے کٹا ہوا ایک جزیرہ ہے)، کویت، قطر، سلطنت عمان، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور یمن جزیرہ نمائے عرب کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں جزیرہ نما کا بیشتر حصہ سعودی عرب میں شامل ہے اور آبادی کی اکثریت بھی سعودی عرب اور یمن میں رہائش پذیر ہے۔ یہاں دنیا کے سب سے زیادہ تیل کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی یہیں ہیں۔ معاشی طور پر متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب اس خطہ کی امیر ترین اقوام ہیں۔

جزیرہ نما عرب کی طبعی حالت کے بارے میں مولانا محمد رابع حسنی ندوی اپنی کتاب 'جزیرۃ العرب' میں رقمطراز ہیں: 'جزیرہ نمائے عرب کو قدیم جغرافیہ داں پانچ حصوں میں تقسیم کرتے تھے:

پہلا حصہ: حجاز کوہستانی خطہ۔ جبال السراۃ، جبل حجاز — دوسرا حصہ: تہامہ۔ میدانی علاقہ

تیسرا حصہ: نجد۔ سطح مرتفع — چوتھا حصہ: یمن — پانچواں حصہ: صحرا

اس تقسیم کی مطابق حجاز کا علاقہ پہاڑوں پر مشتمل تھا جس نے اس خطے کو ایک مضبوط قدرتی حصار عطا کیا۔ تہامہ چونکہ میدانی اور ساحلی علاقہ تھا اس لیے یہاں کی آب و ہوا گرم اور مرطوب رہی، اور تجارت و آمد و رفت کے لیے یہ خطہ اہمیت رکھتا تھا۔ نجد سطح مرتفع ہونے کے سبب ایک وسیع ہموار خطہ تھا جو زرعی اور چراگاہوں کے لیے موزوں تھا۔ یمن اپنی سرسبزی، خوش حالی اور قدیم تہذیب و تمدن کے لیے مشہور رہا۔ جبکہ صحرائی خطہ اپنی شدید خشکی اور ریگزاروں کی وجہ سے انسانی زندگی کے لیے مشکل تھا، تاہم یہی صحرا بدوی عربوں کی جرات

مندی، صبر اور سخت جانی کی علامت بن گیا۔اس طرح یہ پانچوں خطے عرب کی جغرافیائی، تہذیبی اور تمدنی خصوصیات کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہیں۔

1.3 حجاز کے مشہور شہر

حجاز میں کئی مشہور اور بڑے بڑے قدیم شہر پائے جاتے ہیں،ذیل میں ان پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جارہی ہے۔

جدہ :جُدہ(عربی: جدة)تاریخی خطہ حجاز کے تاریخی علاقہ تہامہ میں بحیرہ احمر کے ساحل پر واقع ایک شہر ہے جو مغربی سعودی عرب کا اہم تجارتی اور ثقافتی مرکز ہے۔ نیز یہ مکہ علاقہ کا سب سے بڑا شہر اور بحیرہ احمر کی سب سے بڑی بندرگاہ بھی ہے۔تاریخی اعتبار سے جدہ شہر تقریباً3000 سال پرانا ہے۔روایات کے مطابق جدة بن جرم بن ربان بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ جو اسلام سے قبل عرب میں پیدا ہوا تھا،اس کا خاندان اس جگہ آباد تھا، بعد میں اسی کے نام پر اس شہر کا نام 'جدہ' رکھ دیا گیا تھا۔647ء میں خلیفہ راشد عثمانؓ بن عفان نے جدہ کو مکہ میں آنے والے حجاج کے لیے بندرگاہ کے طور پر تبدیل کر دیا تھا۔اس شہر کے نام کے تلفظ میں کئی روایات ہیں۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق شہر کا اصل نام **جُدة** ہے۔ عربی میں **جُدة** ساحل کو کہتے ہیں۔دوسری روایت یہ ہے کہ شہر کا نام **جَدة** ہے (جِدة مقامی لوگوں کا تلفظ ہے)،اس کے معنی ''دادی'' کے ہیں۔ شہر میں ایک قدیم قبرستان ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں آدم علیہ السلام کی بیوی حوا دفن ہیں، چنانچہ اسی مناسبت سے اس شہر کو 'جِدہ' کہا جانے لگا۔

طائف: طائف سعودی عرب کے صوبہ مکہ کا ایک شہر ہے جو مکۃ المکرمہ کے نزدیک ہی واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے 1,700 میٹر (5,600 فٹ) کی بلندی پر واقع ہے۔ طائف کا موسم خوشگوار ہے اس لیے سعودی حکومت کے بیشتر امراء گرمیوں میں طائف منتقل ہو جاتے ہیں۔اس کی آبادی ساڑھے پانچ لاکھ کے قریب ہے۔اس کے انگور اور شہد مشہور ہیں۔اس شہر کا تذکرہ اسلامی تاریخ میں بھی آتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے تبلیغ اسلام کے لیے طائف کا سفر کیا تھا، لیکن طائف کے لوگوں نے آنحضورؐ کے ساتھ بڑا برا سلوک کیا تھا۔انہوں نے آپؐ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں جوتے لہولہان ہو گئے تھے۔ فتح مکہ کے بعد یہ شہر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔

بدر: بدر کا پورا نام بدر حنین ہے جو سعودی عرب کے صوبہ المدینہ میں مدینہ منورہ شہر سے 80 میل دور، شام کو جانے والے راستہ میں ایک گاؤں ہے۔624ء میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان حق و باطل کا اولین معرکہ پیش آیا۔ جو غزوہ بدر کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جس میں اسلام کے 313 جانبازوں نے کفار مکہ کے ایک ہزار کے لشکر کو مات دی تھی، حالانکہ ان کے پاس فوج میں سوار سپاہیوں کی تعداد 2 تھی، شمشیریں اور تلواریں نہ ہونے کے برابر تھیں۔

مکہ :مکہ جسے عربی میں 'المکۃ المکرمۃ' کہتے ہیں،تاریخی خطہ حجاز میں اس کے اولین باسی حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمعیل تھے۔اس سے قبل کی تاریخ ہمیں نہیں ملتی۔آج یہ سعودی عرب کا ایک صوبہ ہے۔مکہ جدہ سے 73 کلومیٹر دور وادی فاران میں سطح سمندر سے 277 میٹر بلندی پر واقع ہے۔ یہ بحیرہ احمر سے 80 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔مکہ مذہب اسلام کا مقدس ترین شہر ہے، کیونکہ روئے زمین پر مقدس

ترین مقام بیت اللہ یہیں موجود ہے، تمام باحیثیت مسلمانوں پر زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔

مدینہ : یہ حجاز کا دوسرا سب سے مشہور اور اسلام کا دوسرا مقدس ترین شہر ہے۔ یہ شہر پہلے سے ہی ایک اہم تجارتی قصبہ تھا اور یہاں کے باشندے ہر سال زیارت کعبہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ یہ شہر عرب یہودیوں کا بھی مرکز تھا، یہاں بنو قینقاع، بنو نظیر، بنو سیدہ، بنو حارث، بنو جشم، بنو نجار اور بنو قریظہ کے یہودی قبائل آباد تھے۔ نبی کریمؐ کے زمانے میں مدینہ میں یہودیوں کے علاوہ دو معروف قبائل بنو اوس اور بنو خزرج بھی موجود تھے۔ اس شہر کا پرانا نام یثرب تھا، لیکن حضرت محمدؐ کی ہجرت مبارکہ کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی پڑ گیا تھا، اور پھر بعد ازاں یہ شہر اسلامی ریاست کا اولین دار الخلافہ بنا۔ اس شہر کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں مسجد نبوی اور نبی کریمؐ کا روضہ مبارک ہے، جس کی زیارت کے لیے ہر سال لاکھوں فرزندان توحید یہاں پہنچتے ہیں۔ تاریخ اسلام کی پہلی مسجد 'مسجد قباء' بھی مدینہ میں ہے۔

معلومات کی جانچ

- عرب خطے کو قدیم جغرافیہ داں کتنے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں؟
- جزیرہ نما عرب کے مشہور شہر کون سے ہیں؟

1.4 یمن اور اس کے مشہور شہر

یمن مشرق وسطیٰ کا ایک مسلم ملک ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں سعودی عرب اور عمان، جنوب میں بحیرہ عرب ہے اور مغرب میں بحیرہ احمر واقع ہے۔ عربی اس کی قومی زبان ہے۔ قدیم دور میں یمن تجارت کا ایک اہم مرکز تھا، جو مسالوں کی تجارت کے لیے مشہور تھا۔ ولادت نبویؐ سے کچھ دنوں پہلے ایک ابرہہ نامی عیسائی بادشاہ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ یہ خطہ حجاز کے مقابلے میں بہت سر سبز و شاداب ہے اور پرانی تہذیب و تمدن کا مرکز ہے۔

یمن کا دار الحکومت اور سب سے مشہور شہر ''صنعا'' ہے۔ اس کے شمال مشرق میں ''مآرب'' کا تاریخی مشہور شہر آباد تھا، جہاں کی رہنے والی ملکہ ''سبا'' تھی۔، جسے ''بلقیس'' بھی کہتے ہیں۔ یہیں وہ مشہور بند تھا، جسے قرآن کریم میں **'سد مآرب'** کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ بعد میں یہ سیلاب میں بہہ گیا تھا اور یہاں کے باشندگان ہجرت کر کے عمان میں آباد ہو گئے تھے۔ اسی علاقے کے جنوبی حصے میں ''حضر موت'' کا علاقہ ہے، جس کے شمال میں شہر ''احقاف'' آباد ہے، جہاں ''عاد'' کی قوم آباد تھی، اس کا ذکر قرآن کریم کے سورۃ ''الاحقاف'' میں آیا ہے۔

صنعاء کے علاوہ قدیم تاریخ کے مطابق نجران بھی ایک اہم شہر تھا، جہاں عیسائی بادشاہ حکومت کرتے تھے۔

1.5 عرب اقوام

عرب مشرق وسطی اور شمالی افریقہ میں رہنے والا نسلی گروہ ہے جس کی زبان عربی ہے۔ قدیم تاریخ، توریت اور بائبل کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب حضرت نوحؑ کے صاحبزادے سام کی اولاد میں سے ہیں۔ اسلام میں اس امر کی تشریح تو نہیں کی گئی کہ

عرب کون ہیں، تاہم حضرت محمدؐ کی احادیث سے علم ہوتا ہے کہ وہ شخص عربی ہے جو عربی زبان بولتا ہے۔ جینیاتی طور پر عربی وہ شخص ہے جس کے آباواجداد جزیرہ نما عرب یا صحرائے شام میں رہتے تھے۔ سیاسی طور پر عربی وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی ایسے ملک کا باشندہ ہے جہاں عربی قومی زبان ہے یا ملک عرب لیگ کا رکن ہے۔ مورخین اور مستشرقین نے عربوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے:

1. عرب بائدہ، 2. عرب عاربہ، 3. عرب مستعربہ۔

عرب بائدہ

یہ عرب کے وہ پرانے باشندے ہیں جن کا اب نام و نشان نہیں رہا۔ ان میں قوم عاد و ثمود اور ان کے علاوہ عمالقہ 'طسم'، 'جدیس' امیم وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں نے عراق سے لیکر شام اور مصر تک سلطنتیں قائم کر لی تھیں، بابل اور اشور کی سلطنتوں اور قدیم تمدن کے بانی یہی لوگ تھے۔ یہ قومیں کیسے صفحہ ہستی سے مٹ گئیں اس کے متعلق تاریخ ہمیں تفصیل سے کچھ بتانے سے قاصر ہے۔ لیکن اب بابل 'مصر' یمن اور عراق کے آثار قدیمہ سے انکشافات ہو رہے ہیں اور کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ جبکہ قوم عاد و ثمود کے حوالے سے قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ یہ قومیں اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں جب حد سے بڑھ گئیں تو ان کو عذاب الٰہی نے گھیر لیا اور یہ نیست و نابود ہو گئیں۔

عرب عاربہ

یہ یمن اور اس کے قرب و جوار کے باشندے ہیں اور یہ لوگ بنو قحطان کہلاتے ہیں۔ بنو قحطان حضرت نوح علیہ سلام کے بیٹے سام بن نوح کی اولاد سے ہیں اور یہ لوگ قدیم عرب (عاد ثمود وغیرہ) کی تباہی اور جزیرہ نما عرب سے مٹ جانے کے بعد یہاں آباد ہو گئے تھے۔ بنو جرہم اور بنو یعرب انہی کی شاخیں ہیں۔ بنو یعرب میں سے عبدِ شمس جو سبائی کے نام سے مشہور ہے یمن کے تمام قبیلوں کا جد امجد ہے۔ اسی نے یمن کا مشہور شہر مآرب بسایا تھا اور اور بند (dam) بنایا تھا اس میں بہت سے چشموں کا پانی آکر جما ہوتا تھا جس سے بلند مقامات کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔

جب ان کی آبادی پھیلی تو مجبوراً ان کے مختلف قبائل کو یمن سے نکل کر اپنے لیے نئے علاقے ڈھونڈنے پڑے، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جزیرہ نما عرب کے طول و عرض میں پھیل گئے، جبکہ کچھ قبائل شام و ایران اور عرب کے سرحدی علاقوں کی طرف بھی نکل گئے اور وہاں اپنی آبادیاں قائم کیں۔ ایک قبیلہ بنو جرہم مکہ کی طرف سفر کیا اور زم زم کے چشمے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے وہاں آباد ہو گیا۔ بنو قحطان کا ہی ایک سردار ثعلبہ اپنے قبیلہ کے ساتھ یثرب (مدینہ) پر حملہ آور ہوا اور وہاں قابض ہو گیا، بعد ازاں وہاں قلعے بنائے اور باغ لگائے۔ اسی کی اولاد سے مدینہ کے مشہور قبائل اوس خزرج تھے، جن کا تاریخ اسلام میں بہت اونچا مقام ہے۔ یہیں ان کے خاندان اور قبیلے مختلف شاخوں میں پھولے، پھلے اور بڑھے۔ ان میں سے دو قبیلوں حمیر اور کہلان نے بڑی شہرت حاصل کی۔

عرب مستعربہ

عربِ مستعربہ کو بنو عدنان بھی کہتے ہیں۔ یہ حجاز اور نجد وغیرہ کے باشندے ہیں اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہیں۔ ان میں بہت

سے قبیلے ہیں جن میں ربیعہ اور مضرؒ مشہور ہیں۔ مضرؒہی کی ایک شاخ قریش ہے جس سے ہمارے نبی عربیؐ کا تعلق ہے سرزمین عرب پر سب سے آخر میں آباد ہونے والے بنو اسماعیل تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم پر اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں لا بسایا تھا، اور خود واپس چلے گئے تھے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ اس وقت نہ مکہ کی آبادی تھی اور نہ ہی خانہ کعبہ کا وجود، خانہ کعبہ ویسے تو حضرت آدمؑ کے وقت میں تعمیر ہوا، مگر روایتوں کے مطابق سیلاب نوح کے وقت آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ خانوادہ ابراہیمؑ کی ہجرت کے وقت وہ تعمیر معدوم ہو چکی تھی اور پھر بعد میں جب حضرت اسماعیلؑ کی عمر 15 سال کی تھی تو حضرت ابراہیمؑ مکہ تشریف لائے اور ان دونوں نے مل کر اللہ کے حکم پر اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی راہنمائی اور نگرانی میں خانہ کعبہ کو انہی بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا جن پر حضرت آدمؑ نے بنایا تھا۔

1.6 عربوں کی قدیم تاریخ کے ذرائع

عربوں کی قدیم تاریخ خصوصاً زمانہ جاہلیت کے اولین دور میں عربوں کی سیاسی اور ادبی حالت کا پتہ لگانا نہایت ہی مشکل کام ہے، کیوں کہ اس کے بارے میں مستند اور باوثوق ذرائع سے جمع کی گئی کوئی صحیح اور معتبر تاریخ نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں مکمل عدم معرفت کے دو اسباب بتائے گئے ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی سیاسی وحدت نہیں تھی، وہاں کے بیشتر باشندے بدویانہ اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مختلف خطوں میں پھیلے ہوئے تھے، آپسی لڑائی، جھگڑوں اور دشمنی کا شکار تھے، جامع وحدت کا تصور مفقود تھا۔ اور نہ ہی کسی طاقت ور بادشاہ کا وجود تھا۔ دوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عرب اقوام خاص طور سے شمال میں رہنے والے عرب ان پڑھ تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کوئی تاریخ ترتیب نہیں دی۔ تاریخ تحریر کرنے کی ابتدا بنو امیہ کے آخری عہد میں کی گئی، اس سے پہلے ان کی ترسیل کا ذریعہ صرف زبان تھی، جس کے ذریعہ وہ ایک دوسرے تک خبر پہنچانے پر یقین رکھتے تھے، کیوں کہ نہ کوئی مضبوط بنیادوں پر قائم معاشی وسیاسی نظام تھا اور نہ ہی اعلیٰ اقدار پر مبنی کوئی سماجی ڈھانچہ، البتہ جزیرہ نما کے کچھ حصے اس سے مستثنیٰ ہیں، جن میں سلطنت سبا و معین کو شامل کیا گیا ہے، جس کے حالات و کوائف کے نقوش آج بھی باقی ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سے ماہرین آثار قدیمہ نے یمن میں جو کھدائیاں کرائی ہیں، ان میں بہت سی عبادت گاہیں، ستون، یادگاری مینار یں، چہار دیواریاں، گنبد اور قلعے برآمد ہوئے ہیں، جن پر کچھ عبارتیں اور نقوش کندہ ہیں، اسی طرح کے مختلف نقوش شمالی حجاز میں بھی قوم ثمود اور لحیانیوں کے رہنے کی جگہوں میں اور شام کے حدود میں بھی ملے ہیں۔ ان نقوش اور کندوں کو پڑھنے کے بعد لسانیات کے علما نے یہ بات تحقیق کے ساتھ معلوم کرلی ہے کہ جنوبی عربوں (یعنی یمن کے باشندوں) اور شمال کے عربوں میں (یعنی حجاز کے شہروں) کی زبان میں اچھا خاصا فرق تھا، لیکن ان اکتشافات اور آثار کے تانے بانے سے عربوں کی کوئی سلسلے وار اور مربوط انداز میں سیاسی یا سماجی تاریخ کی صحیح تصویر ابھر کر سامنے نہیں آتی۔

ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی اپنی کتاب 'تاریخ عربی ادب جلد اول' میں رقمطراز ہیں: ''اس زمانے کی تاریخ اور حالات و کوائف کے متعلق کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، سوائے ان واقعات اور تذکروں کے جن کا ذکر قرآن کریم اور حدیث شریف میں آیا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ موجودہ زمانے کے علماء آثار نے قرآن و حدیث میں ان قوموں کے تذکروں سے فائدہ اٹھا کر ان مخصوص جگہوں پر کھدائیاں کرائی

ہیں، جن کے نتیجے میں قدیم عربوں کی تاریخ سے متعلق بہت قیمتی معلومات حاصل ہوئی ہیں''، ان میں اصحاف کہف اور قیم کی بستیوں کا تعین، جزیرہ نمائے عرب کے شمالی حصے میں واقع، مدین وصالح کے بارے میں جہاں قوم عاد و ثمود رہا کرتی تھیں، خاص طور سے قابل ذکر ہیں، جن سے متعلق کئی مضامین بھی عربی اور اردو کے مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔

عاد: قدیم عرب کی سب سے مشہور قوم عاد شمار کی جاتی ہے جو کہ اصلاً قبیلہ ارم کی ایک شاخ تھی اسی بنیاد پر اس کو 'عاد ارم' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سب سے زیادہ طاقتور اور عظیم الشان قوم سے معروف و مشہور ہے۔ عاد حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد میں ارم کی ایک نسل تھے۔ عاد کی عظمت و جلالت اور سیاسی تفوق اور قوت جسمانی مسلم تھی، قرآن کریم کی آیات میں بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ خوبصورت اور بڑی عالیشان عمارتیں بناتے اور باغات لگاتے تھے۔ ان کا علاقہ بھی ایسا تھا کہ اس کا مشرقی پہلو صحرائی اور ریگستانی تھا اور مغربی و جنوبی پہلو میں یمن اور حضر موت کے شاداب پہاڑ اور سبزہ زار تھے، لہٰذا ایک طرف کے حالات ان میں جفاکشی اور محنت کا مزاج بناتے اور دوسری طرف کے حالات ان کے لیے عیش و عشرت کے ذرائع مہیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر احقاف کے نام سے کیا گیا ہے جو معنی کے لحاظ سے صحرائی ریگستان کو کہتے ہیں اور اس سے تقریباً 'الربع الخالی' کا وہ کنارہ مراد ہے جو یمن کے مشرقی پہلو میں واقع ہے اور اس کے جنوب میں حضر موت کا علاقہ ہے۔

جب قوم عاد نے اپنے نبی ہودؑ کی دعوت کو ٹھکرایا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے اور ان کے ہی نبی حضرت ہودؑ ان کو دعوت دیتے دیتے تھک گئے اور ان کی اصلاح سے مایوس ہو گئے تو اللہ نے ان پر عذاب بھیجا جس سے وہ تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ یہ عذاب آندھی کی شکل میں آیا، جو سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل چلتی رہی، جس میں ساری قوم تباہ و برباد ہو گئی جس کا نقشہ قرآن مجید نے کھینچا ہے، آندھی آجانے کے بعد ان کی لاشیں کھجور کے تنوں کی طرح پھیلی ہوئی پڑی تھیں۔ ان کے بعد جزیرۃ العرب میں جو قومیں ابھریں وہ عموماً ان کے بنی اعمام تھے، جنہیں 'عاد ثانیہ' کہا جاتا ہے، ان میں لقمان نامی ایک نیک بادشاہ گزرے ہیں جس کو اب لوگ لقمان حکیم کہتے ہیں اور جن کی طرف حکیمانہ روایات اور تمثیلات کثرت سے منسوب ہیں۔ قرآن میں بھی لقمان کا تذکرہ ہے۔ عاد ثانی کے بارے میں تاریخ میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی ہے۔

1.7 عرب کے مشہور قبیلے

آپ اوپر پڑھ کر آئے ہیں کہ عرب قدیم زمانے میں عرب کے لوگ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے اور ان میں بنو قحطان اور بنو عدنان کو خاص شہرت حاصل تھی۔ قبیلے کے لوگ ایک خاندان کی طرح رہتے اور اپنی بہادری اور مہمان نوازی کی وجہ سے مشہور تھے۔

1.7.1 قحطانی عرب

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بنو قحطان سارے عربوں میں فائق تھے۔ آپ نے اوپر ملکہ بلقیس کے بارے میں پڑھا ان کا تعلق بنو قحطان کے ازدی قبیلہ سے تھا۔ قبائل ازد میں سے ایک قبیلہ نے مدینہ آکر اپنی حکومت قائم کی تھی۔ بنو قحطان کا ہی ایک قبیلہ بنو خزاعہ تھا جس نے مکہ کا رخ کیا اور بنو جرہم کو وہاں سے بے دخل کر کے اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ مدینہ کے مشہور قبیلے بنو اوس اور بنو خزرج بھی بنو قحطان کی ہی

شاخیں تھیں۔ ظہور اسلام کے وقت قحطانی قبائل بڑے طاقتور اور سارے عرب پر چھائے ہوئے تھے۔

یمن میں رہنے والے یہ قحطانی عرب گروہوں کی شکل میں مختلف خطوں میں محلے بنا کر جنہیں 'مخلاف' کہتے ہیں، رہا کرتے تھے۔ان بستیوں کے آس پاس ان کے کھیت، کھلیان اور چراگاہیں ہوتی تھیں، ان کا ایک سردار ہوتا تھا، جسے 'قیل' جمع 'اقیال' کہتے تھے، ہر قیل اپنے افعال واعمال کا بذات خود ذمہ دار اور اپنی قلمرو میں آزاد اور خود مختار ہوتا تھا، ان گروہوں میں آپسی تعلقات کوئی خاص نہیں تھے، بلکہ ان میں اکثر جنگ وجدال، لوٹ مار اور غارت گری ہوتی رہتی تھی، جس میں طاقتور، کمزور کو ہڑپ لیتا تھا۔ یہ لوگ ایک لمبی مدت تک اسی طرح رہتے رہے یہاں تک کہ ان کے یہاں رفتہ رفتہ تہذیب وتمدن نے جنم لیا اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ یمن میں مختلف حکومتیں قائم ہوئیں، جن میں دو تین حکومتیں اہم تھیں، جن کے بارے میں آپ آگے پڑھیں گے۔

قحطانی عربوں کے سیاسی احوال

سلطنت معین

جنوبی عرب کی سلطنتوں میں ایک 'معین' کی سلطنت تھی اور یہ ملک یمن کے شمال میں واقع تھی اور شہر حضرموت اس کے مشرق میں تھا، عربی کی کچھ کتابوں میں 'معین' کا ذکر آیا ہے اسی طرح موجودہ دور میں جزیرہ نمائے عرب میں کچھ نقوش کی دریافت اور تورات کی کچھ روایتوں کے ذریعے ہمیں اس کے بارے میں جانکاری حاصل ہوسکی ہے۔ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق اس حکومت کا قیام یمن کے جوف جنوبی اور صنعا کے مشرقی علاقے میں عمل میں آیا۔یونانی اسے 'کارنا' یا 'قارنا' کے نام سے پکارتے تھے۔معینیوں کے نقوش اور آثار کے مطابق معین سلطنت کی حکومت ایک موروثی حکومت تھی جو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوا کرتی تھی، بالفاظ دیگر اقتدار میں دونوں کی شراکت داری تھی بعض محققوں نے اس سلطنت کے چھتیس بادشاہوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔آثار وعلامات اور نقوش کی روشنی، تورات کی روایت اور بعض یونانی تاریخ داں کی تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معین کی حکومت 650 قبل مسیح میں ظہور پذیر ہوئی۔اور وہ عظیم قوت اور ثروت کے مالک تھے۔

مملکت سبا 750 تا 115 ق م

سلطنت سبا معین اور قتبان کے درمیان واقع تھی، اس کا اثر ورسوخ اور بالادستی مشرق میں خلیج فارس کے ساحل اور مغرب میں بحر احمر تک پھیلی ہوئی تھی، معین کے بادشاہ کی وراثت سبا کی طرف منتقل ہوتی ہے، جس کی طاقت وقوت کے آثار معین کے آخری زمانے میں ظاہر ہونے شروع ہوگئے تھے۔ڈاکٹر حسین ابراہیم کے مطابق: ''ان کی بالادستی تقریباً 950 ق م سے 115 ق م تک قائم رہی، حالاں کہ تقریباً 650 ق م میں وہ معین کے وارث ہوگئے، ان کی بالادستی اور قوت واقتدار جزیرہ نما عرب کے جنوبی حصے میں قائم تھی''۔ جب کہ ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی نے ان کے اقتدار کی مدت 750 ق م سے 115 ق م تحریر کی ہے۔ بہر حال اس زمانے میں سبا کے حکام کا رعب ودبدبہ تھا، اور وہ اپنے زمانے کی ایک نہایت ہی خوشحال قوم تھی، ان کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی دور میں وہ ایک چھوٹی سی ریاست کے مالک تھے۔البتہ

رفتہ رفتہ ان کی بالادستی قرب وجوار کی ریاستوں تک قائم ہو گئی اس کے بعد انہوں نے تالاب کھودے، بند تعمیر کیے اور عظیم الشان محلات بنائے البتہ ان کے آثار وعلامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قوم نے فتوحات اور جنگوں سے گریز کیا جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ دراصل اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ ایک ایسی ریاست تھی، جسے صرف تجارت سے دلچسپی تھی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ سب سے پہلے ملک سبا کا تذکرہ تورات اور اس کے بعد جغرافیہ میں لکھی گئی یونانی اور رومانی کتابوں میں کسی قدر وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید اس کا ذکر جس پیرایہ میں کیا ہے، اس سے یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ ملک سبا اپنے زمانے کی نہایت ترقی یافتہ اور تہذیب وتمدن کا مثالی نمونہ تھا۔ قرآن کریم کے مطابق: ''اہل سبا کے لیے ان کے رہنے کی جگہ میں نشانی تھی، ان کے دائیں بائیں دو دو باغ تھے''۔ سلطنت سبا اس عروج کو حضرت مسیح سے کئی صدی پہلے ہی پہنچ چکی تھی، علماء آثار کو ان سے متعلق جو کتبے ملے ہیں، ان سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ یہ سلطنت انیسویں صدی قبل مسیح میں تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھی۔ مولانا محمد رابع حسنی ندوی کے مطابق: ''سبا نامی نسل اپنے زمانے میں یمن کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقت ور نسل تھی''۔

ان کا اقتدار پہلی صدی عیسوی تک رہا، اس کا پایۂ تخت مآرب تھا جو کہ صنعاء سے تقریباً ساٹھ میل مشرق میں تقریباً چار ہزار فٹ بلند سطح زمین پر واقع ہے۔ سبا ایک تاجر قوم تھی، اس وقت کی عالمی تجارت کی باگ ڈور بھی اسی کے ہاتھوں میں آگئی تھی، ان کی نگرانی میں تجارتی قافلے مشرق میں سندھ اور مشرق اقصیٰ تک اور مغرب میں مصر اور دومۃ الکبریٰ کے بازاروں تک رسائی حاصل کر لی تھی، یمن سے غزہ تک یہ قافلے خشکی کے راستے چلتے تھے، اس تجارتی شاہراہ کا مرکز 'مآرب' تھا، خشکی میں یہ اپنا تجارتی سفر حضر موت کے شہر 'شبوہ' سے شروع کرتے، راستے میں ان کے بڑے بڑے اسٹیشن، مآرب، صنعا، مکہ، مدینہ، بطرا اور غزہ ملتے تھے۔ اس کے بعد ان میں سے کچھ قافلے مصر کی طرف چلے جاتے اور کچھ فلسطین اور شام کی طرف چلے جاتے اور مشرق میں شبوہ سے نکل کر سمندری سفر شروع کرتے اور کچھ قافلے افریقہ کے مشرقی ساحلوں تک جاتے اور کچھ سندھ وہندوستان اور مشرق اقصیٰ کی بندرگاہوں تک جاتے۔

سد مآرب

سد مآرب یعنی مآرب کا بند، نہایت ہی مضبوط اور کشادہ تھا، جس کی مدد سے یمن کے باشندے پانی کو روکتے تھے، اگر دیکھا جائے تو اسکی شکل پوری طرح آج کل کے ''ڈیم'' کی سی تھی، مآرب کا یہ بند شہر کے جنوب مغرب میں باندھا گیا تھا، اسی علاقے میں بڑے بڑے پہاڑ اور گہری وادیاں بڑی تعداد میں موجود تھیں، جب پانی برستا اور سیلاب آتا تو مختلف وادیوں کا پانی بہہ کر ایک بڑی وادی میں جسے ''اذنہ'' کہتے تھے، جمع ہو جاتا تھا، جب یہ وادی بھر جاتی تو پھر پانی کا رخ ایک درہ کی طرف ہو جاتا جو مآرب سے تین گھنٹے کی دوری پر واقع تھا، اور اس درہ کے ذریعہ پانی صحرا میں پھیل جاتا تھا، لہٰذا یمنیوں نے اس درہ پر یہ مشہور بند باندھ کر پانی کو اپنے قبضے اور تصرف میں کر لیا تھا، اس بند کے دونوں سروں پر انہوں نے دریچے اور کھڑکیاں بنا رکھی تھیں جنہیں کھول کر حسب ضرورت پانی لیتے پھر اس کو بند کر دیتے۔ بند کے دونوں کناروں کے پیچھے ان کے باغات اور کھیتیاں تھیں، جو اسی پانی سے سیراب ہو کر تیار ہوا کرتی تھیں، عرصۂ دراز تک اہل یمن اس بند سے فائدہ اٹھاتے رہتے۔ مگر اس کی دیکھ بھال چھوڑ دی اور اس پر توجہ نہ دی۔ لہٰذا ایک زبردست طوفانی سیلاب کے نتیجے میں یہ بند ٹوٹ گیا۔ جس کے سبب کئی بستیاں بہہ

گئیں۔ شہر تباہ ہوگئے اور مکانات منہدم ہو گئے، سینچائی کا ذریعہ ختم ہو گیا، مجبوراً انھوں نے شمال کارخ کیا۔

مملکت سبا کے زوال کے اسباب

سلطنت سبا کے زوال پذیر ہونے کے بارے میں موٴرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے، عرب موٴرخین کا کہنا ہے کہ ان کے زوال کا سب سے بڑا سبب مآرب کے بند کا تباہ ہو جانا ہے، جس کے سبب وہ اپنے کھیتوں کی باقاعدہ طور پر سینچائی سے محروم ہو گئے اور کسی ملک کی ترقی اور خوشحالی میں پانی کا اہم رول ہوتا ہے، لیکن بعض مستشرقین کا کہنا ہے کہ اس کے انحطاط کا سبب ان کی لاپروائی اور غفلت ہے اور اہل سبا کا زوال بتدریج باندھ کے ٹوٹنے سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا، کیوں کہ یہ بات عقل سے پرے ہے کہ ایک عظیم مملکت اچانک تباہ و برباد ہو جائے، جب کہ اولیری کا کہنا ہے کہ بلاشبہ مآرب کے بند کا ٹوٹنا ایک تاریخی واقعہ تھا اور قرآن کریم نے اسی واقعہ کو اہل سبا پر اللہ کی طرف سے نازل ہونے والا ایک عذاب قرار دیا ہے، جسے اللہ نے پے در پے نافرمانی کے نتیجے میں ان پر نازل کیا اور اس قوم سے اس کی نعمتیں سلب کر لی گئیں اور یہ قوم جو کہ مذہباً آفتاب پرست تھی، تجارت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ سے نکل گئی، جس کے سبب وہ افراتفری کا شکار ہو گئی۔

سلطنت حمیر

حمیر اور کہلان کا شمار قحطانی عرب میں ہوتا ہے، جو قیادت کے لیے باہم دست گریباں رہتے اور بادشاہت و قیادت کے لیے مقابلہ آرائی کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے ملکوں کو صوبوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ہر صوبے کا ایک سردار ہوتا تھا، جسے اپنے صوبے کی طاقت یا کمزوری کے اعتبار سے بڑا اور چھوٹا مانا جاتا تھا، بتایا جاتا ہے کہ قبیلہ حمیر بھی سبا کی ایک شاخ تھی، جس کی سلطنت سبا اور بحر احمر کے درمیان واقع تھی، جس کا دار السلطنت "ظفار" تھا۔ موٴرخین کے مطابق حمیر کی سلطنت 115 قبل مسیح میں یا دوسری صدی قبل مسیح میں قائم ہوئی اور تقریباً 640 قبل مسیح یا چھٹی صدی عیسوی کے اوائل تک قائم رہی۔ "ظفار" شہر کو 'زیدان' کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ تجارت اور ثقافت کے میدان میں معین اور سبا کے وارث بنے۔ ان کی زبان بھی وہی جو سبائیوں اور معینیوں کی زبان تھی۔ انھوں نے قبائل سبا کے زوال کے بعد خاصا عروج حاصل کیا۔ حمیری حکومت کے بادشاہ اولاً 'حمیر' اور بعد میں "تبع" کہے جاتے تھے۔

اپنے دور حکومت میں سلطنت حمیر کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا، کیوں کہ ان کے درمیان کبھی ایرانیوں سے اور کبھی حبشیوں سے جنگیں ہوتی رہتی تھیں، جس میں فتح عام طور پر حمیر ہی کو ہوتی رہی، تاریخ سے ان کے بادشاہوں کی تعداد اور ان کے دور حکومت کی تاریخ کا صاف طور سے پتہ نہیں چلتا، یونان کے موٴرخین کے مطابق حمیر کے بادشاہوں کے نام میں مشابہت اور کثرت تعداد کے سبب ایسا ہوا ہے البتہ ان کے مشہور بادشاہوں میں شمر مرعش، اسعد ابو رب، اور یوسف ذی نواس وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

معلومات کی جانچ

- یمن کے علاقے میں آباد قوموں اور سلطنتوں کے نام بتائیں؟

1.7.2 عدنانی عرب

حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان ہوئے ہیں۔ان کی اولاد بنوعدنان کہلاتی ہے۔عدنان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نام نزار تھا۔اس لیے آل عدنان کو معدی اور نزاری بھی کہتے ہیں۔نزار کے ایک بیٹے مضر کی اولاد میں فہر بن مالک تھے۔جن کو قریش بھی کہتے تھے۔یہ خاندان قریش کے جد اعلیٰ ہیں۔ان کی اولاد میں بنی سہم، بنی مخزوم، بنی عدی، بنی عبد الدار، بنی زہرہ اور بنی عبد مناف زیادہ مشہور قبیلے ہیں۔بنوعدنان کو عربِ مستعربہ بھی کہتے ہیں۔

عبد مناف بن فہر کے بیٹے ہاشم محمدؐ کے دادا عبدالمطلب کے والد تھے۔جن کی نسبت سے رسول اللہؐ کا خاندان ہاشمی کہلاتا ہے۔عبد مناف کے والد قصی نے پانچویں صدی عیسوی میں قریش کے قبائل کو متحد کر کے مکہ معظمہ بلکہ سارے حجاز پر اقتدار حاصل کر لیا تھا۔خانہ کعبہ کی تولیت بھی اسی خاندان میں منتقل ہو گئی تھی۔جس کے باعث یہ خاندان سارے عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا۔رسول کریمؐ کی ولادت باسعادت نے بنوعدنان کو وہ شرف بخشا کہ دنیا کا کوئی خاندان ان کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔جنوب میں رہنے والے قحطانی یمنیوں کے مد مقابل شمال میں عدنانی تھے، عدنانی حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں اور حجاز، تہامہ اور نجد کے علاقوں میں رہتے تھے، ان میں سے کچھ عراق اور جزیرہ نماء عرب میں بھی رہتے تھے، عدنانیوں اور قحطانیوں میں بہت سی باتوں میں بڑا فرق ہے، ان میں سے چند باتیں قابل غور ہیں :

1. عدنانی عربوں کے اکثر قبائل خانہ بدوش تھے، ان کے برخلاف قحطانی قبائل شہروں میں گھر بنا کر رہتے اور ایک ترقی یافتہ تہذیب وتمدن کے مالک تھے۔
2. عربوں کی ان دونوں قسموں میں زبان کا بڑا اختلاف تھا، چناں چہ قحطانیوں کی زبان اور عدنانیوں کی زبان میں یکسانیت نہ تھی۔
3. اسی طرح عبادت کے طریقوں اور معبودوں میں بھی ان دونوں قبائل کے درمیان بہت اختلاف تھا، یہی وجہ ہے کہ یمنی اپنے جن خاص دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے، عدنانی انہیں نہیں مانتے تھے۔

عدنانی عربوں کی بظاہر مشہور حکومتیں نظر نہیں آتی ہیں نہ ہی ان کی کوئی عدالت تھی اور نہ ہی امن و قانون نافذ کرنے کے لیے پولیس، کسی خارجی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے فوج بھی نہیں تھی، نیز ٹیکس ادا کرنے کا بھی انہیں مکلف نہیں بنایا گیا تھا "آرنلڈ" کے مطابق ان کے یہاں انتظام وانصرام یا عدالت کا مطلقاً کوئی منظم طریقہ نہیں دکھائی دیتا ہے، جیسا کہ موجودہ دور میں پایا جا رہا ہے، البتہ ہر قبیلہ یا خاندان نے الگ الگ آزاد گروپ بنا رکھے تھے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ عدنانیوں کی بہت سی شاخیں ہو گئیں، ان میں سب سے زیادہ اہم اور ممتاز دو شاخیں تھیں۔ربیعہ اور مضر، اسلام سے 200 سال پہلے تک یہی دونوں قبیلے سب سے زیادہ طاقتور اور بااثر قبیلے شمار کیے جاتے تھے۔یہ دونوں قبیلے ایک ہی آباواجداد کی اولاد تھی، اس کے باوجود ان میں سخت دشمنی چلی آ رہی تھی، جن کی وجہ سے ان دونوں میں سخت خون ریز جنگیں ہوئیں، جن میں دونوں طرف کے سینکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے۔یہ لڑائیاں جب چھڑ جاتی تھیں تو رکنے کا نام نہیں لیتی تھیں، بلکہ برسہا برس تک ان کا سلسلہ چلتا رہتا تھا، ان جنگوں کو "ایام عرب" سے جانا جاتا ہے۔ان لڑائیوں میں سے دو مشہور درج ذیل ہیں۔

جنگ بسوس

اسلام سے پہلے یہ خون ریز لڑائی قبیلہ ربیعہ کی شاخ بکر و تغلب کے درمیان ہوئی تھی جو 40 سال تک جاری اس کا سبب 'سراب' نامی ایک اونٹنی تھی جس کی مالکن 'بسوس' نام کی ایک عورت تھی۔ایک دفعہ یہ اونٹنی کلیب بن ربیعہ کی چراگاہ میں جو بنو تغلب کا سردار تھا چلی گئی، یہ چراگاہ ''عالیہ'' نامی مقام پر واقع تھی۔ کلیب کا رعب و دبدبہ اتنا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی جانور تو کیا کوئی آدمی بھی اس میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا، اسی طرح جس گھاٹ پر اس کے جانور پانی پیتے تھے، وہاں پر دوسرے اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتے تھے۔ جہاں اس کی آگ جلتی تھی، وہاں کوئی دوسرا اپنی آگ نہیں جلا سکتا تھا۔ بکر کی ایک شاخ کلیب نے قبیلہ شیبان میں شادی کر رکھی تھی، بسوس نامی یہ عورت اس خاندان کے ایک شخص جو جساس بن مرہ الشیبانی کی خالہ تھی، لہٰذا جب کلیب نے شیبانی عورت کی اونٹنی کو اپنی چراگاہ میں دیکھا تو تاک لگا کر اس کی تھن میں تیر مارا، یہ ماجرا جساس دیکھ رہا تھا، خالہ اور اس کی اونٹنی کی بے عزتی اس سے نہیں دیکھی گئی، وہ کلیب پر ٹوٹ پڑا اور اسے قتل کر ڈالا، اس کے بعد بکر و تغلب میں اس منحوس لڑائی کا سلسلہ چھڑ گیا، جو عربی ادب میں نحوست کی ضرب المثل بن گئی۔

داحس و غبرا کی لڑائی

یہ جنگ قبیلہ مضر کی دو شاخوں قبیلہ ذبیان اور عبس کے درمیان ہوئی تھی، جس نے بہت زیادہ شہرت پائی، اس کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ عبس کے ایک شخص 'قیس بن زہیر العبسی' نے 'حذیفہ بن بدر الفزاری' کے ساتھ جو ذبیان کا آدمی تھا گھوڑ دوڑ کے مقابلے کی شرط باندھی، چنانچہ فزاری نے اپنا گھوڑا 'غبرا' دوڑایا اور عبس نے اپنا گھوڑا 'داحس' چھوڑا، داحس آگے نکل گیا، لیکن نشان تک پہنچنے سے پہلے ایک چیز سے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا، اتنے میں فزاری کا گھوڑا 'الغبرا' پالا مار گیا، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ بنو فزارہ نے راستے میں کوئی اڑنگا لگا دیا تھا۔ جس سے عبس کا گھوڑا ٹکرا کر گر گیا۔ اس پر ہر ایک قبیلہ اپنے گھوڑے کے جیتنے کا دعویٰ کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ بات بڑھ گئی اور ایسی تباہ کن جنگ کی صورت اختیار کر گئی جو 'حرب بسوس' کی طرح 40 سال تک چلتی رہی۔ اسی طرح مضر کے دوسرے قبائل مثلاً قریش اور کنانہ میں مستقل جنگوں کا سلسلہ چلتا رہا، ان جنگوں کو 'حرب فِجار' کہتے ہیں۔ الغرض عدنانیوں کے مختلف قبائل میں آپس میں اکثر جنگیں جاری رہتی تھیں، جس کی وجہ سے نہ صرف جان و مال کا نقصان ہوتا تھا، بلکہ یہ جنگیں ان قبائل کے لیے ایک مستقل عذاب بنی ہوئی تھیں۔

1.8 عربوں کا غیر قوموں سے رابطہ اور اس کے ذرائع

عرب بڑی حد تک عزلت پسند قوم تھی، اسکے باوجود حالات کے تقاضوں اور ضروریات کے سبب دوسری قوموں سے بھی اپنا رشتہ جوڑا اور ان تعلقات اور میل جول سے عربی ادب کو بہت فائدہ ہوا۔ نئے نئے الفاظ، نت نئی ترکیبیں اور اچھوتے اسالیب بیان سامنے آئے، جس نے عربی ادب کو بہت مالا مال کیا۔ عربوں کا تعلق اپنے پڑوسی ملکوں اور قوموں سے مختلف ذرائع سے ہوا، ان میں دو اہم ہیں۔

تجارت

تجارت کے معاملے میں یمن کے باشندے ایک زمانے میں بہت مشہور تھے، ان کے بعد اس میدان میں قریش مکہ بھی داخل ہو گئے۔ چنانچہ قدیم زمانے میں یمنی حضر موت، ظفار، ہندوستان، افریقہ اور بحرین سے سامان تجارت لا کر مصر و شام کی منڈیوں میں فروخت

کرتے تھے۔اس طرح ان کا ربط وضبط ان ملکوں اور وہاں کے باشندوں سے ہوا۔ قریش سال میں دو مرتبہ تجارتی سفر پر جاتے تھے،ایک جاڑے میں اور دوسرا گرمی میں کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ذکر ہے: ''لِاِیلاف قریش، اِیلافھم رحلَۃَ الشّتآء والصّیْف''(سورۃ قریش: 1-2)،(اس لیے کہ قریش کو مانوس کر دیا۔ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے باعث)۔ جاڑے میں ان کے تجارتی قافلے یمن اور گرمیوں میں شام جاتے تھے۔ ان سفروں سے عربی زبان کو زبردست فائدہ ہوااور دوسرے ممالک کے باشندوں کی زندگی، رہن سہن،اور گھر بار دیکھ کر ان کے ذہن میں وسعت اور فکر میں جلا پیدا ہوئی۔

سرحدی ریاستیں

عربوں کا دوسری قوموں سے ملنے کا ذریعہ وہ عربی ریاستیں بھی بنیں، جنہیں انہوں نے سرحدوں پر قائم کی تھیں،ان ریاستوں میں 'حیرہ'اور غسانیوں کی ریاستوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، چوں کہ عربوں کی سرحدیں ایرانی اور روسی سلطنتوں کی سرحدوں سے متصل تھیں، لہٰذا عرب کے لوگ موقع پا کر ان پر برابر حملے اور لوٹ مار کرتے تھے۔اس لیے عربوں کے اس ناگہانی حملوں سے بچنے کے لیے ایرانیوں نے اپنی سرحدوں سے متصل ''حیرہ''اور رومیوں نے اپنی سرحدوں کے قریب 'غسانیوں' کی عربی ریاستیں قائم کیں،تاکہ یہ ریاستیں عربوں سے نمٹ لیا کریں اور انہیں ان جھگڑوں سے واسطہ نہ پڑے۔

حیرہ کی ریاست :اس ریاست کو ایرانیوں نے قائم کیا تھا،یہ کوفہ سے تقریباً 3 میل کے فاصلے پر واقع تھی،اس کی باگ ڈور قبیلہ لخم (یمنی۔ کہلانی) کو سونپی گئی تھی، جس کا والی ایران کا بادشاہ مقرر کرتا تھا، جو ایک معمولی رقم خراج کے طور پر ایران کو دیتا تھا، ریاست کا والی اکثر معاملات میں آزاد ہوتا تھا، حیرہ کا سب سے بڑا والی عمرو بن عدی رہا ہے، جسے ساپور ادل بن اردشیر نے 268 عیسوی میں مقرر کیا تھا۔ حیرہ کی یہ عربی ریاست 633 عیسوی تک قائم رہی۔اسکے بعد مشہور اسلامی سپہ سالار خالد بن ولید نے اسے فتح کر کے اسلامی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔ حیرہ کے یہ عرب حکام عربوں اور ایرانیوں کے درمیان واسطہ کا کام بھی کرتے تھے۔ جن کے اس میل جول سے عربی ادب کو بڑا فائدہ پہنچا۔ والیان حیرہ نے اس ریاست میں 'خورنق'اور 'سدبر'نامی دو بہت عظیم الشان قلع تعمیر کرائے تھے۔ عربی ادب میں ان دونوں قلعوں کا ذکر، مضبوطی، شان و شوکت اور عظمت کے نشان کے طور پر بکثرت آتے ہیں۔ کیوں کہ ان عربوں نے اتنے پر شکوہ قلعے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

غسانی ریاست: یہ ریاست رومیوں نے شام کی اپنی سرحدوں پر قائم کی تھی،اس ریاست کا پایہ تخت یا دار السلطنت دمشق کے قریب ایک بستی تھی، جس کا نام 'جلق'تھا، مشہور صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ نے غسان اور جلق کی تعریف بڑے دلچسپ اور والہانہ انداز سے کیا ہے۔اس ریاست کے والیوں میں سب سے زیادہ مشہور الحارث بن جبلہ گزرا ہے،اس کو شہنشاہ کوستنیان نے 529 عیسوی میں والی مقرر کیا تھا۔ حارث مذہباً عیسائی تھا۔ غسانی ریاست کے والیوں میں آخری والی جبلہ بن الایہم تھا،جب مسلمانوں نے شام کو فتح کیا تو مشرف بہ اسلام ہو گیا، لیکن بعد میں حضرت عمر نے ایک معمولی مسلمان بنو فزارہ کے ایک فرد کے ساتھ زیادتی کرنے پر جبلہ کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا تو خفا ہو کر بھاگ گیا۔اور قسطنطنیہ پہنچ گیا اور پھر عیسائی ہو گیا اور اسی سال 20ھ میں مر گیا۔

غسانی والیان ریاست بھی والیان حیرہ کی طرح عربوں اور رومیوں کے درمیان واسطہ کا کام کرتے تھے۔ان کے ذریعے عربوں میں رومی تہذیب وتمدن کے اثرات آئے،ان کے الفاظ، تراکیب اور تعبیرات آئیں،غسانی ریاست کے والیان بھی بڑے مہمان نواز، علم دوست اور شاعر وادیب نواز تھے،ان کے دربار میں اس زمانے کے جلیل القدر اور نامور شعرا آتے تھے اور انعام واکرام سے مالامال ہو کر واپس جاتے تھے۔غسانیوں کی حکومت اسلام کے آنے کے بعد 13 ہجری میں جنگ یرموک کے بعد ختم ہو گئی۔

1.9 فرہنگ

بند: Dam	تہذیب وتمدن: Civilisation	منطقہ:Region

1.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے :

- جزیرہ نمائے عرب ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے،اس کا ساحل مغرب میں بحیرۂ احمر اور خلیج عقبہ، جنوب مشرق میں بحیرۂ عرب اور شمال مشرق میں خلیج عمان ابنائے ہرمز اور خلیج فارس سے ملتا ہے۔
- عرب مشرق وسطی اور شمالی افریقہ میں رہنے والا نسلی گروہ ہے جس کی زبان عربی ہے۔قدیم تاریخ توریت اور بائبل کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام کی اولاد میں سے ہیں۔
- جنوب میں رہنے والے قحطانی یمنیوں کے مدمقابل شمال میں عدنانی تھے،عدنانی حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں اور حجاز، تہامہ اور نجد کے علاقوں میں رہتے تھے،ان میں سے کچھ عراق اور جزیرہ نماء عرب میں بھی رہتے تھے،عدنانیوں اور قحطانیوں میں بہت سی باتوں میں بڑا فرق ہے۔

1.11 نمونۂ امتحانی سوالات

1.11.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. عربوں کا سلسلہ نسب کس نسل سے جاملتا ہے؟

(a).عدنان (b).قحطان (c).مضر (d).سام بن نوح

2. قریش تجارت کے لیے کون سے شہر جاتے تھے؟

(a).یمن (b).مدینہ (c).بدر (d).طائف

3. جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ نما عرب کو کتنے منطقوں میں تقسیم کیا گیا ہے؟

(a).دو (b).تین (c).چار (d).پانچ

4. حضرت اسمعیلؑ کی اولاد میں کون سے عرب ہیں؟

(a). قحطانی (b). عدنانی (c). حمیر (d). غسان

5. اردو میں نجد کے کیا معنی ہیں؟

(a). اونچی زمین (b). نیچی زمین (c). پتھریلی زمین (d). سخت زمین

1.11.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. جزیرہ نمائے عرب کا تعارف پیش کریے۔
2. یمن اور اس کے مشہور شہروں کا اجمالی جائزہ پیش کریے۔
3. قحطانیوں کے سلسلۂ نسب، قیام کی جگہ اور طرز زندگی پر روشنی ڈالیے۔
4. عرب مستعربہ پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
5. ایام عرب پر ایک نوٹ لکھیے۔

1.11.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. عرب قوم اور اس کے مختلف طبقات کا تفصیلی جائزہ پیش کریے۔
2. جزیرہ نمائے عرب کے طبعی و جغرافیائی حالات کا مفصل جائزہ لیجیے۔
3. حجاز اور اس کے مشہور شہروں کا مختصر تعارف کرائیے۔

1.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. جزیرۃ العرب : مولانا محمد رابع حسنی ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ، جلد اول : عبدالحلیم ندوی
3. تاریخ الامت : اسلم جیراجپوری
4. تاریخ اسلام : شاہ معین الدین ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

1.D	2.A	3.B	4.B	5.A

اکائی 2: جاہلی دور پر اجمالی نظر (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید
2.1 مقاصد
2.2 جاہلی دور میں عربوں کے سماجی وتمدنی حالات
2.2.1 عرب بادیہ
2.2.2 متمدن عرب (شہروں میں رہنے والے عرب)
2.2.3 میلے (اسواق العرب)
2.3 جاہلی دور میں عربوں کے مذہبی حالات
2.3.1 یہودیت
2.3.2 عیسائیت
2.3.3 مجوسیت
2.3.4 بت پرستی
2.4 عربوں کی ذہنی وفکری صورت حال
2.5 فرہنگ
2.6 اکتسابی نتائج
2.7 نمونۂ امتحانی سوالات
2.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
2.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
2.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

اسلام سے پہلے عرب کے سماجی، تمدنی اور مذہبی حالات خاصے دلچسپ تھے۔ عرب معاشرہ زیادہ تر قبائلی زندگی پر مشتمل تھا، جہاں ہر قبیلے کا سردار اپنی قوم کے فیصلے کرتا اور لوگ اس کے وفادار رہتے۔ بہادری، غیرت اور مہمان نوازی ان کی نمایاں خوبیاں تھیں لیکن ساتھ ہی معمولی جھگڑوں پر طویل جنگیں اور انتقام کی عادت نے معاشرے کو کمزور بنا رکھا تھا۔ کمزور یتیم و غریب افراد کو حقیر سمجھا جاتا تھا۔ تمدنی طور پر ان کا سب سے بڑا سرمایہ تجارت اور مویشی تھے، خصوصاً مکہ مکرمہ خانہ کعبہ کی وجہ سے تجارتی اور مذہبی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ انہیں شعر و سخن سے خاص لگاؤ تھا اور میلوں میں شاعری کا مقابلہ ان کی تہذیب کا حصہ تھا۔ مذہب کے اعتبار سے وہ اصل دین ابراہیمی سے ہٹ کر بت پرستی، سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش میں مبتلا تھے، اگرچہ چند لوگ ایسے بھی تھے جو ایک خدا کو مانتے تھے اور انہیں "حنفاء" کہا جاتا تھا۔ یوں ما قبل اسلام عرب کی زندگی روشنی اور تاریکی دونوں رنگ لیے ہوئے تھی۔ اس اکائی میں آپ عربوں کے تمدنی کے ساتھ مذہبی احوال کے بارے میں تفصیل سے پڑھیں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے اور اس کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- جاہلی دور میں عربوں کے سماجی، تمدنی اور معاشی صورت حال کے بارے میں سمجھیں گے۔
- مختلف خطوں میں رہنے والے قبائل کی طرز زندگی، رہائش، اخلاق و عادات، قومی کردار، شجاعت و جنگ پسندی نیز معاشی حالات کے بارے میں گفتگو کر سکیں گے۔
- عربوں کی دینی و فکری حالت اور عرافت، کہانت اور قیافہ شناسی وغیرہ کے رواج سے روشناس ہوں گے۔

2.2 جاہلی دور میں عربوں کے سماجی و تمدنی حالات

جاہلی دور میں عربوں کے سیاسی حالات کو سمجھنے کے لیے ان کی قبائلی زندگی پر روشنی ڈالنا ضروری ہوگا، جیسا کہ معلوم ہے کہ قحطانی (یمنی عرب) اور عدنانی (حجازی عرب) قبائل آگے چل کر بڑھ کر مختلف قبائل میں تقسیم ہو گئے۔ عرب سماج میں قوموں میں قبیلہ افراد کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی طرح اہم ہوتا تھا، قبیلہ ہی یہ وہ بنیاد تھا، جس پر عربوں کی تہذیب و تمدن کی بنیاد کھڑی ہوتی تھی، یہ ایک بڑا خاندان ہوتا تھا، جس کا ہر فرد یہ سمجھتا تھا کہ ہم سب ایک باپ کی اولاد ہیں، اس لیے ہم کو دکھ سکھ، رنج و راحت اور مصیبت و پریشانی میں سب کا ساتھ دینا چاہیے۔ عام طور سے قبیلہ اپنے جد اعلیٰ کے نام سے پکارا جاتا تھا، جیسے ربیعہ، مضر، اوس و خزرج۔ کبھی کبھی کسی قبیلے کا نام کسی مخصوص

حادثے میں شہرت پا جانے یا اس کی طرف منسوب ہو جانے کی وجہ سے اسی کے نام پر رکھ دیا جاتا تھا، جیسے 'غسان' یہ ایک چشمہ تھا، جہاں پر ایک قبیلہ اترا تھا، چنانچہ اس قبیلے کا نام ہی غسان پڑ گیا۔

ہر قبیلے کا ایک سردار اور شیخ ہوتا تھا، جس پر پورے قبیلے کے افراد کی اطاعت فرض ہوتی تھی، یہ شیخ جنگ و صلح کا فیصلہ کرتا، آپس کے جھگڑوں کو چکاتا، افراد قبیلہ کی خبر گیری اور نگہبانی کرتا تھا، بعض قبیلوں میں یہ رواج بھی تھا کہ شیخ قبیلہ کو افراد قبیلہ کی موت وزندگی پر پورا اختیار ہوتا تھا، اسی طرح ہر قبیلے کا ایک شاعر یا مختلف شعرا ہوتے تھے جو قبیلے کی تعریف میں قصائد کہتے اور اپنے کلام کے ذریعے قبیلے کے شاندار کاموں کا ذکر کرتے فخر کرتے، قبیلے کی بہادری، مہمان نوازی اور سخاوت کے واقعات بیان کر کے دوسرے قبائل پر اپنی فضیلت اور برتری ثابت کرتے۔

اجتماعی حالت سے ہم عرب کے باشندوں کا اپنی بیوی، آل واولاد، چچازاد بھائیوں اور مختلف قبائل کا ایک دوسرے سے آپسی رشتہ و تعلق مراد لیتے ہیں، اس طرح جب ہم عربوں کی قدیم تاریخ کے بارے میں چھان بین کرتے ہیں تو ہمیں دو اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں:

1. ان کی زبان عربی زبان تھی، اگرچہ بول چال کے طریقے یا لہجے مختلف تھے۔ عربی قدیم آرامی کی ایک ترمیم شدہ صورت ہے۔ جس کا اصل سامی ہے۔
2. نسلی اعتبار سے وہ سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

چنانچہ مذکورہ بالا عربوں کو ان کی طرز رہائش اور معیشت کے لحاظ سے سماجی و معاشرتی طور پر دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1. **بادیہ دیہات میں رہنے والے عرب، (اہل العربہ)** 2. **شہروں میں رہنے والے عرب (اہل المدر)**

2.2.1 عرب بادیہ

بادیہ (دیہات میں رہنے والے) عرب کو اہل العربہ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ خیموں میں زندگی گزارتے تھے، جو عام طور پر اون (وبر) سے بنے ہوتے تھے۔ جہاں عام طور پر خشک و بنجر، بے آب و گیاہ اور ریگستانی علاقوں کی موجودگی کے باعث حضری (شہری) اور غیر انتقالی رہائش کم ملتی تھی۔ جزیرہ نمائے عرب میں رہنے والے بدوی عرب عام طور سے صحرائی علاقوں میں رہتے تھے، خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور کہیں بھی جم کر نہیں رہتے تھے، ان کی زندگی کا دارومدار بارش پر تھا، جہاں بارش ہوتی اور جہاں سبزہ زار، شادابی اور زرخیزی ملتی، وہاں اپنے جانوروں کے ساتھ مقیم ہو جاتے تھے اور خیموں میں زندگی گزارتے تھے۔

ان کی زندگی کا سرچشمہ ان کے جانور تھے۔ جو صرف اونٹ، بکری، اور گھوڑے تک محدود تھے۔ جس کے دودھ، اون اور کھال سے وہ اپنا کام چلاتے تھے۔ نجد کے اونچے علاقوں میں جب سردیوں میں بارش ہوتی، تھوڑی بہت گھاس پھوس اگ آتی تو یہ لوگ اپنے مویشیوں کے ساتھ وہاں چلے جاتے اور جب یہاں کی گھاس اور ہریالی ختم ہو جاتی تو دوسری جگہ تلاش کرتے، عام طور سے گرمیوں میں اپنے خیمے مویشیوں پر لاد کر دیہاتوں میں واپس آجاتے۔

ان کے خیمے ان کے جانوروں کی کھالوں کے بنے ہوتے تھے، جن کو نصب کرنے کے بعد دو حصے کر دیے جاتے تھے، ایک حصہ مردانہ اور دوسرا حصہ زنانہ۔ عام طور سے زنانہ حصہ پیچھے ہوتا تھا۔ عربی شاعری میں ان خیموں کو اور جن جگہوں میں وہ نصب ہوتے تھے اور جہاں جہاں قبیلہ رہتا تھا، بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ عربی کی غزلیہ شاعری میں ان خیموں اور ان میں رہنے والی نوجوان پردہ نشیں حسیناؤں اور جن بستیوں میں یہ نصب کیے جاتے تھے، ان کا ذکر عام طور سے بڑے اچھوتے اور دلکش انداز میں آیا ہے۔ ان خانہ بدوش عربوں کی غذا اپنے جانوروں کا دودھ اور کھجور ہوتی تھی، بکریوں اور اونٹوں کا گوشت بھی کھاتے تھے۔

اونٹ اور گھوڑے کی اہمیت

عربوں میں بکری، خچر، اونٹ اور گھوڑے سبھی پائے جاتے تھے۔ لیکن جہاں تک اونٹ کا تعلق ہے تو یہ ان کی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی تھی، اونٹ کا گوشت کھاتے، اس کا دودھ پیتے اور اس کے اون اور کھال سے اپنے کپڑے بناتے، اپنے خیمے تیار کرتے اور اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر سفر کرتے، اپنا سامان ڈھوتے اور عام سواری کے طور پر استعمال کرتے۔ اونٹوں کے بدلے میں لین دین کرتے، ان کے بدلے میں اپنے قیدیوں کو چھڑاتے، مقتولین کے فدیہ میں دیتے اور انھی کو مہر کے طور پر دے کر شادیاں کرتے۔ الغرض اونٹ ان کی زندگی کا وہ گراں قدر سرمایہ تھا، جس کے بغیر ان کی زندگی مشکل ہو جاتی۔

اسی طرح عرب گھوڑوں کو بھی بڑے شوق و اہتمام سے پالتے تھے، خالص گھوڑوں کی افزائش نسل کے خیال سے ان کے شجرۂ نسب کو یاد رکھتے تھے۔ دنیا میں اب بھی عربی نسل کے گھوڑوں کی شہرت باقی ہے

طرز زندگی

بدوی عرب میں قبیلہ سماجی و معاشرتی زندگی کی وہ اکائی تھی، جس پر ان کا پورا معاشرتی نظام قائم ہوا کرتا تھا، ان قبیلوں میں شدید خاندانی عصبیت ہوتی تھی، جس کے نتیجے میں وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، کوئی بھی قبیلہ دوسرے قبیلہ کا اقتدار و تفوق آسانی سے نہیں مانتا تھا، البتہ جنگی مصالح کی بنیاد پر بسا اوقات ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کر لیتا اور دونوں متحد ہو جاتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ذی اثر قبیلہ غیر ذی اثر قبیلہ کے خلاف متحد ہو جانے کے بعد چھا جاتا تھا اور اپنی شہرت کے سامنے کبھی کبھی اس کی شہرت کو مٹا دیتا تھا۔

اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قبیلہ کے افراد آپس میں بڑا تعاون رکھتے تھے، ان کے حالات اور ان کی ضرورتیں ان کو اس تعاون پر مجبور کرتی تھیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد و تعاون کرنا ہر فرد اپنا فرض سمجھتا تھا۔ قبیلہ کے کسی فرد سے قبیلہ کے باہر اگر کوئی زیادتی یا غلطی ہو جاتی تو پورا قبیلہ اس کے نتائج کو بھگتنے کے لیے تیار رہتا تھا اور اس کو اپنی ذمہ داری تصور کرتا۔ اور جب کوئی قبیلہ اپنے کسی فرد کو عاق کر دیتا تو اس کو اپنی حفاظت اور تقویت کے لیے کسی دوسرے قبیلے سے موالات کرنی پڑتی۔ موالات میں بھی آدمی کو اصل جیسے حقوق حاصل ہو جاتے تھے۔

یہ سب ارتباط و تعلق اور ربط و ضبط اخلاقی طور پر ہوتا تھا، اس کے قائم رکھنے کے لیے کوئی فوج نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ قبیلے کا ہر فرد اپنے

قبیلے کا فوجی اور سپاہی ہوتا تھا اور اطاعت و عمل کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ قبیلے کے تمام افراد کو اسی تعاون اور اتحاد و اتفاق کی بدولت فائدے اور حفاظت حاصل ہوتی تھی۔ قبیلے کا جہاں تک دائرۂ اختیار اور نقل و حرکت ہوتا تھا گویا وہاں تک ان کی حکومت پھیلی ہوئی تھی اور وہیں تک ان کی وطنیت اور سیاست محدود تھی۔ یہ قبائل اپنے اپنے علاقے میں حکومت جیسا اقتدار رکھتے تھے، ان کے علاقے سے کوئی دوسرا قبیلہ بغیر ان کی اجازت کے نہیں گزر سکتا تھا اور کوئی گزرنا چاہتا تو اس کے افراد اور جان و مال کو خطرہ رہتا تھا، اس وجہ سے بیرون ملک کے قافلے یا افراد جزیرۃ العرب میں عام طور پر نہیں آسکتے تھے۔ ایرانی اور رومی حکومت نے اپنے تجارتی قافلوں کی حفاظت کے لیے سرحد پر ان قبائل کو اپنے زیر اقتدار حکومت اور بادشاہت دے رکھی تھی۔ اور ان کو اپنے اور عربوں کے درمیان واسطہ بنالیا تھا، یہ حکمراں قبائل ان کے قافلوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے، اس کے صلے میں ان کو رقم ملتی، یہی نہیں بلکہ پیچیدہ مواقع پر یہ ان عجمی سلطنتوں کا ساتھ بھی دیتے تھے۔

بدویوں کے معاش کا ایک ذریعہ لوٹ، مار تھی، یہ بدوی قبائل اپنے دشمن قبائل پر حملہ کرتے رہتے۔ اس طرح دوسرا قبیلہ کبھی تاک میں لگا رہتا اور موقع پاکر اپنی ضرورت پوری کرتا، اکثر ایسا بھی ہوتا کہ کبھی کبھی موافق قبیلوں میں بھی لڑائی ہو جاتی، اس سلسلے میں ان کو معاہدے بھی کرنے پڑتے لیکن یہ معاہدے بھی زیادہ مدت تک قائم نہ رہ پاتے۔

عربوں کی اس جنگجویانہ طبیعت اور ماحول کا اثر زبان پر پڑے بغیر نہ رہ سکا، چنانچہ اس دور کی عربی شاعری جنگ کے حالات، ان کے وصف، معرکہ کارزار کے بیان، انتقام لینے کی خواہش، کامیابی پر فخر، ذلت برداشت کرنے کے مقابلے میں مرجانے کو ترجیح دینے، عزت و ناموس کی خاطر جان کی بازی لگادینے، اپنے وقار اور خودداری پر پورے مال و متاع کو قربان کردینے کے جذبات سے بھری پڑی ہے۔ اسی طرح ان جنگوں کے نتیجے کے طور پر ہتھیاروں اور آلات جنگ کے نام عربی زبان میں آئے، چنانچہ جو شخص مذکورہ اوصاف پر کھرا اترتا وہ قبیلہ کی آنکھ کا تارا بن جاتا، جس کی عزت صرف قبیلہ کے لوگ ہی نہیں، بلکہ حریف بھی کرتے تھے۔ بدویانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے سیر و شکار کا مشغلہ بھی ان عربوں کے یہاں رائج تھا، جس کا ذکر جاہلی شاعری میں خاص طور سے امرؤالقیس، مرقش الاکبر اور علقمہ الفحل کے یہاں بہت ملتا ہے۔ چنانچہ نیل گایوں اور گورخروں کے شکار کے تذکرے سے ان کا کلام بھرا پڑا ہے۔

شہرت کی خواہش

شہرت کی طلب عربوں کے مزاج میں بہت کثرت سے پائی جاتی تھی، وہ چاہتے تھے کہ ان کا تذکرہ اور تعریف و ستائش ان کی زندگی میں نہ ہو سکے تو بعد میں ہو، اس لیے وہ سخاوت اور بہادری کو اس کا ذریعہ بناتے تھے اور پھر اپنی شاعری یا اپنے مداح کی شاعری کے ذریعے اس کو مشہور اور جاوداں بنانے کی کوشش کرتے تھے، وہ ضروریات زندگی کی طلب کے سوا، عزت اور نام کی بقا کی جدوجہد میں وقت صرف کرتے یا پھر دل پسند اشعار سے لطف لینے سے دلچسپی رکھتے اور اس طرح ان کی زندگی کے یہ پہلو ان کے ذوق و حوصلہ مندی کا میدان بنتے تھے۔

شجاعت و جنگ پسندی

جود و سخا کی طرح شجاعت کی فکر بھی عربوں کو رہتی تھی، اس کے لیے ان کو لڑائیاں لڑنی پڑتی تھیں، وہ یہ سننے کے لیے تیار نہ ہوتے

کہ کمزوری دکھائی، ان کو اپنی آن کی بڑی فکر رہتی، اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے گریز نہ کرتے، بعض بڑی جنگیں ان کی چھوٹی سی آن کے لیے چھڑ گئیں اور ان میں بے شمار آدمی مارے گئے، ان میں داحس وغبرا کی جنگ قابل ذکر ہے، جو چالیس سال تک جاری رہی، جنگوں کے تسلسل کی وجہ سے جنگ عربوں کا ایک ذوق ومزاج بن گئی تھی، اس لیے وہ تیار رہا کرتے، اسلحہ جمع کرتے، گھوڑے تیار کرتے اور ان سب کا ذکر بڑے مزے لے لے کر بیان کرتے، جنگ کے نتیجے میں جو کامیابیاں ہوتیں یا حوادث پیش آتے اور جو تاثرات پیدا ہوتے ان کو اشعار میں بیان کیا جاتا، پھر وہ اشعار فخر ومباہات کے طور پر یا بطور اظہار تاثر پڑھے جاتے اور ہر خاص وعام کی زبان پر آجاتے، ان باتوں کی وجہ سے عربوں میں شاعروں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا، ان کی خاطر وتواضع کی جاتیں، داد ودہش کا سبب بنتے اور ان سے خوف بھی کھایا جاتا، دوسری طرف شاعر بھی اپنی طاقت خوب پہچاننے لگے۔ وہ خوب جائز وناجائز فائدے اٹھاتے، کسی کو اعزاز تک پہنچاتے، کسی کو بے عزت کر دیتے، عربی ادب کی تاریخ میں اس طرح کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔

شراب، جوا

اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں **شراب، جوا اور زنا** عام برائیاں بن چکی تھیں۔ شراب نوشی فخر اور عیش وعشرت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ شاعری میں اس کا ذکر خوشی اور شان کے طور پر کیا جاتا، شراب خانوں کی دکانیں عام تھیں۔ جوا کھیلنا بہادری اور کشادہ دلی کی نشانی سمجھا جاتا، اور جو لوگ اس سے بچتے انہیں بخیل کہا جاتا۔ ان برائیوں کے باعث اکثر جھگڑے اور لڑائیاں ہوتی تھیں۔ اسلام نے ان عادات کو ختم کرنے کے لیے **تدریجی حکمت عملی** اپنائی اور آخر کار شراب اور جوئے کو حرام قرار دیا۔

عورت کی حیثیت اور بدوی زندگی

بدوی معاشرے میں عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کرتی تھی — لکڑیاں لاتی، جانور دوہتی اور کپڑے بنتی تھی۔ ان کے یہاں پردہ عام نہیں تھا اور عورتیں مہمانوں کا استقبال بھی کرتی تھیں۔ شادی کے معاملے میں عورتوں کو خاصی آزادی حاصل تھی اور وہ اپنی پسند سے شریکِ حیات کا انتخاب کر سکتی تھیں۔ کچھ قبائل میں لڑکیوں کو غربت یا عزت کے خوف سے زندہ دفن کرنے کا رواج بھی تھا، جسے قرآن نے سختی سے منع کیا۔ عورتیں جنگوں میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور اپنے مردوں کی ہمت بڑھانے کا کام کرتی تھیں۔ جاہلی شاعری میں عورت کو مرکزی مقام حاصل تھا، اکثر شعرا اپنی نظموں کا آغاز عورت کے ذکر سے کرتے تھے۔

2.2.2 متمدن عرب (شہروں میں رہنے والے عرب)

دوسری قسم ان عربوں کی تھی، جو عام طور سے شہروں میں پختہ مکانات بنا کر رہتے تھے اور شہری زندگی کی آسائشوں اور آسانیوں سے بہرہ مند تھے۔ عربوں میں یہ تمدن جزیرۃ العرب کے جنوبی، جنوب مغربی اور کچھ مغربی ساحلوں اور علاقوں میں تھا۔ اور یہ متمدن وشہری عرب یمنی تھے۔ انہوں نے یمن میں بڑے بڑے محلات اور کوٹھیاں بنا رکھی تھیں اور تجارت وزراعت کی کمائی سے عیش وعشرت کی زندگی گزارتے تھے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ ان کی تہذیب وتمدن اس زمانے میں اتنی ترقی یافتہ تھی کہ ان کے گھروں میں سونے چاندی کے برتن

استعمال ہوتے تھے، یہ لوگ باریک کپڑے زیب تن کرتے تھے اور اپنے محلات وگھروں کو بہت قیمتی ساز سامان سے سجاتے تھے۔

ظاہر ہے جہاں عیش وعشرت اور شہری زندگی کی اتنی آسانیاں فراہم ہوں، وہاں کے لوگوں میں سخت کوشی، محنت کرنے کی عادت اور جنگ جو قوموں کی صفات مثلاً بہادری، بے خوفی اور بے باکی نہیں پیدا ہو پاتی، چنانچہ یمن کے لوگ شمال کے عربوں کے مقابلے ان صفات میں کم تھے، ان میں سے کچھ کی صنعت بھی تھی اور کسی حد تک سیاسی نظام بھی، جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

حجازیوں میں قریش مکہ متمدن، مہذب اور شہری لوگ تھے، ان کی خوشحالی کا سبب ان کی تجارت تھی، جو یمنیوں کے بعد انہیں کی اجارہ داری بن گئی تھی، اس کے علاوہ کعبہ کی تولیت اور اس کی وجہ سے ان کے احترام کی بدولت بھی یہاں فارغ البالی اور خوشحالی آئی۔

معاشی اور تمدنی حالت

عربوں کی زندگی گزارنے کا یعنی معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، ان کے کم مایہ اور پسماندہ ہونے، نیز زمین کی عمومی خشکی کی وجہ سے ان کے لیے صنعت وحرفت اور زراعت کے کوئی خاص مواقع میسر نہ تھے، وہ اپنے خاص ذہن کے باعث کاروباری کاموں اور پیشوں کو معیوب سمجھتے تھے، ان کے بدوی نظام، ان کی زندگی کی ضروریات عام طور پر اونٹ، کھجور، تالابوں اور چشموں کا پانی، ان کی زندگی کے لیے کافی ہوتا تھا اور اگر باہر کی یا متمدن علاقوں کی کسی اشیاء کی ضرورت پڑ جاتی تو اس کے حصول کے لیے اپنی طبیعت کے مطابق کوئی طریقہ کار یا ذریعہ اختیار کر لیتے تھے، اس لیے جزیرۃ العرب کے جن علاقوں کے عرب بدویانہ زندگی بسر کر رہے ہوتے وہاں باقاعدہ کوئی تجارتی نظام نہ ہوتا، اس طرح کا باقاعدہ نظام جنوبی اور جنوب مغربی اور کسی قدر شمالی خطوں میں تھا، جن میں حضر موت، ملک یمن اور حجاز کے بعض شہر واقع ہیں اور جزیرۃ العرب کے متمدن علاقے سمجھے جاتے تھے، کسب معاش کا باقاعدہ نظام نہ ہونے کے باعث بدوی عربوں میں خانہ بدوشی اور صحرا نوردی کا چلن ہوا، خشک اور غیر شاداب خطوں کی تلاش میں ان کو وقتاً فوقتاً اپنی جگہیں بدلنی پڑتی تھیں۔ کیوں کہ عرب کی بے دریا اور کم پانی والی زمین ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں پانی اور سرسبزی وشادابی مہیا نہیں کر سکتی تھی، چنانچہ مناسب جگہوں کی فکر میں وہ لگے رہتے تھے اور جب اس سے بھی کام نہیں چلتا تو پھر اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا طریقہ اختیار کرنا پڑتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی میں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی غلط اور معیوب نہیں تھی۔

2.2.3 میلے (اسواق العرب)

بدوی عربوں میں اپنی مختلف ضروریات کے لین دین، تبادلہ اور خرید وفروخت کا یوں تو باقاعدہ کوئی نظام موجود نہیں تھا، البتہ اس طرح حاجات اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک کاروباری انتظام تھا اور وہ نظام میلوں کی صورت میں تھا، جس کو عرب ''اسواق العرب'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ میلے جزیرہ نما عرب کے مختلف حصوں اور علاقوں میں سال میں ایک بار لگا کرتے تھے، ہر میلے میں اس کے آس پاس کا اور قرب وجوار کا مال آکر فروخت ہوتا تھا اور جب تک یہ میلہ جاری رہتا، ایک جشن سا ماحول قائم رہتا تھا۔ ان کی ترتیب بھی ایسی تھی کہ جزیرۃ العرب کے آبادی والے خطوں میں ایک حلقے کی طرح پھیلے ہوئے تھے، اس طرح اگر کوئی شخص چاہتا تو پورے سال میلوں میں

شریک ہو کر جزیرۃ العرب کا پورا چکر لگا سکتا تھا،ان میلوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1.دومۃالجندل	2.مشعر	3.صحار	4.دبا	5.شحر	6.عدن
7.صنعاء	8.الرابیۃ	9.ذوالمجاز	10.منی	11.نطاۃ	12.حجر
13. زبالۃ	14.الحبسر	15.الصفاصف	16.عکاظ		

عکاظ: اس میلے میں ایک بہت بڑا بازار لگا کرتا تھااور اس میں عرب کے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے متعدد طبقہ کے لوگ آکر شریک ہوا کرتے تھے اور تجارت و کاروبار کے ساتھ ساتھ ادبی و علمی محفلیں بھی منعقد ہوتی تھیں، جن میں چوٹی کے شعرا اپنا کلام سناتے اور حکم ان قصائد کے اچھے یا حسن وقبح کے بارے میں اپنی رائے دیتے،اس کے مشہور حکم کے طور پر جاہلی دور کے مشہور شاعر نابغہ ذبیانی کا نام سر فہرست نظر آتا ہے۔اس میلے میں جو قبائل خاص طور پر شریک ہوتے تھے،اس میں قریش، ہوازن، غطفان، عقیل،اور مطلق قابل ذکر ہیں۔عکاظ بازار یا میلہ مکہ مکرمہ سے شمال رخ سے جانے والے راستہ پر واقع اس مقام کے قریب لگا کرتا تھا، جس کو آج کل الحویۃ کبیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس میلے میں ایک مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اسلام کی دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

البتہ اسلام کے آنے کے بعد زیادہ تر میلے مٹ گئے،اس کے ساتھ عکاظ بھی ختم ہو گیا، لیکن اسلام کے ابتدائی زمانے میں بنی امیہ کے آخری عہد تک عکاظ کا بدل بصرہ میں مقام 'مربد' بنا، یہاں بڑے بڑے شعرا آتے اور اپنا کلام سناتے اور یہیں اموی دور کے مشہور شعرا جریر وفرزدق کی معرکہ آرائی ہوا کرتی تھی۔

معلومات کی جانچ

- بدوی عرب کی دو خصوصیات بتائیں؟
- متمدن عرب کے معاشی ذرائع کیا تھے؟

2.3 جاہلی دور میں عربوں کے مذہبی حالات

اسلام سے قبل عربوں کی مذہبی حالت کافی انتشار کا شکار تھی۔بدوی عرب مذہبی طور پر زیادہ گہرائی میں جانے کے عادی نہ تھے۔وہ اپنے آبائی رسم و رواج کے سخت پابند تھے اور تبدیلی کو ناپسند کرتے تھے۔زیادہ تر لوگ بت پرستی میں مبتلا تھے۔عرب ان بتوں سے برکت حاصل کرتے،ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور ان سے مدد مانگتے تھے۔ان کے اثرات اتنے گہرے ہو چکے تھے کہ دینِ ابراہیمی محض ایک بھولی بسری یاد بن کر رہ گیا تھا۔ان کے درمیان سورج، چاند، فرشتوں اور جنات کی پرستش کرنے والے بھی موجود تھے، جب کہ کچھ لوگ سرے سے کسی مذہب کو نہیں مانتے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے جزیرۃ العرب میں بت پرستی کے علاوہ ایک حد تک جن چار مشہور

مذاہب کا رواج تھا،ان میں عیسائیت، یہودیت، مجوسیت اور صابئیت شامل ہیں۔ ہم ان مذاہب کو جو عرب میں رائج تھے تفصیلا جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

2.3.1 یہودیت

جزیرہ عرب کے شمالی اور جنوبی علاقے سب سے پہلے دینِ ابراہیمی سے وابستہ تھے۔ دور جاہلی کا حجاز بین الاقوامی تجارتی کوریڈور پر واقع تھا، جو شام کے ذریعے روم اور باز نطین سے اور یمن کے ذریعے ایک جانب حبشہ اور ہند سے اور دوسری جانب فارس سے جڑا ہوا تھا۔

حجاز میں مکہ اور یثرب توحید الٰہی اور دینِ ابراہیمی کے دو بڑے مرکز تھے۔ یثرب میں دو جنوبی عرب کے قبیلے، اوس و خزرج، وہاں آباد تھے اور وہ بھی رواجی دین عرب کے ساتھ دین ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہودیت اور عیسائیت کا رشتہ جزیرہ عرب سے کافی قدیم تھا۔ یہودیوں کے متعدد قبیلے یثرب اور اس کے اطراف کے علاقوں میں سکونت پذیر تھے۔ گو کہ وہ دین ابراہیمی کی شاخیں تھیں انہوں نے اصل دین میں انحرافات پیدا کر کے اس کی اصل صورت بگاڑ کر اسے یہودیت بنادیا تھا۔

اس دور کا جزیرہ عرب ان یہودی اور عیسائی آبادی کے مذہب اور ثقافت سے کچھ حد تک متاثر تھا۔ یہود و نصاریٰ کے کئی مذہبی رسوم ورواج کا مقامی عرب کو علم تھا۔ یہ تجارت اور دیگر قسم کے میل ملاپ کا نتیجہ تھا۔ مثال کے طور پر اہل یثرب کو یہود کے روزہ اور نماز کا علم تھا، کیونکہ وہ ان کے درمیان موجود تھے۔ عراق اور شام کے عربوں کو نصاریٰ کے مذہبی طقوس کا علم تھا، کیونکہ ان میں ایسے عرب قبائل موجود تھے جو عیسائی ہو گئے تھے۔

یمن اور مدینہ منورہ جسے پہلے یثرب کہا جاتا تھا، جس میں وادی القریٰ، تیما اور خیبر کے علاقے آتے ہیں، کچھ لوگ یہودی مذہب اختیار کیے ہوئے تھے، اس کے علاوہ مدینہ منورہ سے لے کر شام تک کے خطے کی سرسبز و شاداب بستیوں میں یہودی مذہب کے ماننے والے پائے جاتے تھے، یہودی عام طور پر یا تو زراعت کے پیشہ سے وابستہ تھے یا کاریگری اور صناعی کے فن سے جڑے ہوئے تھے، نیز ان کے ماننے والوں میں بہت سے افراد سودی کاروبار بھی کرتے تھے، اس سے وہ بڑے شہروں اور زراعتی مقامات پر رہائش پذیر تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کے تین قبائل آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، ہجرت کے بعد ان تینوں قبائل نے حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کو ایذا و تکلیف پہنچائی اور بارہا تنبیہ کے باوجود وہ اپنی چالوں اور عادتوں سے باز نہیں آئے تو بالاخر وہاں سے نکال باہر کر دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کا ایک تعلیمی مرکز 'بیت المدارس' بھی تھا، جس میں دین کی تعلیم کا انتظام تھا۔

یمن کے یہودیوں نے نجران کے عیسائیوں کو نیست و نابود کرنے کی بھرپور کوشش کی، ان کو بڑی تکلیف پہنچائی، اسی طرح بعض غسانی، قبیلہ طیٔ اور حیرہ کے لوگ عیسائیت کے ماننے والے تھے، مشہور جاہلی شاعر السموئل بن عادیا بھی یہودی مذہب کا پیرو تھا۔

ندلکہ کا کہنا ہے کہ :''دراصل یہ یہودی جزیرہ نمائے عرب کے ہی رہنے والے تھے اور بعد میں انہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا، وہ اپنے دین پر سختی سے عمل کرنے والے تھے، البتہ انہیں توحید کے بارے میں وافر معلومات نہیں تھیں''۔ جب کہ مؤرخین کے ایک دوسرے فریق کا خیال ہے کہ جزیرہ نما کے یہودی فی الحقیقت فلسطین سے آئے تھے، اس کے بعد یہ یہودی جزیرہ نما میں تورات کی تعلیم کی

نشر و اشاعت کرنے لگے۔

2.3.2 عیسائیت

عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔

یہ مذہب عربوں میں رومی حکومت کے اثر و رسوخ سے آیا تھا اور زیادہ تر شام اور شمالی نجد، یمن میں اس کے ماننے والے تھے۔ نجران ان کا ایک مرکز تھا، جس میں بڑا گرجا گھر اور اس سے وابستہ دوسرے شعبے تھے۔ قبائل ربیعہ، تغلب، غسان اور قضاعہ کی بعض شاخوں میں عیسائیت کا رواج تھا۔ حیرہ میں عرب کے مختلف قبائل جن کو "العباد" کہتے تھے۔ عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔

عربوں میں عیسائیت کا ظہور چوتھی صدی عیسوی میں ہوا، البتہ یہ لوگوں کی بڑی تعداد کو اپنی طرف مائل کرنے میں ناکام رہی، عرب کی کسی حد تک عیسائیت سے اس لیے متاثر ہوئے کیوں کہ عربوں اور بازنطینیوں کے درمیان روابط بہت گہرے تھے۔ جنوب میں عیسائیت حبشے کے راستے سے پھیلی، جب کہ شام اور جزیرہ سینا کے راستے سے آئی تھی۔ بعد میں عیسائی کئی شقوں میں تقسیم ہو گئے اور جزیرہ نما میں دو فرقے وجود میں آئے، اس میں ایک فرقہ، جس کا نام نسطوریہ تھا، حیرہ میں وجود میں آیا، جب کہ دوسرے فرقے یعقوبیہ نے غسان اور شام کے قبائل میں اپنا اثر و رسوخ قائم کیا اور جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عیسائیوں کا عرب میں سب سے بڑا مرکز نجران میں تھا، اور وہ ایک آباد علاقہ تھا، یہاں کے عیسائی باشندوں کا پیشہ زراعت تھا، وہ ریشمی کپڑے تیار کرنے میں مہارت رکھتے اسی طرح وہ اسلحہ اور ہتھیار کی تجارت بھی کرتے تھے۔ عیسائی شعرا میں قس بن ساعدہ الایادی، امیہ بن ابی الصلت اور عدی بن زید کے نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

2.3.3 مجوسیت

مجوسیت عربوں میں کم پائی جاتی تھی اور جو کچھ بھی تھی وہ ایران کے زیر اثر آئی تھی، نجد میں کندہ خاندان کے آخری بادشاہ نے ایرانی حکومت کے تعاون کو حاصل کرنے کے لیے مجوسیت اختیار کر لی تھی، مجوسی دو خداؤں پر ایمان رکھتے ہیں، ایک خدائے نور یعنی روشنی کا خدا اور دوسرے خدائے ظلمت یعنی تاریکی کا خدا، ایک کو "یزدان" اور دوسرے کو "اہرمن" کہتے ہیں۔

صابئیت

یہ ایک ایسا مبہم اور پیچیدہ مذہب ہے، جس کی صحیح تعیین و تشریح نہیں کی جاسکتی، لیکن مجموعی طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ مذہب ستارہ پرستی پر مبنی تھا اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مذہب تقریباً وہی مذہب ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا تھا، عہد عباسی میں صابئیوں نے اپنے اس مذہب کو ترقی یافتہ اور عالمی بنانے کی کوشش کی اور انہوں نے اپنی ایسی شکل بنائی کہ جس کے ذریعے وہ اپنی ساری خرافات کے ساتھ ساتھ موحد اور اہل کتاب بھی معلوم ہوتے تھے، چنانچہ عہد عباسی میں چند مشہور صابئی گزرے ہیں، مثلاً ابو اسحاق صابئی جو ایک اچھا اہل قلم تھا، نیز عہد جاہلیت میں بد مذہب ہو جانے کو صابئیت سے تعبیر کرتے تھے، اسی لیے اسلام لانے والے کو وہ لوگ اسلم کے

بجائے 'صبا' کہتے تھے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ سمجھے بوجھے ہوئے مذہب کو چھوڑ کر کسی غیر واضح مذہب کو اختیار کیا گیا ہے۔

2.3.4 بت پرستی

ان کے علاوہ بقیہ اہل عرب کا مذہب جاہلی دور میں بت پرستی تھا اور جزیرۃ العرب میں اکثریت انہی کی تھی اور انہی کا غلبہ و بول بالا تھا، کہا جاتا ہے کہ ابتدائی دور میں بت پرست نہ تھے، ان میں بت پرستی سب سے پہلے اس وقت آئی، جب ان میں کا ایک شخص جس کا نام عمرو بن لحیی تھا، کسی غرض سے ملک کے باہر کے سفر پر گیا، جہاں سے وہ بت پرستی دیکھ کر اور پسند کر کے آیا اور اس نے پھر یہاں بت پرستی کی شروعات کی جو رفتہ رفتہ سارے عرب میں پھیل گئی، قبیلے قبیلے میں بت نصب ہونے لگے اور بعد میں اس نے بت خانے کی شکل اختیار کر لی، کعبہ چوں کہ عربوں کا مقدس عبادت خانہ تھا، اس لیے ہر قبیلے نے اپنے مخصوص بت وہاں رکھنا ضروری سمجھا، جس کی وجہ سے کعبہ بتوں سے بھر گیا، کعبہ میں بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ بتائی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اس میں رکھے گئے بت مختلف قبائل کے دیوتاؤں کی نمائندگی کرتے تھے۔ عمرو بن لحہ نے جو بت لا کر مکہ میں نصب کیا تھا۔ اس کا نام 'ہبل' تھا۔

اسی طرح کعبہ کے سامنے زمزم کے پاس دو مشہور بت اساف و نائلہ تھے، ان کے علاوہ مکہ میں ایک چھوٹا بت تھا، جس کو مناف کہا جاتا تھا، ان بتوں کے علاوہ جزیرۃ العرب کے دوسرے مختلف قبائل میں خاص بت متعین تھے، وہ یہ ہیں: یمن میں اہل قریش کا یغوث، خیوا میں حمدان کا یعوق، قبیلہ ذوالکلاع حمیری کا نسر اور دومۃ الجندل میں ہذیل کا سواع، بتوں کی عبادت و پوجا سیٹی اور تالیاں بجا کر کی جاتی تھی، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ بعض بتوں کا طواف ہوتا، ایسے بت ذوار کہلاتے تھے، بتوں کے لیے قرآن مجید میں اصنام، اوثان، اور تماثیل جیسے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اصنام صنم کی جمع ہے، جس کے معنی عبادت کی جانے والی مورتی کے ہیں اور اوثان وثن کی جمع ہے، جس کے معنی عبادت کیے جانے والے پتھروں کے ہیں۔

قدیم عربوں کے درمیان کچھ ایسے روشن خیال لوگ تھے جو اپنی بڑی مذہبی صورت حال کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور یہ لوگ بت پرستی سے اونچے اٹھ کر اپنے عقائد تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے جو اس سے بھی کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہو، یہ تبدیلی ان کے اندر یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ رہنے اور ان سے اختلاط کے سبب آئی تھی، ان کے درمیان کچھ ایسے لوگ موجود تھے، جو توحید پر مبنی ایک نئے دین کی دعوت دیتے جس کا عیسائیت سے کوئی رشتہ یا واسطہ نہیں تھا، یہ لوگ بت پرستی کو ترک کرنے اور جاہلی عادات واطوار سے چھٹکارا پانے کی دعوت دے رہے تھے جن میں لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا، شراب پینا اور جوا کھیلنا جیسی عادتیں شامل تھیں، یہ وہ جماعت تھی، جو صرف ایک خدا کی عبادت کرتی تھی اور بت پرستی، یہودیت یا نصرانیت کی قائل نہ تھی۔ یہ لوگ 'حنفی' (یعنی خالصۃً صرف ایک خدا کو ماننے والے) کہلاتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہی وہ خدا ہے، جو ان کے اچھے اور برے عمل کا حساب و کتاب لے گا، انہیں حنفی کے علاوہ توبہ کرنے والے یا اللہ کا اعتراف کرنے والوں کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے، جس کی نسبت دین حنیف کی طرف کی گئی ہے۔

اور جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں آیا ہے، اسی طرف سورہ انعام کی آیت نمبر 76 سے آیت نمبر 79 تک میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ لوگ قریشیوں کی بت پرستی کو خام خیالی اور اوہام پرستی سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کے چڑھاوے کے جانوروں کے گوشت کو یہ

لوگ حرام سمجھتے تھے،اس کے ماننے والوں میں مشہور شاعر امیہ بن الصلت کا نام آتا ہے، جسے یہ امید تھی کہ نبیٔ منتظر وہی ہو گا،اسی طرح آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کا نام بھی اسی فہرست میں شامل ہے، جو ایک بوڑھے اور ضعیف انسان تھے، جنہوں نے انجیل حفظ کرر کھی تھی اور یہ وہی ورقہ ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا مطلب بتایا تھا،اس کے علاوہ عرب کے مشہور قاضی وخطیب قس بن ساعدہ الایادی بھی اسی زمرے میں شامل ہیں، جو عکاظ کے میلے میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطاب کررہے تھے، جس میں وہ عربوں کو رائج شدہ رسم ورواج کو چھوڑنے پر آمادہ کررہے تھے اور انہیں رسول اکرم ﷺ کے آنے کی خبر بھی دے رہے تھے۔

بالجملہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جب محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو عربوں میں بت پرستی کا عقیدہ کمزور پڑنے لگا اور یہ مذہب زوال کا شکار ہو گیا اور رفتہ رفتہ کچھ لوگ آخرت کی زندگی پر ایمان لانے لگے،اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے بہت سے ایسے گروہ تھے، جو عقیدۂ توحید پر ایمان رکھتے تھے۔

جاہلی دور کی شاعری میں بتوں کا ذکر

شعر وشاعری عربوں کی خاص شناخت رہی ہے اور مشہور مقولہ ہے 'الشعر دیوان العرب'۔ یعنی عربوں م کے بارے میں اگر جاننا ہے تو ان کے شعر کے ذریعہ جان سکتے ہیں۔ اگر ہم جاہلی شاعری پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اس دور کے شعرا نے دین اور اس کے معتقدات ونظریات کو دینی حیثیت سے اپنی شاعری کا موضوع عام طور سے نہیں بنایا اور نہ انہوں نے ان مسائل پر گفتگو کی،البتہ بعض شعرا ایسے نظر آتے ہیں، جن کے یہاں 'لات وعزیٰ' کی قسم ملتی ہے، مگر اول تو یہ سب کم ہے اور جہاں ہے بھی تو غالباً یہ اس وجہ سے ہے کہ شاید مخاطب اس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو، جو ان بتوں کی پرستش کرتا ہو۔اس کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوئی ہے کہ جاہلیت میں عام عرب اور خاص طور سے شعرا دین کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے تھے۔

معلومات کی جانچ

- عرب میں سب سے پہلے بت کون لایا تھا؟
- عرب میں بت پرستی کے علاوہ کون سے دیگر مذاہب رائج تھے ؟

2.4 عربوں کی ذہنی وفکری صورت حال

اسلام سے پہلے عربوں کی فکری اور علمی زندگی زیادہ وسیع نہیں تھی۔ عربوں کی ابتدائی زندگی **بدوی اور غیر متمدن** تھی،اس لیے وہ دوسرے ملکوں اور قوموں سے علمی طور پر زیادہ متاثر نہ ہو سکے۔ نتیجتاً **تعلیم و فلسفہ** کا رواج نہ تھا۔ جزیرۂ عرب میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم ملتے تھے،اور جو لکھنا پڑھنا جانتے، وہ عام طور پر باہر سے سیکھ کر آتے تھے۔ایسے لوگوں کو **کاتب** کہا جاتا تھا۔

اگرچہ عربوں میں **زبان دانی** کا بڑا چرچا تھا، لیکن ان کا علم زبانی روایتوں اور یادداشت پر مبنی تھا۔ ان میں کچھ لوگ **نَسَب (خاندانوں کی**

تاریخ)، موسمی حالات اور **ستاروں کی چال** جاننے والے ہوتے تھے۔ کچھ کو **تاریخ** اور **طب (دواؤں)** کی بھی ابتدائی معلومات ہوتی تھیں، مگر ان علوم کو منظم علم نہیں کہا جا سکتا تھا۔ مجموعی طور پر عربوں کی ثقافت کا مرکز چار اہم ستون پر مبنی تھا۔ یہی ان کی فکری سر گرمیوں کا اصل دائرہ تھا۔ **1. زبان دانی 2. شاعری 3. امثال و کہاوتیں 4. کہانیاں اور روایات**

یہی عناصر ان کی ذہنی اور ادبی زندگی کی بنیاد تھے، اور انہی سے ان کی فکری صلاحیتوں کا اظہار ہوتا تھا۔

ان کے علاوہ عربوں میں کہانت، فال نکالنا، عرافت وغیرہ بھی عام تھا۔ آیئے ہم اس کی کچھ تفصیل جانتے ہیں۔

کہانت

عربوں میں کہانت یعنی علم غیب کی باتیں بتانے کا بھی ایک سلسلہ تھا، بعض مرد اور عورتیں یہ کام کرتی تھیں اور ان کی شہرت ہو جاتی تھی، زیادہ تر عرب چوں کہ جاہل تھے، لٰہذا وہ ان کاہنوں کے پاس آتے اور اپنے کسی اہم کام یا سفر وغیرہ کے سلسلے میں مشورہ لیتے کہ اس میں خیر رہے گا، یا خطرے کی نشاندہی کر رہے ہیں، یہ کاہن یا کاہنہ عموماً مقفّٰی و مسجّع عربی میں مختصر جوابی جملے کہتے، جن سے سوال کرنے والا کچھ اور مطلب نکال لیتا اور اس طرح غلط مطلب نکالنے پر بھی کاہن اپنی ذمہ داری سے بچ جاتا، یہ کاہن اصلاً نجومیوں کا طریقہ اختیار کرتے تھے، جنوں اور شیاطین سے مدد لیتے اور اس سلسلے میں ان کے جو ٹونے ٹوٹکے ہوتے اسے کرتے تھے۔ یہ بات ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے کہ عرافت و کہانت، غیب کی باتیں معلوم کرنے، نیز گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات کو بتانے کو کہتے ہیں، مگر دونوں میں کچھ فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ کاہن آنے والے واقعات کو بتانے والے کو کہتے ہیں۔ اور عراف اس شخص کو کہتے ہیں جو گزشتہ زمانے کے حالات کو بتائے۔

ان کاہنوں کے جملوں سے بسا اوقات صحیح مطلب بھی نکلتا، مثلاً بعض جملے ان کے ایسے سنے گئے، جن سے غزوۂ بدر میں قریش کی شکست و مصیبت کی پیش گوئی ہوی تھی، جیسے یہ جملہ: "ادر ماادر یوم عقر ونحر" ترجمہ: جانو، وہ دن جو کاٹنے اور ذبح کرنے کا ہے۔

اسی لیے جب قرآن کا نزول شروع ہوا اور کفار پریشان ہونے لگے تو کاہنوں کے مسجع و مقفیٰ جملوں کو سامنے رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے یہ کہا کہ قرآن بھی کہانت ہے، لیکن پھر خود ہی اس کی تردید کر دی، کیوں کہ مسجع و مقفیٰ ہونے میں مماثلت پائے جانے کے علاوہ کوئی دوسری مماثلت نہ تھی، عربوں کی فکر پر ان کاہنوں کا بڑا اثر تھا۔

فال

کہانت سے ہی ملتی جلتی بات عربوں میں فال خیر و بد لینے کی تھی، وہ بعض وقت تیزروں سے اور بعض وقت پرندہ کو اڑا کر تو بسا اوقات اچانک کان میں پڑنے والے الفاظ سے یا ان تک نظر آنے والی چیزوں سے لیتے تھے۔ فال کے لیے متعدد تیر ہوتے تھے اور وہ ان کو "ازلام" کا نام دیتے تھے۔ قرآن مجید میں ازلام سے کام لینے پر شدید تنکیر و ممانعت آئی ہے۔ ازلام میں سے کسی پر ہاں لکھا ہوتا، کسی پر نہیں اور کوئی خالی ہوتا، وہ ان کو پھینکتے اور اٹھاتے تھے پھر فال نکالتے تھے۔

حضرت سراقہ بن جعشمؓ نے بھی اسلام مسلمان ہونے سے پہلے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب کیا اور بار بار اس کے

پیر دھنس رہے تھے تو وہ تیروں سے فال نکالتے تھے۔

ازلام کا رواج عربوں میں بڑے غلو کے ساتھ تھا۔ جب کہ پرندہ سے فال نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی بیٹھے ہوئے پرندے کو اڑایا جاتا اور دیکھا جاتا کہ یہ کس رخ پر پرواز کرتا ہے، اگر دائیں طرف پرواز کیا تو سانح کہلاتا اور اسے اچھی فال کہی جاتی اور اگر بائیں جانب اڑتا تو بری فال مراد لی جاتی اور بارح کہلاتا، عرب شاعری میں دونوں طریقوں کے فال کا اچھا خاصا تذکرہ ملتا ہے۔ حضور ﷺ نے کسی بات سے اچھا مطلب نکالنے کی اجازت تو دی ہے، لیکن برا مطلب لینے سے ممانعت فرمائی۔

فراست و عرافت

اس کے معنی عقل و دانائی کے ہیں، عرب جاہل ہونے کے باوجود اچھے ہوش و گوش کے مالک تھے، ان پڑھ انسانوں میں جو عقل و دانائی ہو سکتی ہے، وہ ان میں بھی موجود تھی اور ان میں سے بعض تو امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ایسے افراد کے پاس لوگ جھگڑوں یا سنجیدہ مشوروں کے لیے جاتے تھے اور ان کے فیصلے کو آپس میں جھگڑنے والے افراد بھی مان لیتے تھے۔ یہ افراد حکم کے نام سے پکارے جاتے تھے، ان میں سے ایک کا نام عامر بن الظرب تھا، ان کا یہ دلچسپ واقعہ بھی منقول ہے کہ جب وہ بوڑھے ہوئے اور نسیانیت یا بھول کا اثر ان کے فیصلہ پر بھی پڑنے لگا تو اپنی بیٹی کو یہ سکھایا کہ جب میں کسی کے فیصلے کے لیے بیٹھوں تو تم پس پردہ سب باتیں سنا کرو اور جب مجھ سے بھول سرزد ہوتے سنو تو ڈنڈا بجادو میں ہوشیار ہو جاؤں گا اور فیصلہ کو درست کر لوں گا۔ اس بات پر عربی میں کہاوت چل پڑی کہ :"ان العصا قرعت لذی حلم" (ڈنڈا صاحب عقل کے لیے بجایا جاتا ہے) بہر حال اس کے معنیٰ بھی غیب کی باتیں معلوم کرنے والے کے ہیں، مگر عراف اس شخص کو کہتے ہیں جو گزشتہ زمانے کے حالات بتائے۔

قیافہ شناسی

عربوں میں جو ذہین و فطین اور تجربہ کار لوگ ہوتے تھے، وہ قیافہ شناسی کیا کرتے تھے، خاندان و قبیلہ کا اندازہ پیر کے نشان سے بلکہ بسا اوقات برتن میں منہ لگنے کی بو یا جسم کی بو کو سونگھ کر خاندان کا اندازہ لگا لیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں متعدد دلچسپ واقعات کتابوں میں ملتے ہیں۔ کتابوں میں قیافہ شناسوں کے عجیب و غریب واقعات ملتے ہیں۔

معلومات کی جانچ

- عربوں کی ثقافت کا مرکز کس پر تھا؟

2.5 فرہنگ

امثال: محاورہ (Proverbs)　　　شجرۂ نسب: Family tree, Ancestory

فال: کسی شے کو دیکھ کر یا کسی خاص قسم کے شگون کو دیکھ کر نیک یا بد مستقبل کا اندازہ لگانا۔

2.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درجہ ذیل نکات سیکھے:

- عرب سماج میں قوموں میں قبیلہ افراد کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی طرح اہم ہوتا تھا، قبیلہ ہی یہ وہ بنیاد تھا، جس پر عربوں کی تہذیب و تمدن کی بنیاد کھڑی ہوتی تھی۔ عربوں میں دو سماجی اور معاشی طبقات تھے بادیہ (دیہات میں رہنے والے) عرب، ، جو اہل العربہ کہلاتے ہیں۔ شہروں میں رہنے والے عرب اہل المدر کہلاتے ہیں۔
- بدوی عربوں میں اپنی مختلف ضروریات کے لین دین، تبادلہ اور خرید و فروخت کایوں تو باقاعدہ کوئی نظام موجود نہیں تھا، البتہ اس طرح حاجات اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک تجارتی انتظام تھا اور وہ نظام میلوں کی صورت میں تھا، جس کو عرب ''اسواق العرب'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ میلے جزیرہ نما عرب کے مختلف حصوں اور علاقوں میں سال میں ایک بار لگا کرتے تھے۔
- اہل عرب میں موحد اور بت پرستی دونوں شامل تھے لیکن جزیرۃ العرب میں بت پرستوں کا غلبہ و بول بالا تھا، اس کے علاوہ کئی اور مذاہب کے باشندے وہاں آکر بس گئے تھے جن میں یہودی، عیسائی، مجوسی اور صابئ شامل تھے۔
- عرب میں کہانت فال، قیافہ شناسی کا عام رواج تھا۔ وہ ان کاہنوں کے پاس آتے اور اپنے اہم کام سفر وغیرہ کے سلسلے میں مشورہ لیتے۔

2.7 نمونۂ امتحانی سوالات

2.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. عربوں میں بت پرستی کا رواج کس نے شروع کیا؟

(a). اسمعیلؑ (b). عدنان (c). عمر بن لحیی (d). عبداللہ بن ابی

2. سماجی و معاشرتی اعتبار سے عربوں کو کتنے گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے؟

(a).دو (b). تین (c).چار (d).پانچ

3. عرب کس جانور کے شجرۂ نسب کو یاد رکھتے تھے؟

(a).اونٹ (b).گھوڑا (c).گائے (d).شیر

4. داحس و غبرا کی جنگ کتنے سال تک جاری رہی؟

(a).پچاس (b).ساٹھ (c).چالیس (d). تیس

5. مشہور شاعر نابغہ ذبیانی کو کس چیز کا حکم بنایا تھا؟

(a).شراب (b).جوا (c).شاعری (d).گھوڑ سواری

2.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. جاہلی دور میں عربوں کے سماجی واجتماعی حالات سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. عربوں میں اونٹ کی کیا اہمیت تھی؟ واضح کیجیے۔
3. عربوں کے مزاج میں شہرت کی طلب کیوں پائی جاتی تھی؟ بیان کیجیے۔
4. جاہلی دور میں جوا کی کیا اہمیت تھی؟ بیان کیجیے۔
5. عکاظ کے میلے پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

2.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. بدوی عرب کی طرز زندگی اور خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔
2. بادیہ میں رہنے والے عرب کی قبائلی زندگی کی سچی تصویر پیش کیجیے۔
3. بدویانہ زندگی میں عورتوں کے کردار پر مفصل بحث کیجیے۔

2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. عربی ادب کی تاریخ (جلد اول) : عبدالحلیم ندوی
2. جزیرۃ العرب : مولانا محمد رابع ندوی
3. تاریخ الامت : اسلم جیراجپوری
4. تاریخ اسلام : شاہ معین الدین ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

1.C	2. A	3. A	4. C	5.C

اکائی 3: مکی زندگی: بعثت سے پہلے کی زندگی

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 ولادت باسعادت اور رضاعت

3.3 مدینہ کا سفر اور والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی وفات

3.4 چچا ابو طالب کی کفالت میں

3.4.1 شام کا سفر اور بحیرا راہب کا واقعہ

3.5 حرب فجار

3.6 حلف الفضول

3.7 شام کا دوسرا سفر

3.8 حضرت خدیجہؓ سے نکاح

3.9 خانہ کعبہ کی تعمیر

3.10 فرہنگ

3.11 اکتسابی نتائج

3.12 نمونہ امتحانی سوالات

3.12.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

3.12.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

3.12.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

3.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

اس اکائی میں سیرت رسول اللہؐ کے بالکل ابتدائی حصہ بیان کیا گیا ہے۔ بچپن اور جوانی میں آپ ﷺ کی زندگی کیسی تھی، کن حالات میں آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام گذارے آپ ﷺ نے بچپن کہاں گذارا، بچپن اور جوانی میں آپ ﷺ کے ساتھ کیا خوارق عادات چیزیں پیش آئیں، آپ ﷺ کا ذریعہ معاش کیا تھا، اور سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کے اس دور میں اخلاق و کردار وغیرہ پر بھی اس اکائی میں روشنی ڈالی جائے گی۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ

- رسول اللہؐ کی زندگی کے ابتدائی ایام یعنی عہد طفولت اور عہد شباب کی شخصیت سے سبق لیں۔
- آنحضورؐ کے ذریعہ معاش اور سماجی کردار پر گفتگو کر سکیں۔
- نبوت ورسالت کے سلسلہ میں پیشین گوئیوں اور خدائی تربیت سے متعلق معلومات پر مذاکرہ کر سکیں۔

3.2 ولادت باسعادت اور رضاعت

پچھلی کی اکائیوں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ نبی کریمؐ کے اس دنیا میں تشریف لانے کے وقت عرب بلکہ پوری دنیا کس قدر بے دینی، جہالت اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایسے حالات میں اللہ تبارک وتعالی نے اس دنیا کی تاریکی اور جہالت کو دور کرنے کے لیے اپنے ایک نبی اور رسول کو اس دنیا میں بھیجنے کا ارادہ فرمایا، اور اس کے لیے نبی کریم محمد عربیؐ کا انتخاب فرمایا۔ یہ وہی نبی اور رسول تھے جن کی آمد کی خوش خبری سابقہ آسمانی کتابوں میں دی جاتی رہی تھی، اور سابقہ انبیاء اور رسل اپنی قوم کو جس کی بشارتیں دیتے رہے تھے، اور جس کی بعثت کی دعائیں حضرت ابراہیمؑ نے مانگی تھی۔ اس نبی آخر الزماں نے صبح صادق کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے اس دنیا میں اپنی آنکھیں کھولیں۔

تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں مختلف آراء ہیں، ایک مشہور روایت کے مطابق آنحضورؐ کی ولادت 12، ربیع الاول کو ہوئی تھی، لیکن زیادہ صحیح اور معتبر روایت کے مطابق آپ ﷺ کی پیدائش 9، ربیع الاول واقعہ فیل کے سال مطابق 20، اپریل 571ء میں پیر کے دن ہوئی تھی۔ جب آنحضورؐ اس دنیا میں تشریف لائے تو والدہ ماجدہ نے دادا عبد المطلب کو خبر بھجوائی۔ عبد المطلب اپنے جوان اور سب سے محبوب بیٹے کے انتقال سے کافی رنجیدہ تھے، انہیں جب اپنے اُس محبوب بیٹے کی اِس اولاد کی خبر ملی تو بہت زیادہ خوش ہوئے، وہ آئے اور آپ ﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے اور اللہ سے دعائیں کیں۔ پیدائش کے ساتویں دن دادا عبد المطلب نے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا، اور قریش کے تمام لوگوں کو دعوت دی۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے عبد المطلب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے جس پوتے کے نام پر یہ عقیقہ اور دعوت وغیرہ کا انتظام کیا تھا اس کا آپ نے کیا نام رکھا ہے؟ عبد المطلب نے جواب دیا: 'محمد'۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ نام اس وقت کے مروجہ تمام ناموں سے

بالکل مختلف تھا، چنانچہ انہوں نے عبد المطلب سے اس کا سبب جاننا چاہا۔ عبد المطلب نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے اس پوتے کی تعریف وتوصیف دونوں جہاں میں کی جائے، اس لیے میں نے اس کا نام 'محمد' رکھا ہے۔ دادا کے رکھے گئے اس نام کے علاوہ والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کا نام 'احمد' رکھا تھا، پھر جب آپ ﷺ خود صاحب اولاد ہوئے تو اپنے صاحبزادہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے 'ابوالقاسم' کنیت اختیار فرمائی تھی۔

آپ ﷺ کی پیدائش سے چند مہینے پہلے ہی والد ماجد حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت عبد اللہ تجارت کے سلسلہ میں ملک شام کی طرف گئے تھے۔ راستہ میں طبیعت خراب ہو جانے کی وجہ سے مدینہ میں اپنی ننھیال قبیلہ بنو نجار میں قیام فرمانے کے لیے رک گئے تھے۔ لیکن اقامت اختیار کر لینے کے بعد بھی طبیعت بحال نہ ہو سکی اور وہیں آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔

رضاعت

عربی زبان میں 'رضاعت' کے معنی دودھ پینا ہوتا ہے۔ جب آنحضورؐ کی پیدائش ہوئی تو آپ ﷺ نے والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد پھر کچھ دنوں تک چچا ابولہب کی باندی 'ثوبیہ' نے بھی آنحضورؐ کو دودھ پلایا۔

شرفائے مکہ کا یہ دستور تھا کہ جب ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اس کی بہتر پرورش وپرداخت کے لیے عرب کے قصبات اور دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے، تاکہ وہاں کی صاف اور صحت بخش آب وہوا میں وہ پروان چڑھے تاکہ جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں۔ ساتھ ہی ان کے پیش نظر یہ بات بھی ہوتی تھی کہ چونکہ شہر مکہ مکرمہ میں مختلف علاقوں سے لوگ آتے جاتے رہتے تھے، جس کی وجہ سے وہاں مختلف قبائل کے لوگوں کا اختلاط ہوتا رہتا تھا، چنانچہ وہاں کی زبان میں دوسری زبانوں کی آمیزش ہو جاتی تھی۔ اس لیے اپنے بچوں کو دیہات وقصبات میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ عرب کی خالص اور فصیح زبان پر کمال حاصل کر لیں۔ اس غرض کے لیے اطراف کے قبیلوں کی عورتیں وقتاً فوقتاً مکہ مکرمہ آتی رہتی تھی، اور شرفائے مکہ کے بچوں کو اپنے ساتھ لے جاتی تھیں۔ جس سے انہیں بہتر معاوضہ بھی مل جاتا تھا اور آئندہ بہتر سلوک کی بھی امید رہتی تھی۔

قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ بنو سعد اس معاملہ میں خاص شہرت رکھتی تھیں، ان کی زبان بھی پورے عرب میں سب سے زیادہ فصیح مانی جاتی تھی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کی پیدائش کا ایک ہفتہ گذر گیا، تو اسی دستور کے مطابق بنو سعد کی کچھ عورتیں نوزائدہ بچوں کی تلاش میں مکہ آئیں۔ آپ ﷺ ان کے سامنے پیش کیے گئے، لیکن یتیم ہونے کے وجہ سے انہیں یہ خیال ہوا کہ جس بچے کا باپ موجود نہیں اس کی پرورش پر انہیں فراخ دلانہ بدلہ ملے گا اور نا ہی آئندہ بہتر سلوک اور انعام، اس لے سب نے منع کر دیا۔ ان عورتوں کے ساتھ حلیمہ سعدیہ بھی آئی تھیں۔ اتفاق سے انہیں کوئی بچہ نہیں ملا، اور خالی ہاتھ واپس بھی نہیں ہونا چاہتی تھیں، لہٰذا انہوں نے آنحضورؐ کو دودھ پلانا قبول کر لیا۔

اس واقعہ کو خود حضرت حلیمہ سعدیہؓ بیان کرتی ہیں کہ ''اس سال بہت سخت قحط پڑا تھا، ہمارے پاس کھانے پینے کے سامان بھی نہ تھے، مجھے دودھ اتنا بھی نہ آتا تھا کہ میرے بچوں کو ہی کافی ہو جائے۔ ہمارے ساتھ ایک دبلی پتلی گدھی تھی جس پر میں سوار تھی، اور ایک اونٹی بھی ہمارے ساتھ تھی، یہ بھی بہت دبلی پتلی تھی، اور اس کا دودھ بھی سوکھا ہوا تھا۔ چنانچہ جب میں مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئی تو سب سے پیچھے رہ گئی جس کی وجہ سے ہمیں کوئی بچہ نہ ملا۔ بالآخر مجھے حضرت محمدؐ کو لینا پڑا، جنہیں یتیم ہونے کی وجہ سے دوسری عورتوں نے لینے سے انکار

کر دیا تھا۔ لیکن جب میں نے آنحضور ؐ کو اپنی گود میں لیا تو مجھے دودھ اس کثرت سے آیا کہ خود آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر پیا، پھر میرے اپنے بچوں نے خود سیر ہو کر پیا اور وہ سو گئے۔ اس کے بعد وہ اونٹنی جس کا تھن بالکل سوکھا ہوا تھا، اس میں بھی اتنا دودھ اتر آیا کہ ہم نے خوب سیر ہو کر پیا اور اس رات ہم اس قدر پر سکون نیند ہوئے کہ ایسی نیند پہلے کبھی میسر نہ آئی تھی۔ راستہ میں جس میں گدھی پر میں سوار تھی اس قدر تیز رفتار ہو گئی کہ قافلہ کی ساری عورتوں کو پیچھے چھوڑ دیا' ۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ حلیمہ سعدیہ کے قافلے اور قبیلہ والوں کے ساتھ کئی خوارق عادات واقعات بھی پیش آئے۔

جب عمر دو سال کی ہوئی تو آپ ﷺ کا دودھ چھڑا دیا گیا، اور مکہ مکرمہ میں وبا پھیلی ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس ہی مقیم رہے۔ اس کے تقریباً دو سالوں بعد چار سال کی عمر میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے کہ دو آدمی آئے، انہوں نے آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا، اور اس میں سے کوئی سیاہ چیز نکال کر پھینک دی، پھر آپ ﷺ کا دل اچھی طرح دھویا اور صاف کر کے اس کی جگہ واپس رکھ دیا، اور پھر آپ ﷺ کا سینہ مبارک اسی طرح درست کر دیا جیسے پہلے تھا۔ اس واقعہ سے گھبرا کر حضرت حلیمہ نے آپ کو حضرت آمنہ کے حوالہ کر دیا۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس آپ ﷺ تقریباً پانچ سالوں تک مقیم رہے۔ اس دوران ہر سال دو مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو والدہ ماجدہ حضرت آمنہ سے ملاقات کرانے کے لیے مکہ مکرمہ لے جایا کرتی تھیں۔

آپ ﷺ کے رضاعی والد کا نام حضرت حارث بن عبد العزیٰ تھا۔ عبد اللہ، حذیفہ، انیسہ اور شیما آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بہن تھے۔ ان میں سے والدہ حلیمہ سعدیہ، والد حارث، بھائی عبد اللہ اور بہن شیما نے اسلام قبول کیا تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت سفیانؓ بن حارث کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اور آپ ﷺ پہلی رضاعی ماں حضرت ثوبیہ نے اپنے صاحبزادہ حضرت مسروحؓ کے علاوہ حضرت حمزہؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت ابو سلمہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ لہٰذا یہ سب آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔

3.3 مدینہ کا سفر اور والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی وفات

جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس سے واپس والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ کو تندرست و توانا دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں اور آپ ﷺ کے ساتھ نہایت ہی محبت و شفقت اور لاڈ پیار کا معاملہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ کی دیکھ بھال اور ضرورتوں کا خیال رکھنے کے لیے اپنی خادمہ حضرت ام ایمن کو مقرر فرما دیا تھا۔

جب چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ ماجدہ آپ ﷺ کو لے کر مدینہ طیبہ دادا عبد المطلب کے ننھالی رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئیں۔ مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کے والد ماجد کا مقبرہ بھی تھا، لہٰذا مدینہ کے اس سفر سے اپنے محبوب شوہر حضرت عبد اللہ کے مقبرہ کی زیارت کرنا بھی حضرت آمنہ کے پیش نظر تھا۔ آپ ﷺ کے دادا کا ننھال خاندان نجار میں تھا، لہٰذا آنحضور ؐ، حضرت آمنہ اور حضرت ام ایمن کا

قیام وہیں ہوا۔ اس دوران وہاں مدینہ طیبہ میں مختلف مقامات کی زیارت کی، والد ماجد کے انتقال ہونے والی جگہ اور مقبرہ وغیرہ دیکھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس سفر کے حالات اور ان پرانی یادوں مثلاً اس دوران کے دوست احباب جن کے ساتھ آپ ﷺ نے کھیلا کودا تھا، کھیل کود کے مقامات، تیراکی کی مشق وغیرہ کا تذکرہ صحابہ کرام سے کیا کرتے تھے۔ وہاں تقریباً ایک مہینہ تک مقیم رہنے کے بعد واپسی ہوئی۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی طبیعت سخت خراب ہوئی اور مقام ابواء میں مالک حقیقی سے جاملیں۔ حضرت ام ایمن نے آنحضورؐ کو کسی طرح سنبھالا اور حضرت آمنہ کی تدفین فرما کر آپ ﷺ کو لیے ہوئے مکہ مکرمہ میں دادا عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ کو ان کے حوالہ کر دیا۔

دادا عبدالمطلب کی آغوش محبت میں

والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ دادا عبدالمطلب کے زیر سایہ پرورش پانے لگے۔ عبدالمطلب کو اپنے پوتے سے بیحد محبت اور لگاؤ تھا۔ وہ آپ ﷺ کو ہر وقت اپنے ساتھ اور اپنے قریب رکھتے تھے۔ اپنے قریب بٹھاتے تھے، ساتھ سلاتے تھے، جب کھاتے تو ساتھ کھاتے، اگر آپ ﷺ موجود نہ ہوتے تو انتظار کرتے، اپنے کندھوں پر بٹھا کر خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے، آپ ﷺ خود جب چاہتے اپنے دادا کے پاس آتے جاتے تھے، خواہ دادا تخلیہ میں آرام کر رہے ہوں، حالانکہ ان کی دوسری اولاد یہ کرنے کی جرأت نہ کر سکتی تھی۔ خانہ کعبہ کے سایہ میں عبدالمطلب کے لیے مخصوص نشست لگتی تھی، جس پر بڑے سے بڑے سرداران مکہ کو بھی قدم رکھنے کی ہمت نہ تھی، یہاں تک عبدالمطلب کی اولاد بھی اس سے دور ہٹ کر بیٹھتی تھی۔ لیکن رسول اللہ کو عام اجازت تھی اور آپ ﷺ بلا جھجھک اور بلا تکلف وہاں دادا کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ اگر عبدالمطلب کی کوئی اولاد اس سے روکنے کی کوشش کرتی تو اسے ایسا کرنے سے عبدالمطلب خود منع کر دیتے تھے کہ محمدؐ کو میرے پاس آنے دو، اور پھر آپؐ کو اپنے ساتھ بیٹھا لیتے، اور آپؐ کی پیٹھ اور سر پر محبت اور شفقت سے ہاتھ پھیرتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دوران جب آپ ﷺ دادا عبدالمطلب کے زیر پرورش تھے عرب کے بعض مشہور قیافہ شناسوں نے آنحضورؐ کے نشان قدم دیکھ کر یہ خبر دی تھی کہ اس بچہ کی خاص حفاظت کرنا کیونکہ ہم نے کسی اور کے نشان قدم اس قدر مشابہ نہیں دیکھے ہیں جتنا محمدؐ کے نشان قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشان قدم کے مشابہ ہیں۔ اس موقع پر چچا ابو طالب بھی موجود تھے، چنانچہ دادا نے اس سلسلہ میں چچا کو ہوشیار رہنے آنحضورؐ کی حفاظت کرنے کی تاکید کی۔

دادا عبدالمطلب کے سایہ عاطفت میں آنحضورؐ نے ابھی دو سال ہی گذارے تھے کہ ان کا بھی وقت آخر قریب آگیا اور چند دن بیمار رہنے کے بعد 82 سال کی عمر میں اس دار فانی سے چل بسے۔ جب دادا بیمار تھے اور بستر پر پڑے ہوئے تھے تو آنحضور ﷺ ان کے سرہانے کھڑے رو رہے تھے، پھر جب ان کا جنازہ اٹھا اور ان کو تدفین کے لیے لے جایا جانے لگا تو آنحضورؐ بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور زار و قطار روتے جاتے تھے۔ دادا کو اپنے آخری وقت میں بھی اپنے محبوب پوتے کا ہی خیال تھا۔ چنانچہ انہوں نے چچا ابو طالب کو آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری سونپی، اور خصوصیت سے آپ ﷺ کی حفاظت وصیانت اور حسن سلوک کی وصیت کی۔

3.4 چچاابو طالب کی کفالت میں

عبد المطلب کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق چچاابو طالب نے آنحضورؐ کو اپنے زیر پرورش لے لیا۔ چچانے دادا کی یادوں کو بھلانے اور آنحضرتؐ کے غم کو ہلکا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ چنانچہ آنحضورؐ کے مقابلے میں ابو طالب اپنی سگی اولاد کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ جب سوتے تو اپنے پہلو میں آپ ﷺ سلاتے، اور اگر کہیں باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے تھے۔ چچا کے علاوہ چچی حضرت فاطمہ بنت اسد بھی آپ ﷺ سے بیحد محبت کرتی اور لطف و کرم سے پیش آتی تھیں۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو گویا ماں باپ کا پیار ملتا رہا۔ ساتھ ہی ابو طالب نے دایہ ام ایمن کو بھی آپ کی پرورش کے سلسلہ میں خصوصی ہدایات دے رکھی تھیں۔ اسی بچپنے میں جب آپ ﷺ دس بارہ سال کے تھے، آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں۔ چنانچہ اس وقت کی یادوں کا تذکرہ نبوت کے بعد صحابہ کرام سے کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ جنگل میں تھے اور لوگ پیلو کے درخت کے پاس سے گزر رہے تھے، تو آنحضورؐ نے فرمایا کہ ان میں جو پھل زیادہ سیاہ ہیں وہ زیادہ ذائقہ دار ہوں گے، یہ میرا اس وقت کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔

بعض لوگوں نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ چچاابو طالب آنحضورؐ کو عزیز نہ رکھتے تھے اس لیے آپ ﷺ سے بکریاں چرواتے تھے۔ یہ ایک غلط تجزیہ ہے، دراصل اہل عرب کے نزدیک بکریاں چرانا کوئی معیوب اور کسی کو ذلیل کرنے والا کام نہ تھا، اس لیے آنحضورؐ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی چونکہ چچامالی اعتبار سے زیادہ مضبوط حالت میں نہ تھے، اس لیے آپ ﷺ کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ چچا کی مالی استعانت کی جائے، اس لیے رسول اللہؐ نے خود بکریاں چرانے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں کہا گیا ہے: ''ولکم فیھا جمال حین تریحون و حین تسرحون'' (نحل:6) ترجمہ: یعنی جس وقت تم شام میں ان کو چرا کر واپس لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو تو تمہارے لیے ان میں رونق کا سامان ہے۔ اور آنحضورؐ نے خود فرمایا ہے کہ ''کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں''۔ (بخاری:5453)

چچاابو طالب کی یہ شفقت و محبت تادیر قائم رہی۔ نبوت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب تک آپ زندہ رہے کفار و مشرکین کو آنحضور پر کبھی زیادتی کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تقریباً 45 سالوں تک آپ ﷺ کو قوت پہنچاتے رہے، جب آنحضورؐ 53 سال کی عمر میں تھے چچا کا انتقال ہوا۔

3.4.1 شام کا سفر اور بحیرا راہب کا واقعہ

چچاابو طالب پیشہ کے اعتبار سے ایک تاجر تھے۔ اس وقت اہل عرب کا عموماً یہ معمول تھا کہ سال میں ایک مرتبہ تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضورؐ بارہ سال کے تھے چچانے تجارت کے لیے ملک شام جانے کا ارادہ کیا اور اس کی تیاری شروع کر دی۔ سفر کی دشواریوں اور تکلیفوں کی وجہ سے چچا اپنے بھتیجہ کو نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ جب نکلنے کا وقت ہوا تو آنحضورؐ چچا کی محبت میں ان سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ چچانے اپنے بھتیجے کا دل دکھانا گوارا نہ کیا اور آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے لیا۔

جب یہ تجارتی قافلہ ملک شام کے مقام بُصری پہنچا تو وہاں انہوں نے آرام کرنے کے لیے رک گئے۔اس جگہ کے قریب عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ تھی جس کا راہب بحیرا نامی تھا(بعض لوگوں نے اس کا اصل نام جر جیس لکھا ہے)۔جب اس قافلہ نے وہاں اقامت اختیار کی تو وہ پادری اس قافلہ کی ضیافت میں اپنی عبادت گاہ سے باہر نکل آیا، حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی وہاں سے باہر نہ آتا تھا۔ پھر اس کی نظر محمدؐ پر پڑی تو وہ قریب آیا اور آپ ﷺ کو غور سے دیکھنے لگا، اور نبوت ورسالت کی ان علامتوں اور نشانیوں کی مطابقت آپ ﷺ سے کرنے لگا جن کا علم اسے پہلے سے تھا، پھر وہ آپ ﷺ کے جسم کے مختلف اعضاء کو بھی دیکھنے لگا، اس کی نظر مہر نبوت پر بھی پڑی۔ جس کے نتیجہ میں اس نے ابو طالب سے کہا کہ یہ تمہارا بھتیجہ آخری نبی کے طور پر مبعوث ہونے والا ہے۔ یہ سید العالمین اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا جانے والا ہے۔ابو طالب نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم؟اس نے جواب دیا کہ تم لوگ جب اس گھاٹی میں اترے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ میں جھک نہ گیا ہو، اور یہ چیزیں صرف کسی نبی کے لیے ہی سجدہ ریز ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ سابقہ آسمانی کتابوں میں آخری نبی کی جو علامتیں بتائی گئی ہیں وہ بھی ان میں موجود ہیں اور ساتھ ہی ان کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت بھی ثبت ہے۔ لہٰذا اسے ابھی لیکر واپس وطن چلے جاؤ، اور یہودیوں سے اس کی ہمیشہ حفاظت کرتے رہو، کیونکہ اگر انہیں ان میں نبوت کی نشانیوں کے ہونے کا علم ہو گیا تو اندیشہ ہے کہ وہ اسے نقصان پہنچادیں گے۔ چنانچہ ابو طالب آپ ﷺ کو لیکر مکہ مکرمہ واپس ہو گئے۔

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ مختلف انداز میں بیان ہوا ہے۔ بہت سے غیر مسلم مصنفین اس واقعہ کی بناء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بحیرا راہب کے ساتھ آپ ﷺ کی یہ جو مختصر ملاقات ہوئی تھی، اسی دوران اس نے رسول اللہؐ کو مذہب کے اسرار ورموز کی تعلیم دے دی تھی۔آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد جو بھی عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق حسنہ اور دیگر قرآنی تعلیمات سے امت کو نوازا وہ سب اسی تعلیم کا نتیجہ تھا جو بحیرا راہب نے آنحضور ﷺ کو اس مختصر ملاقات میں دی تھی۔ عیسائی مصنفین کا یہ اعتراض مختلف وجوہات کی بے بنیاد ہے۔اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ میں کسی بھی جگہ بحیرا راہب کا آنحضورؐ کو تعلیم دینا مذکور نہیں ہے۔ پھر اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس فرضی بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ بات کسی طرح عقل وفہم میں نہیں آتی کہ ایک دس بارہ سال کے بچہ کو قیامت تک کے تمام حقائق واسرار سے واقف کرادیا جائے، اور وہ ان تمام تعلیمات کو بعینہٖ یاد رکھے اور پھر اپنے اصحاب واخلاف تک اسے پہنچائے۔اس اعتراض کے بے بنیاد ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ جن لوگوں نے بیان کیا ہے ان میں سے کوئی بھی بذات خود اس سفر میں شامل نہیں تھا۔ گویا یہ واقعہ مرسلاً بیان ہوا ہے یعنی کوئی ایسا شخص جو اس سفر میں شامل تھا، اس نے پہلے یہ واقعہ بیان کیا، پھر اسے سننے والوں میں سے کسی نے بیان کیا۔ لیکن یہ پہلا شخص کون تھا اس کی نشاندہی کسی نے نہیں کی ہے۔اس کے علاوہ بھی بعض وجوہات کی نشاندہی سیرت کی کتابوں میں کی گئی ہے، ان کا مطالعہ ان کتابوں میں کیا جا سکتا ہے۔

3.5 حرب فجار

جب آنحضورؐ کی عمر 15 سال کی ہوئی تو قبیلہ قریش اور بنو قیس کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی جو بعد میں 'حرب فجار' کے نام سے مشہور ہوئی۔ چونکہ یہ جنگ اشہر حرم یعنی جن مہینوں میں جنگ کرنی حرام ہے ان میں ہوئی تھی اس لیے اس کو فجار (یعنی: گناہ، قصور، جرم) کہا

جاتا ہے۔

اس جنگ میں قریش کی ساتھ بنو کنانہ تھے اور ثقیف و ہوازن بنو قیس کے حامی تھے۔ اس جنگ کی وجہ یہ ہوئی کہ جزیرہ عرب میں 'عکاظ' نامی ایک مشہور میلہ ہر سال لگا کرتا تھا، جس میں شعر و شاعری اور گھوڑ دوڑ کا مقابلہ ہوتا تھا، پہلوانوں کی کشتیاں اور فنون سپاہ گری کے دنگل بھی ہوتے تھے۔ اس موقع پر بنو ہوازن کا ایک سردار 'عروۃ الرحال' نے 'نعمان بن منذر' کے تجارتی قافلہ کو اپنی امان عطا کر کے عکاظ کے میلے میں خرید و فروخت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ بنو کنانہ کے ایک سردار 'براص بن قیس' نے اس سے کہا کہ کیا تم اسے بنو کنانہ کے مقابلے میں بھی امان دیتے ہو۔ اس نے کہا: ہاں، بلکہ پوری دنیا کے مقابلے میں اسے امان دیتا ہوں۔ عروہ کے اس جواب سے براص کو بڑا تاؤ آیا۔ چنانچہ اس نے موقع دیکھ کر عروہ پر حملہ کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں ہوازن کے حامی قبائل ثقیف اور بنو قیس اسلحہ لے کر میدان میں نکل آئے اور بنو کنانہ کی حمایت میں قبیلہ قریش آ گئے۔ اور پھر ان دونوں فریقوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ یہ اس وقت کی بہت ہی زبردست اور خطرناک جنگ تھی۔ چنانچہ اس میں بعض سرداروں نے خود اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوالی تھیں، تاکہ میدان چھوڑ کر بھاگنے کا خیال بھی دل میں نہ آئے۔

اس جنگ میں قبیلہ قریش کے ہر ہر خاندان کا الگ الگ دستہ تھا جس کا سپہ سالار اس خاندان کا سب سے بارسوخ فرد بنا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم کے سپہ سالار آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبد المطلب تھے۔ وہی اس جنگ میں بنو ہاشم کے علمبردار تھے۔ اور قبیلہ قریش کا سپہ سالار یعنی سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھے جو ابو سفیان کے باپ اور امیر معاویہ کے دادا تھے۔ اس جنگ میں قریش کے تمام خاندان اور افراد شریک ہوئے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔ آنحضورؐ بہت اچھے نشانہ باز، تیر انداز، شمشیر زن اور پہلوانی کے کرتب جانتے تھے۔ آپ کے جنگی منصوبوں کی آج بھی اہل فن داد دیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ تربیت آپ ﷺ نے جوانی ہی میں حاصل کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس جنگ میں کسی پر ہتھیار سے حملہ نہیں کیا۔ بلکہ اس میں آپ ﷺ کی شمولیت بس اس قدر رہی کہ گرے ہوئے تیروں کو اٹھا اٹھا کر آپ ﷺ اپنے چچاؤں کو تھما دیتے تھے۔ اس سے زیادہ آپ ﷺ کی شمولیت اس جنگ میں نہیں رہی۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں قبیلہ قریش حق پر تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جنگ کا آغاز بنو کنانہ کی جانب سے ہوا تھا جو قبیلہ قریش کے حامی و مددگار تھے۔ لہٰذا اس کی یہ توضیح ہو سکتی ہے کہ نعمان بن منذر جسے عروہ نے امان دے کر عکاظ کے میلے میں خرید و فروخت کی اجازت دی تھی وہ اس اجتماعی فیصلہ کے خلاف ہو گا جسے شرفائے مکہ نے آپس میں مل کر طے کیا ہو گا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر بنو کنانہ کے سردار براص بن قیس نے یہ انتہائی قدم اٹھایا اور عروہ کو قتل کر دیا تھا۔

3.6 حلف الفضول

زمانہ جاہلیت میں جنگ وجدال اور قتل و غارت گری عام بات تھی، جن سے عوام میں بڑی بے چینی رہتی تھی، عزیز و اقارب اور رشتہ دار کو مرتے ہوئے دیکھنا ان کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی، ان کی وجہ سے بچے یتیم اور عورتیں بیوہ و بے سہارا ہو جاتی تھیں، گھر بار اجڑ جاتے

تھے، جو طاقتور ہوتے وہ کمزوروں پر ظلم کرتے تھے، ان کا مال ہڑپ کر جاتے، غریبوں اور کمزوروں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ چنانچہ عرب کے بعض نیک مزاج لوگوں نے مل کر چند قبائل کو اس کے خلاف اکٹھا کیا اور آپس میں مل کر یہ معاہدہ کیا کہ وہ سب مل کر مظلوموں کی مدد کریں گے، اور ظالموں کو ظلم سے روکیں گے۔ اس تجویز اور معاہدہ کا خیال جن لوگوں کے دلوں میں سب سے پہلے آیا ان میں سے بیشتر افراد کے نام فضل کے مادہ سے مشتق تھے۔ اس لیے اس عہد وپیمان کو "فضل والوں کا معاہدہ" کا نام دیا گیا۔ عربی میں معاہدہ کے لیے 'حلف' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، لہٰذا فضل والوں کا معاہدہ کی عربی 'حلف الفضول' ہوئی۔ لیکن یہ معاہدہ زیادہ دن باقی نہ رہ سکا اور جلد ہی ختم ہو گیا۔

مکہ مکرمہ کے لوگ جب حرب فجار سے فارغ ہوئے تو اس کی وجہ سے وہ لوگ کافی تھکے ہوئے تھے کئی گھرانے برباد ہو گئے تھے، کئی خاندان بے سہارا ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بنو ہاشم کے سرخیل اور آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے کوشش کر کے لوگوں کو عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع کیا اور تجویز پیش کی کہ گزشتہ ہوئے معاہدہ یعنی حلف الفضول کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔ چنانچہ بعض نیک مزاج قبائل نے اسے قبول کیا اور انہوں نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ مظلوم خواہ مکہ مکرمہ کا ہو یا باہر کا ہر حال میں وہ لوگ اس کی مدد کریں گے، اور اسے اس کا حق دلا کر رہیں گے۔ اور مکہ مکرمہ میں کوئی ظالم رہنے نہ پائے گا۔ اس معاہدہ میں خاندان بنو ہاشم، تیم اور زہرہ کے افراد پیش پیش تھے۔

اس معاہدہ کا محرک اور سبب یہ ہوا کہ ایک یمنی شخص جو قبیلہ زبید سے تعلق رکھتا تھا کچھ تجارتی سامان لے کر مکہ مکرمہ آیا۔ مکہ مکرمہ میں وہاں کے ایک سردار عاص بن وائل نے اس کا سامان خرید لیا، لیکن اس کی قیمت ادا نہ کی۔ چنانچہ اس یمنی شخص نے اپنے حلیف قبائل بنی عبد الدار، بنی مخزوم، بنی جمح، بنی سہم اور بنی عدی میں سے ہر ایک کے پاس جا جا کر فریاد کی، لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ لہٰذا وہ یمنی شخص جبل ابو قبیس میں صبح کے وقت چڑھ گیا اور بلند آواز میں اشعار کی شکل میں اپنی مظلومیت کی داستان مکہ والوں کے سامنے پیش کی اور ان سے فریاد کی۔ چنانچہ اسی کے نتیجہ میں حلف الفضول کی تجدید ہوئی تھی۔ اور اس معاہدہ کے بعد سب سے پہلے اسی یمنی شخص کو اس کا حق دلایا گیا۔

اس معاہدہ کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ عرب جو اپنی عصبیت کے لیے مشہور تھے، یعنی اپنا قبیلہ اور قوم خواہ ظالم ہی کیوں نہ ہو وہ ہر حال میں اسی کی حمایت کرتے تھے۔ اس معاہدہ کے ذریعہ انہوں نے اپنی عصبیت کو چھوڑ کر اس بات کو ترجیح دی تھی کہ مظلوم خواہ مکہ مکرمہ کا ہو یا کسی دوسری جگہ کا وہ ہر حال میں اس کی مدد کریں گے اور اسے اس کا حق دلا کر رہیں گے۔

اس معاہدہ میں حضور نبی اکرمؐ نے بھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ شرکت کی تھی۔ اس کا تذکرہ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے پاس کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے: "لقد شهدت في دار عبد الله بن جدعان حلفاً لو دعيت به في الاسلام لا جبت، تحالفوا ان يردوا الفضول على اهلها والا يعد ظالم مظلوماً"۔ (البدایہ والنہایہ، ج:، ص: 307) یعنی میں عبد اللہ بن جدعان کے مکان میں ایسے معاہدہ میں شریک تھا کہ اگر اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدہ کے لیے مجھے بلایا جائے گا تو میں لبیک کہوں گا۔ ان لوگوں نے اس بات پر معاہدہ کیا تھا کہ حقدار تک اس کا حق پہنچائیں گے، تاآنکہ ظالم مظلوم کا حق دے دے۔ بعض روایات میں یہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس معاہدہ کے بدلہ مجھے سرخ اونٹ بھی دیا جاتا تو میں نہ لیتا۔

3.7 شام کا دوسرا سفر

آنحضورؐ کی عمر جب تقریباً 25 سال ہو چکی تو اس وقت تک آپ ﷺ کی صداقت ودیانت داری، حسن معاملگی اور ایفائے عہد کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ آپ ﷺ کو صادق وامین کے القاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے ایک تجارتی ساتھی عبداللہ بن ابی الحمساء کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آنحضور ﷺ کے ساتھ خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کیا، اور تقریباً پورا معاملہ طے ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا تو میں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ ابھی واپس آکر اسے پورا کر لیتا ہوں۔ چنانچہ میں اپنے گھر چلا گیا اور دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں تین دنوں تک وعدہ بھولے رہا۔ تین دنوں کے بعد جب مجھے وہ وعدہ یاد آیا تو میں بھاگتا ہوا اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ آپ ﷺ اسی جگہ انتظار کر رہے ہیں، اور جب میں وہاں پہنچا تو آپ ﷺ نے ذرا بھی خفگی کا اظہار نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ تم نے مجھے بڑی زحمت میں ڈال دی، تین دنوں سے میں یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

آپ ﷺ کے ایک اور تجارتی ساتھی حضرت سائبؓ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ آپ ﷺ میرے ساتھ تجارت میں شریک تھے لیکن ہمیشہ اپنے معاملات صاف رکھتے تھے۔ ان میں کسی طرح کی کوئی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی بناء پر قریش کے لوگ بلا تامل اور بلا جھجک تجارت کے لیے آپ ﷺ کو اپنا سرمایہ دے دیتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنی قیمتی اشیاء آپ ﷺ کے پاس بطور امانت بھی رکھتے تھے۔

عرب میں عموماً مالدار طبقہ کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنا سرمایہ ایسے تاجروں کو دیتے تھے جن کے پاس تجارت کے لیے سرمایہ نہیں ہوتا تھا، جس سے وہ تجارت کرتے تھے اور جو منافع حاصل ہوتے تھے انہیں وہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔

قریش میں خدیجہ نامی ایک خاتون بہت مالدار تھیں۔ آپ نہایت ہی پاکباز اور شریف خاتون تھیں۔ مکہ مکرمہ میں اپنی پاکبازی کے باعث 'مطہرہ' کے معزز لقب سے معروف تھیں۔ پورے قبیلہ میں ان کی عقلمندی و سمجھداری اور بہتر اخلاق واوصاف کی وجہ سے ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ قریش کی عورتوں میں سب سے زیادہ مالدار تھیں۔ بسا اوقات ان کی تجارتی اشیاء اس کثرت سے ہوتی تھیں کہ بعض تجارتی قافلوں کا آدھا حصہ صرف ان کے سامانوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ یہ مالدار خاتون بھی اپنا سرمایہ دوسروں کو تجارت کے لیے دیا کرتی تھیں، اور جو نفع حاصل ہوتا تھا اس کا ایک حصہ اسے دے دیتی تھیں۔ جب آنحضرتؐ کی صداقت وامانت کی شہرت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تک پہنچی، تو انہوں نے آنحضورؐ کو پیغام بھجوایا اور خود یہ پیش کش کی کہ آپ میرے سرمایہ سے تجارت کیجیے، جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں، آپ کو اس کا دوگنا دوں گی۔ محمدؐ نے اسے منظور فرما لیا، اور مال تجارت لے کر روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت انہوں نے اپنا ایک غلام جس کا نام میسرہ تھا آپ ﷺ کے ساتھ لگا دیا تھا۔ اس سفر میں جب ملک شام کے مقام بصریٰ پہنچے، تو وہاں پر نسطور نامی راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے اپنے پاس موجود صحیفہ میں آخری نبی سے متعلق علامات کا مطالعہ کر کے انہیں آخری نبی ہونے کی خبر دی۔ اس کے علاوہ پورے سفر کے دوران میسرہ خیر وبرکت کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا رہا۔ اس تجارتی سفر سے جب واپسی ہوئی تو پہلے کے مقابلے دوگنا یا اس سے بھی زیادہ منافع حاصل ہوا۔ جس پر حضرت خدیجہ بہت متاثر ہوئیں۔ ساتھ ہی میسرہ نے پورے سفر کے دوران جو کچھ مشاہدہ کیا تھا اسے بھی حضرت خدیجہ سے بیان کر دیا۔

چنانچہ اسی کے نتیجہ میں حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔

3.8 حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہ بنت خُویلدؓ (لقب: الطاہرہ، الکبریٰ) کی پہلے دو شادیاں ہو چکی تھیں، ان کے پہلے شوہر ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی تھے، ان کی وفات کے بعد آپ نے دوسری شادی عتیق بن عابد مخزومی سے کی تھی۔ ان دونوں شوہروں سے آپؓ کی تین اولاد ہوئیں۔ بعد میں سبھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ دوسرے شوہر کی وفات کے بعد آپ بیوہ ہی رہیں۔ قریش کے کئی معزز اشخاص اور سرداروں نے انہیں نکاح کا پیغام بھجوایا لیکن انہوں نے منع کر دیا۔ لیکن آنحضورؐ کے ساتھ تجارتی معاملات کے بعد آپؓ اس طرح متاثر ہوئیں کہ چند مہینوں کے بعد ہی انہوں نے آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ اور آنحضورؐ نے اپنے چچا وغیرہ کے ساتھ مشورہ کے بعد اسے قبول کر لیا۔ پھر آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت خدیجہؓ کے گھر گئے اور آپس میں مل کر نکاح کی ایک تاریخ متعین کر لی۔ پھر متعینہ تاریخ کو ابو طالب اور دوسری روسائے خاندان حضرت خدیجہؓ کے مکان پر گئے اور نکاح کی ادائیگی ہوئی، پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ اس وقت آنحضورؐ کی عمر مبارک 25 سال اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی 40 سال تھی۔

3.9 خانہ کعبہ کی تعمیر

جب آنحضورؐ 35 سال کی عمر کو پہنچے تو قریش کے لوگوں نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا جائے۔ اس موقع پر یہ بھی متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کیا جائے گا۔ اس میں حرام کمائی مثلاً رنڈی کی اجرت، سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال کی آمیزش نہیں ہو گی۔

سیرت نگاروں نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ خانہ کعبہ نشیب میں واقع تھا اور اس کی دیواریں چھوٹی تھیں اور دیواروں پر چھت بھی نہ تھی، جس کی وجہ سے بارش کے دنوں میں شہر کا پانی اس کے اندر گھس جاتا تھا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی دیواریں زیادہ اونچی نہ تھیں اور اس کے اوپر چھت بھی نہ تھی اس لیے بعض چوروں نے وہاں رکھے خزانہ کو چوری کر لی تھی۔ ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ بد احتیاطی کے سبب خانہ کعبہ کے اندر آگ لگ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی دیواریں بھی کافی متاثر ہوئی تھیں۔ جس کے نتیجہ میں لوگوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا فیصلہ کیا تھا۔ بہر حال وجہ جو بھی رہی ہو، اس واقعہ کے جس حصہ کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے وہ آگے آرہا ہے۔ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا تو ضروری تھا کہ پہلے کی تعمیر کو منہدم کیا جائے، لیکن تعمیر کھڑی عمارت کو منہدم کرنے کی ہمت کوئی نہ کر پاتا تھا۔ بالآخر ایک سردار ولید بن مغیرہ مخزومی نے ہمت کر کے اس کام کو شروع کیا، پھر جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی مصیبت نہیں آئی ہے تو دھیرے دھیرے ہمت کر کے دوسرے لوگ بھی اس میں جڑتے گئے۔ جب خانہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں تک منہدم ہو گیا تو پھر لوگوں نے تعمیر نو کا آغاز کیا۔

تعمیر کے لیے قریش نے کعبہ کو کئی حصوں میں تقسیم کیا تھا، تاکہ آپس میں کسی قسم کی لڑائی اور جھگڑا نہ ہو۔ چنانچہ دروازہ کا حصہ بنو عبد

مناف اور بنو زہرہ کے ذمہ تھا، رکن الاسود سے رکن الیمانی تک بنو مخزوم تیم اور دوسرے قریش کے قبائل جو ان میں شامل ہو گئے تھے، کعبہ کی پشت بنو جمح اور بنو سہم کے ذمہ۔ حطیم کا حصہ بنو عبدالدار بن قصی، بنو اسد بن عبد العزیٰ بن قصی اور بنو عدی بن کعب کے ذمہ کیا گیا۔

عمارت کی تعمیر میں تو سب ہی شامل رہے۔ مگر جب حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کا وقت آیا تو سخت اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف و امتیاز کسے حاصل ہو، اور رفتہ رفتہ یہ مسئلہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ ایسا لگتا تھا کہ حرم کے اندر ہی آپس میں تلواریں چل جائیں گی۔

ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی جو کہ قریش میں سب سے بڑا اور معمر شخص تھا، اس نے یہ رائے دی کہ کل صبح جو کوئی سب سے پہلے حرم میں داخل ہو گا، وہی سب کا حکم سمجھا جائے گا۔ اس رائے کو سبھی نے پسند کی اور اسی پر اتفاق ہوا۔ اتفاق سے دوسرے دن حرم میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہوئے وہ حضور اقدس ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی لوگوں نے کہا: یہ امین ہیں، یہ فیصلہ امانت داری سے کریں گے، انہیں کو حکم بناؤ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چادر منگوائی، اسے بچھایا، پھر اس پر پتھر اپنے ہاتھوں سے رکھ دیا، اس کے بعد ہر ایک قبیلہ کے سردار کو کہا کہ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں اور پتھر کو وہاں تک لائے جہاں قائم کرنا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے خود بڑھ کر اس کو اس کے مقام پر لگا دیا۔ یہ بڑا معقول فیصلہ تھا، اس پر ساری قوم راضی ہو گئی، اور اس طرح ایک سخت لڑائی آپ ﷺ کے حسن تدبیر سے تھم گئی۔

لیکن ابھی خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ قریش کے پاس مال حلال کی کمی پڑ گئی، اس لیے انہوں نے شمال کی طرف سے خانہ کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ہاتھ کم کر دی۔ یہی ٹکڑا آج حطیم کہلاتا ہے۔ اس دفعہ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے خاصا بلند کر دیا، تاکہ اس میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اجازت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہو گئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اوپر سے چھت ڈال دی گئی۔

نبوت سے پہلے خدائی تربیت

حضرت محمدؐ کی پیدائش اس دنیا میں اس لیے ہوئی تھی، تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو ہزاروں لاکھوں معبودوں کی عبادت سے ایک خدا کی عبادت کی طرف لائیں۔ دنیا کے ظلم و ستم سے نکال کر انہیں آخرت کی بے پناہ وسعتوں کی طرف لے جائیں۔ زمانہ جاہلیت کی جہالت اور تاریکی سے اسلامی تعلیمات اور تہذیب و تمدن کی روشن دنیا میں لے آئیں۔ رشتہ داروں اور قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کریں اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیں۔ قتل و غارت گری سے باز رکھیں۔ حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں انہیں باتوں کا اقرار کرتے ہوئے تقریر کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا: ''ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اسی اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا، جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خون ریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے، اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں پھر واپس آجائیں''۔ (سیرۃ النبی۔ ج:1، ص:144)

ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندہ کی پیدائش کا مقصد یہ مقرر کیا ہو اس کو اسی قدر اچھی باتوں اور اچھی تعلیمات سے نوازا ہو گا، اس کے اخلاق و کردار بھی اسی قدر بلند ہوں گے، اس کی شان اور عظمت بھی عظیم اور برتر ہو گی۔ چنانچہ آپؐ کے بچپن ہی میں ہمیں اس کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔

آنحضورؐ بچپن ہی سے بہت نیک، اچھے اور برائی سے بچنے والے تھے۔ دوسرے بچوں کی طرح لغویات میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دل و دماغ کو ان امور سے پاک رکھا تھا، جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ بچپن میں اپنے ہم عمر آوارہ بچوں سے نہ صرف دور رہتے تھے بلکہ اس کے مقابلے میں تنہائی کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آنحضور ﷺ بچپن میں کسی شادی میں شریک ہونے کے لیے مجبور ہو گئے جہاں ناچ گانا اور ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن جونہی آنحضور ﷺ اس شادی کی جگہ پر پہنچے، آپ ﷺ پر نیند طاری ہو گئی، آپ ﷺ رات بھر سوتے رہے۔ پھر صبح ہوئی اور آپ ﷺ نیند سے اٹھے تو دیکھا کہ سارے لوگ جا چکے ہیں۔ اس طرح آنحضورؐ اس شادی کے موقع پر ناپسندیدہ چیزوں سے محفوظ رہے۔

زمانہ جاہلیت میں سارے ہی لوگ ایک خدا کو چھوڑ کر دوسرے سینکڑوں خداؤں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ قریش بھی ان میں شامل تھے وہ بھی بتوں کے آگے سجدہ کیا کرتے اور پوجا کیا کرتے تھے۔ ایسے لوگ جو ایک خدا کی عبادت کا رجحان رکھتے ہوں انگلیوں میں گنے جا سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ غیر اللہ کی عبادت سے ہمیشہ بچے رہے، بلکہ سارے معبودان باطل سے آپ ﷺ سخت نفرت کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کی قسمیں کھانا اور دوسروں کو ان کی قسمیں کھاتے دیکھنا بھی آپ ﷺ کو سخت ناپسند تھا۔ عرب میں داستان گوئی اور شعر و شاعری کی محفلیں بہت جاندار ہوا کرتی تھیں، یہ محفلیں رات رات بھر چلتی تھیں۔ آپ ﷺ ان محفلوں سے بھی ہمیشہ دور رہے، کیونکہ ان داستانوں اور اشعار میں بے حیائی کی باتیں ہوتی تھیں اور ان سے سوائے رات کی نیند خراب ہونے اور وقتی لطف اندوزی کے کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ شراب جو اس وقت کے لوگوں کا بہت محبوب مشروب تھی اسے بھی کبھی ہاتھ نہ لگایا، غیر اللہ کے نام سے قربان کیے جانے والے جانوروں کا گوشت بھی کبھی نہیں کھایا، اور نہ ہی اس وقت کے مختلف مذہبی تہواروں اور میلوں وغیرہ میں شریک ہوئے۔

برائیوں سے بچنے کے ساتھ ہی آپ ﷺ بہت ہی نیک اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ تھے۔ عرب میں سب سے زیادہ شرم و حیاء کے پیکر، سچی اور اچھی گفتگو کرنے والے اور امانت دار تھے۔ بچپنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ جب آپ ﷺ قبیلہ بنو سعد میں اپنے رضاعی بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو بھیج کر آپ ﷺ کے دل کی صفائی کرادی، پھر جب کچھ بڑے ہوئے حرب فجار کا واقعہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی شخص کے خون سے آنحضور ﷺ کے ہاتھ آلودہ ہونے سے بچا لیا، اور آپ ﷺ کی شرکت بس اس قدر رہی کہ نیچے گرے ہوئے تیر اور دوسرے ہتھیار اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔ پھر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور مظلوم کی حمایت کے جذبہ سے آپ ﷺ نے حلف الفضول میں شرکت کی اور اس کی بھرپور تائید کی۔ آپ ﷺ رشتہ داروں کا خیال رکھتے، کمزوروں کا بوجھ اٹھا دیتے، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کر دیتے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے، اچھائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق کے حوالہ سے بعض سیرت نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ :

'محمدؐ جوانی کے مرحلہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ اللہ آپ ﷺ کی نگرانی کر رہا تھا تاکہ جاہلیت کی کوئی گندگی آپ ﷺ کو نہ لگ سکے۔ آپ ﷺ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ کا حال یہ تھا کہ مکہ کے لوگوں میں آپ ﷺ سب سے بہتر اخلاق والے اور سب سے زیادہ شریف اور سنجیدہ انسان کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ سے کبھی کسی کو بد کلامی یا وعدہ خلافی کا تجربہ نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ آپ کے جاننے والے آپ ﷺ کو امین کہنے لگے''۔

آنحضورؐ جوں جوں عمر کی منزلیں طے کرتے گئے آپ ﷺ کے غور و فکر سنجیدہ اور خیالات پختہ ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ نبوت سے پہلے آنحضورؐ کا دل اس دنیا کے بھاگ دوڑ اور اس کی سر گرمیوں سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے مکہ معظمہ سے کچھ فاصلہ پر واقع 'غار حرا' نامی پہاڑی پر جانا شروع کر دیا تھا۔ وہاں تنہائی میں آپ ﷺ قیام فرماتے، اِس کائنات کے عجائب پر غور کرتے اور اس کے خالق کے متعلق سوچتے، معبود حقیقی کی جستجو میں لگے رہتے، مراقبہ کرتے، اور اسی غور و فکر میں کئی کئی دنوں تک اسی پہاڑی پر مختصر خورد و نوش پر مقیم رہتے اور کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں تو واپس آ کر لے جاتے اور پھر اسی غور و فکر اور جستجو میں لگ جاتے تھے۔ اسی دور میں آپ ﷺ کو اکثر سچے خواب آنے لگے تھے جو دراصل نبوت سے سر فراز کیے جانے کی خدائی تربیت چل رہی تھی۔

3.10 فرہنگ

خورد و نوش: کھانے پینے کی چیزیں	حرب: جنگ	حلف: وعدہ کرنا، عہد لینا

3.11 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- آنحضور ﷺ کی پیدائش 9، ربیع الاول واقعہ فیل کے سال مطابق 20، اپریل 571ء میں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ یتیم تھے۔ آپ ﷺ کی عقیقہ کی رسم دادا عبد المطلب نے ادا کی اور نام 'محمد' رکھا۔ والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کا نام 'احمد' رکھا۔ حضور ﷺ کو سب سے پہلے ابو لہب کی لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ ان کے بعد باقاعدہ رضاعت کی مدت حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس شروع ہوئی تھی۔
- سال کی عمر میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا تھا۔ چھ سال کی عمر میں آپ ﷺ اپنی ماں کے ساتھ مدینہ گئے تھے۔ مدینہ سے واپسی کے دوران آپ ﷺ کی ماں حضرت آمنہ کا مقام ابواء میں انتقال ہو گیا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں دادا عبد المطلب کا انتقال ہو گیا تھا۔
- دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ چچا ابو طالب کے زیر پرورش آ گئے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا تھا۔ اسی سفر میں عیسائی راہب بحیرا سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی تھی جس نے آپ ﷺ میں علامات نبوت بتائی تھیں۔
- بیس سال کی عمر میں حلف الفضول کا معاہدہ ہوا تھا۔ پچیس سال کی عمر میں آپ ﷺ نے شام کا دوسرا سفر کیا تھا۔ اس مرتبہ آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تجارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں بھی آپ ﷺ کی ملاقات 'نسطورا' نامی ایک راہب سے ہوئی تھی، جس نے آپ ﷺ میں نبوت کی علامتیں دیکھی تھیں اور آپ ﷺ کی رسالت کی پیشین گوئی کی تھی۔

- خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے دوران قریش کے خاندانوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا اس میں آپ ﷺ نے ثالثی کے طور پر فیصلہ کیا تھا جسے سبھی نے خوش دلی سے قبول کر لیا تھا۔

3.12 نمونہ امتحانی سوالات

3.12.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. رسول اللہؐ کی پیدائش کس سال ہوئی تھی؟

(a). 571ء (b). 572ء (c). 570ء (d). 569ء

2. رسول اللہؐ کا نام 'محمد' کس نے رکھا تھا؟

(a). چچا نے (b). دادا نے (c). والدہ نے (d). پھوپھی نے

3. آپ ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ کا تعلق کس قبیلہ سے تھا؟

(a). مخزوم (b). ثقیف (c). بنو بکر (d). ہوازن

4. درج ذیل میں سے کون حضورؐ کے رضاعی بھائی نہیں ہیں؟

(a). حمزہ (b). خالد (c). عبداللہ (d). ابو سلمہ

5. مدینہ کے سفر میں آپ ﷺ کے خادمہ کون تھیں؟

(a). حلیمہ سعدیہ (b). ثویبہ (c). ام ایمن (d). سب غلط

6. حرب فجار میں کن کے درمیان لڑی گئی تھی؟

(a). کفار اور مشرکین (b). بنو بکر اور قریش (c). اوس اور خزرج (d). قریش اور قیس

7. حلف الفضول کی تجدید کے لیے کس نے سب سے پہلے تجویز پیش کی تھی؟

(a). زبیر بن عبدالمطلب (b). ابو طالب بن عبدالمطلب (c). حرب میں امیہ (d). عبداللہ بن جدعان

8. نبوت سے پہلے رسول اللہؐ کے تجارتی ساتھی کون تھے؟

(a). عمر (b). سائب (c). خالد (d). عثمان

9. شام کے دوسرے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ کون تھا؟

(a). عبداللہ (b). سائب (c). میسرہ (d). نعمان

10. خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران نبی ﷺ نے کس جھگڑے میں ثالثی کا کردار ادا کیا؟

(a). کعبہ کا دروازہ (b). حجرہ اسود کی تنصیب (c). کعبہ کے غلاف (d). سب غلط

3.12.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. آنحضورؐ کے ایام رضاعت کے اہم واقعات پر روشنی ڈالئے۔
2. حضرت آمنہ اور عبدالمطلب کے دوران پرورش پر گفتگو کیجیے۔
3. حرب فجار سے متعلق اپنی معلومات تحریر کرتے ہوئے اس میں آنحضورؐ کے کردار کا جائزہ لیجیے۔
4. حلف الفضول پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کیجیے۔
5. ملک شام کے دوسرے سفر کے حالات لکھیے۔

3.12.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. ملک شام کے پہلے سفر کا مفصل جائزہ لیجیے۔
2. خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور اس میں آپ ﷺ کے کردار پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔
3. نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کی کس طرح تربیت فرمائی؟ مفصل تحریر کیجیے۔

3.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.	سیرۃ النبی	:	علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
2.	رحمۃ للعالمین	:	قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
3.	مختصر سیرت نبوی	:	عبدالملک بن ہشام حمیری (ترجمہ و تلخیص: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)
4.	سیرت رسول عالم	:	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
5.	ضیاء النبی	:	پیر محمد کرم شاہ ازہری
6.	سیرت رسول اکرم	:	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

1. C	2.B	3.D	4. B	5. C
6. D	7. A	8.B	9. C	10.C

اکائی 4: بعثت کے بعد کے اہم واقعات

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید
4.1 مقاصد
4.2 بعثت
4.3 مقصد بعثت
4.4 رسالت کی مختصر تاریخ
4.5 تبلیغ اسلام
4.5.1 دار ارقم
4.6 کوہِ صفا پر اعلانِ حق
4.7 مختلف قبائل میں تبلیغ اسلام
4.0 فرہنگ
4.1 اکتسابی نتائج
4.2 نمونہ امتحانی سوالات
4.2.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
4.2.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
4.2.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
4.3 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

نبوت کسبی واختیاری درجہ نہیں ہے، جسے کوئی انسان اپنی محنت سے حاصل کر لے بلکہ وہبی وعطائی مقام ہے کہ اللہ رب العزت نبی ور سول کا انتخاب خود ہی فرماتے ہیں۔اس اکائی میں آپ دیکھیں گے بعثت کی امتیازی شان غلبہ دین حق ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اور آپ یہ بھی پڑھیں گے کہ رسول پاک نے جب اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے ان لوگوں نے لبیک کہا بیوی خدیجہؓ، بھائی حضرت علیؓ، دوست ابو بکرؓ، آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ جو آپ کے سب سے قریبی تھے۔مکہ، جہاں بتوں کے پاسبان بھی تھے اور کعبہ کے نگہبان بھی تھے۔آپ جانیں گے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے اسلام کی دعوت میں کن تکالیف کا سامنا کیا۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ:

- نبی ﷺ کی مکی زندگی کے دوسرے دور یعنی بعثت کے بعد کے 13 سالوں کے اہم واقعات پر گفتگو کر سکیں گے۔
- تبلیغ دین کے وقت جو مشکل حالات پیش آئے، اس سے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی کیسے نبرد آزما ہوئے، اور قربانیاں پیش کیں، کن مراحل کو عبور کرنا پڑا ان کا جائزہ لے سکیں گے۔
- دار ارقم جس میں نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو اسلامی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرتے تھے اس پر گفتگو کر سکیں گے۔

4.2 بعثت

محمد عربیؐ کی عمر مبارک جب چالیس سال ہو گئی تب آفتاب ہدایت طلوع ہوتا ہے یعنی وہ روحانی قوتیں جو اللہ رب العزت نے آپ کی فطرت میں ودیعت کی تھیں، عبادت و ریاضت اور خلوت سے نشو و نما پا کر تحمل وحی اور برداشت منصب نبوت کے قابل ہو گئی تو ایک روز جبل نور کے ایک غار حرا میں آپ کے سامنے ایک فرشتہ نمودار ہوتا ہے اور آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "اقرأ" (پڑھ) آپ نے فرمایا" ما انا بقاری" (میں تو پڑھنا نہیں جانتا) پھر اس نے آپ کو پکڑ کر زور سے دبایا اور پھر کہا "اقرأ" آپ نے پھر وہی جواب دہرایا فرشتہ نے پھر تیسری مرتبہ آپ کو زور سے دبایا اور پھر چھوڑ کر کہا "اقرأ باسم ربك الذی خلق۔ خلق الانسان مِنْ عَلَق اِقرأ وربُّك الأكرم الّذی علَّم بالقلم علَّم الاِنسان مالم یعلم"، (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے پڑھ اور تیرا رب بڑا بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا)۔

اس کے بعد فرشتہ غائب ہو گیا۔آپ وہاں سے خوفزدہ ہو کر گھر تشریف لائے اور گھر آکر زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو پورا واقعہ بتایا تب حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے وہ تاریخی الفاظ کہے کہ "نہیں آپ کو خوش ہونا چاہیے واللہ خدا آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیوں کہ آپ ہمیشہ صلہ رحمی کرتے ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ میں وہ تمام اخلاقی خوبیاں موجود ہیں جو عام لوگوں میں

نہیں ہوتی ہیں نیز اگر کسی پر کوئی مصیبت آجائے توآپ ﷺ س کے مددگار بن جاتے ہیں۔ان تسلی بخش جملوں کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی جو عبرانی زبان جانتے تھے اور توریت وانجیل کے ماہر تھے۔آپ نے ان کے سامنے تمام کیفیت بیان کی ورقہ بن نوفل نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا' یہ وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھاکاش میں جوان ہوتااوراس وقت زندہ رہتاجب قوم آپ کو نکالے گی'رسول اللہ نے پوچھا' وہ مجھے نکالیں گے' ورقہ بن نوفل نے جواب دیا'ہاں جب جب دنیا میں کوئی رسول آیااور اس نے لوگوں کے سامنے توحید کی تعلیم پیش کی تولوگوں نے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہوگا'۔اس کے بعد آپ بدستور غار حرامیں تشریف لے جاتے رہے اور ورقہ کی باتوں کاآپ کو یقین ہوگیا۔

4.3 مقصد بعثت

اللہ رب العزت نے اس دنیامیں جو کچھ بھی پیدا کیاہے وہ سب حکمت کے تحت پیدا کیاہے۔پہاڑ،زمین،ندی،نالے،چرندوپرند کوئی بھی چیز بے فائدہ اور بے مقصد نہیں ہے۔لہٰذاانسان کی تخلیق بھی بغیر کسی مقصد کے نہیں ہے اور جب عام انسانوں کی تخلیق بے مقصد نہیں ہے تو جو انسان تمام انسانوں سے اعلیٰ واشرف ہے اس کا مقصد تخلیق اور مقصد بعثت کتنا اعلیٰ ہوگا۔اللہ رب العزت نے آپ کے مقصد بعثت کو قرآن کریم میں اس طرح سے بیان کیاہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعۃ:2)(وہی ہے جس نے بھیجاان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کاپڑھ کر سناتاہے ان کواس کی آیتیں اور ان کو سنوارتاہے اور سکھلاتاہے ان کو کتاب اور عقلمندی)۔

آپ ؐ کی بعثت کاپہلا مقصد تلاوت آیات (نشانیاں اور قرآنی ایات) بتلایاہے۔خود نبیؐ نے تلاوت کے بڑے فضائل بیان کیے ہیں۔اس لیے کہ اس سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور دل میں ایمان کانور پیدا ہوتاہے۔ایک موقع پر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسا کہ پانی لگ جانے سے لوہاز نگ آلود ہو جاتاہے سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ پھر اس کی صفائی کاذریعہ کیاہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنااور قرآن کریم کی تلاوت کرناغرض اللہ کے رسول نے ان لوگوں کے سامنے تلاوت کی جو قرآن کریم کی تلاوت کو سننے کو تیار نہ تھے۔مجمع میں بھی سنایااور تنہائی میں بھی سنایا،آبادی میں بھی سنایااور آبادی سے باہر راستوں پر بھی،دن کی روشنی میں بھی رات کی تاریکی میں بھی،عرب کاکوئی مشہور بازار اور میلہ ایسانہ تھاجہاں جاکراللہ کے رسول نے اللہ کا پیغام نہ سنایاہو۔

آپ ﷺ کی بعثت کادوسرا مقصد مذکورہ بالاقرآن کریم کی آیت میں تعلیم کتاب بیان فرمایا گیاہے۔یعنی اللہ کے رسول کے واسطے کے بغیر قرآن کریم سمجھ میں نہیں آسکتا اگرایسا ہو سکتا تو رسول کو بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی پھر تو یہ ہوتا کہ جبرئیل علیہ السلام آتے اور کسی مقدس مقام پر کتاب اللہ کو رکھ دیتے اور اعلان فرمادیتے کہ اس کتاب کو پڑھ لواور جو کچھ اس میں لکھاہے اس پر عمل کر لو لیکن ایسا نہیں ہوابلکہ انسانوں کی ہدایت کے لیے کتاب اللہ بھی آئی اور رسول اللہ بھی آئے۔صحابہ کرام کی زبان عربی تھی ذہین اور ذکی بھی زبردست تھے حافظہ بھی عجیب وغریب تھاکہ ہزاروں اشعار یاد تھے لیکن اس کے باوجود معلم اعظم کی رہنمائی اور سرپرستی کے محتاج تھے وہ حضرات آپ ﷺ کے ارشادات

سنتے تھے اور آپ ﷺ کی سیرت و عملی زندگی کو دیکھتے تھے اور اس کتاب ہدایت کو سمجھتے تھے۔

اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں آپ ﷺ کی بعثت کا تیسرا مقصد تعلیم حکمت بتلایا ہے۔ حکمت کے معنی بصیرت کے ہیں اللہ کے رسولؐ نے اپنے عمل سے اپنے کردار سے اپنے فرمودات سے بصیرت اور دانائی سکھائی ہے بایں طور کہ مکہ میں ظلم و تشدد اور جور و جفا کی فضاء تھی مدینہ آئے تو مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا، منافقین سے بھی نبرد آزمائی تھی، بدر، احد اور خندق سب کے تقاضے الگ الگ تھے۔ حدیبیہ میں بالکل ہی خلاف توقع صورت حال تھی۔ ایسے ہی اس نئی مملکت کو نئی بنیادوں پر کھڑا کرنے کا مسئلہ تھا۔ بڑے طاقتوں اور ہمسایوں سے تعلقات کے معاملات تھے مگر دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کتابوں میں مرقوم ہے کہ اللہ کے نبی نے ان مشکل مواقع میں کیا رویہ اختیار کیا اور کیسے یہ مسائل حل ہوئے۔ لہٰذا نبیؐ کی سیرت میں غور و فکر آج بھی ہمیں دعوت ملاحظہ دیتا ہے کہ ایک مسلمان مظلومیت کے دور میں، جنگ کے دور میں، صلح و امن کے دور میں، ہجرت اور نصرت کے دور میں، سیادت و قیادت کے دور میں مختلف حالات کو کیسے حل کرے۔

سرکار دو عالمؐ کی بعثت کا چوتھا مقصد تزکیہ ہے ویزکّیہم کہ اللہ کا نبی ان کا تزکیہ کرتا ہے یعنی ان کو سنوارتا ہے بایں طور کہ ان کے دلوں میں کفر تھا، شرک تھا، حسد تھا، بخل تھا، دنیا کی محبت تھی، غرور و تکبر تھا، اللہ کے نبی نے ان کو سنوارا کہ ان کے قلوب سے ہر غلاظت نکل گئی اور جب تمام گندیوں سے پاک ہو گئے تو پھر ان کو سنوارا ایثار سے، احسان سے، استغناء اور قناعت سے تواضع اور انکساری سے اور یہ تزکیہ آج بھی ضروری ہے کیوں کہ اگر دل میں ریا ہے تو نماز جیسی عبادت ورزش بن جاتی ہے روزہ بغیر تزکیہ کے بھوک پڑتال ہو جاتا ہے، حج سیر و تفریح کا سبب بن جاتا ہے، زکوٰۃ مالداری کے دکھلانے کا سبب قرار پاتی ہے جبکہ تزکیہ کے ساتھ کیے گئے دنیوی اعمال بھی دین بن جاتے ہیں۔ غرض یہ بعثت کے وہ چار مقاصد ہیں جن کو اللہ رب العزت نے خود قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔

4.4 رسالت کی مختصر تاریخ

اللہ تبارک و تعالیٰ جو بڑا رحمان و رحیم ہے اور جس نے انسانوں کے لیے وہ سب چیزیں پیدا کی ہیں جن کی انسانوں کو اپنی زندگی میں ضرورت ہوتی ہے، اس نے انسانوں کی اس سب سے بڑی ضرورت کو بھی ہمیشہ پورا کیا ہے یعنی جب سے اس دنیا میں انسانوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے اسی وقت سے نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس انسان کو سب سے پہلے اس دنیا میں اتارا ہے اسی کے سر پر پیغمبری کا تاج بھی رکھا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی نسل کو اسلام کی تعلیم دیں یعنی بتائیں کہ اس کائنات کا خالق مالک ایک ذات ہے، اسی کی عبادت کرو، اسی کی مرضی کے مطابق زندگی گذارو، ایسا کروگے تو انعام پاؤگے اور اس کی اطاعت سے منھ موڑوگے تو سزا ملے گی۔

اب حضرت آدم علیہ السلام کی نسل بڑھی اور دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئی اور رفتہ رفتہ ان تعلیمات سے دور ہو گئی جو ان کے والد نے ان کو دی تھی۔ بلکہ طرح طرح کی برائیاں ان میں پیدا ہو گئیں اور حقیقی خالق کو چھوڑ کر کائنات کی مختلف اشیاء کو اپنا معبود بنالیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجنے شروع کیے جو انسانوں کو وہی بھولا ہوا سبق یاد دلاتے تھے جو آدمؑ سکھا کر گئے تھے۔

الغرض ضرورت اور وقت کے مطابق مختلف زمانوں، ملکوں اور علاقوں میں رسول و پیغمبر آتے رہے ہیں۔ قرآنی آیت یا حدیث میں

تعداد کی صراحت نہیں لیکن یہ صاف صاف بتایا گیا ہے کہ کوئی قوم اور مقام ایسا نہیں ہے جہاں رسول نہ بھیجا ہو، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ''ولکل اُمّة رسول ''، (اور ہر قوم کے واسطے پیغمبر آئے ہیں) دوسری جگہ ارشاد ہے: ''ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبد الله و اجتنبوا لطاغوت''، (اور ہم نے ہر ایک امت میں رسول بھیجے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچیں)۔ ایسے ہی سورۂ فاطر میں ہے: ''وإن مِن اُمّة اِلّا خَلا فیها نذیر''، (کوئی قوم ایسی نہیں ہے جن کے پاس ہمارا رسول نہ پہنچا ہو)۔

ابتداءً ہر قوم میں الگ الگ پیغمبر آتے تھے اور ان کی تعلیم انہیں کی قوم کے اندر محدود رہتی تھیں کیوں کہ ہر قوم اپنے وطن کی حدود میں گویا مقید تھی ایسی حالت میں کوئی عام اور مشترک تعلیم تمام قوموں میں پھیلنی بہت مشکل تھی۔ پھر زمانہ جیسے ہی آگے بڑھا تجارت و صنعت اور حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ قوموں کے تعلقات ایک دوسرے سے قائم ہو گئے چین و جاپان سے لیکر یورپ اور افریقہ کے دور دراز ملکوں تک جہاز رانی اور خشکی کے سفروں کا سلسلہ قائم ہو گیا، علوم و فنون پھیلے اور قوموں کے درمیان خیالات اور علمی مضامین کا تبادلہ ہونے لگا اس طرح سے وہ دوری اور جدائی جو پہلے انسانی اقوام میں پائی جاتی تھی رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی اور اب یہ ممکن ہو گیا کہ ایک ہی تعلیم اور ایک ہی شریعت تمام دنیا کے لیے بھیجی جائے۔

یہ وقت تھا جب تمام دنیا اور اقوام کے لیے ایک پیغمبر یعنی محمد رسول اللہ کو عرب کی سرزمین میں پیدا کیا گیا اور آپکو اسلام کی پوری تعلیم اور منسوخ نہ ہونے والا قانون دیکر اس خدمت پر مامور کیا کہ اسے سارے جہاں میں پھیلا دیں پھر ان مقدس ہستیوں کے بارے میں ایمانی اصول یہ ہے کہ یہ حضرات شریعت ساز نہیں بلکہ شریعت رساں ہوتے ہیں جیسا کے ایک موقع پر باری تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: کہ جب کفار حضور سے آکر کہتے تھے کہ آپؐ جو باتیں بیان کرتے ہیں ان میں کچھ ہم کو ناپسند ہوتی ہیں اگر آپؐ ان میں سے کچھ تبدیلی کریں تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ ہو جائیں گے، تو آپؐ جواب دیتے ہیں کہ میرا کام صرف پہنچا دینا ہے کسی ترمیم و تبدیلی کا اختیار نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے خود کچھ جلیل القدر انبیاء کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا ہے۔ کچھ نفوس قدسیہ کا ذکر احادیث میں ہے مگر ایک بڑی تعداد وہ جن کا ذکر ان دونوں میں نہیں ہے لیکن ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم سب پر ایمان لائیں اور سب کو یکساں طور پر پاک باز بندے سمجھیں، اس کے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہیں۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کا عقیدہ اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''لانُفَرِّقُ بین أحد مِن رسله ''، کہ (ہم اللہ کے پیغمبروں میں کوئی تفریق نہیں کرتے) بلکہ سب کو مانتے ہیں۔

معلومات کی جانچ

- بعثت نبویؐ کے کیا مقصد ہیں؟
- پہلی وحی کب اور کہاں نازل ہوئی؟

4.5 تبلیغ اسلام

آپ ﷺ نے تبلیغ و توحید کا حکم پاتے ہی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ لوگوں کو شرک سے باز رکھنے اور توحید الٰہی کی طرف بلانے کا کام

اول آپ ﷺ نے اپنے گھر ہی سے شروع کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت زید بن حارثؓ بھی پہلے ہی دن آپ پر ایمان لے آئے۔ یہ سب آپ کے گھر کے آدمی تھے۔ حضرت ابو بکر بن ابی قحافہؓ بھی جو آپ کے دوست تھے، پہلے ہی دن ایمان لے آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب آپ ﷺ کے اخلاق و خصائل سے بخوبی واقف تھے۔ اور آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی بھی پہلو ان سے پوشیدہ و محجوب نہیں تھا۔ ان کا سب سے پہلے ایمان لانا آپ ﷺ کی صداقت و راست بازی کی ایک زبردست دلیل ہے۔ آپ ﷺ نے ابتداءً اپنی تعلیم کی تبلیغ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں تک محدود رکھی۔

تبلیغِ اسلام کے اس اولین عہد میں سب سے زیادہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمات انجام دیں۔ آپؓ کا رسوخ اور حلقہ احباب قریش مکہ میں بہت وسیع تھا۔ اُن کے ترغیب سے حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہ بن عبداللہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، وغیرہ ایمان لائے پھر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ، حضرت ابو سلمہؓ، عبدالاسد بن ہلالؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت فاطمہؓ بنت الخطابؓ، وغیرہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

ان حضرات کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی حضرت عمیرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت جعفر بن ابو طالبؓ وغیرہ ایمان لائے اور مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہو گئی جس میں عورت، مرد، جوان، بوڑھے اور بچے سب شامل تھے۔ ابتداء میں مشرکینِ مکہ کے خوف سے مسلمان مکہ سے باہر پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ تین سال تک اسلام کی تبلیغ اسی طرح چپکے چپکے ہوتی رہی اور لوگ رفتہ رفتہ شرک اور بت پرستی سے بیزار ہو ہو کر اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ اس تین سال کے عرصہ میں قریش کی ہر مجلس اور ہر ایک صحبت میں اس نئے دین کا چرچا اور تذکرہ ہوتا تھا۔ مسلمان چوں کہ خود اپنے اسلام کا اعلان نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا بہت سے مسلمانوں کو آپس میں بھی ایک دوسرے کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہوتا تھا۔

قریش ابتداءً اس تحریکِ اسلام کو کچھ زیادہ اہم اور خطرناک نہیں سمجھتے تھے لہٰذا تمسخر، استہزاء، اور زبانی طور پر ایذار سانی کرتے تھے۔ بحیثیت مجموعی قوم کی قوم ابھی درپے استیصال نہیں ہوئی تھی، قریش میں بعض بعض ایسے شرارت پیشہ لوگ تھے کہ وہ قابو پا کر مسلمانوں کو ایذاء جسمانی بھی پہنچاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سعد بن وقاص مع چند مسلمانوں کے کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک چند مشرکین اُس طرف کو آنکلے اور مسلمانوں کو سختی و درشتی کے ساتھ اس عبادتِ الٰہی سے روکنے لگے تب سعد بن وقاص نے مزاحمت کی۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاقاً ابو طالب اُس طرف آنکلے اور خاموش کھڑے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب آپ نماز ختم کر چکے تو پوچھا کہ یہ کیا مذہب ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے کہا کہ یہ دینی ابراہیمی ہے، ساتھ ہی ابو طالب سے کہا کہ آپ بھی اس دین کو قبول کر لیں۔ ابو طالب نے کہا کہ میں تو اپنے باپ دادا کا مذہب نہیں چھوڑوں گا، لیکن حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا 'بیٹا! تم محمدؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ مجھ کو یقین ہے کہ محمدؐ تم کو نیکی کے سوا کسی بُرائی کی ترغیب ہرگز نہ دیں گے'۔ غرض اسی طرح نزولِ وحی سے لے کر تین سال تک اسلام کی تبلیغ خاموشی کے ساتھ ہوتی رہی اور سعید روحیں کھینچ کھینچ کر اسلام کی طرف آتی رہیں۔

چند روز کے بعد آیت "وانذر عشيرتك الأقربين"، (یعنی قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی۔ آپ نے حضرت علی کو حکم

دیا کہ ایک ضیافت کاانتظام کرو چنانچہ انہوں نے ضیافت کاانتظام کیااورآپ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی۔ چالیس کے قریب آپ ﷺ کے رشتہ دار آئے۔ جب سب کھانا کھا چکے توآپ ﷺ نے کچھ تقریر فرماناچاہی، مگر ابولہب نے ایسی بے ہودہ باتیں شروع کر دیں کہ آپ ﷺ کو تقریر کا موقع نہ ملااور لوگ منتشر ہو گئے۔ دوسرے روز آپ ﷺ نے پھر ضیافت کاانتظام کیااور اپنے رشتہ داروں کو پھر بلایا جب سب کھانا کھا چکے توآپ ﷺ نے ان کو اس طرح مخاطب کیا کہ دیکھو میں تمہاری طرف وہ بات لے کر آیاہوں کہ جس سے زیادہ اچھی بات کوئی شخص اپنے قبیلہ کی طرف نہیں لایا۔ بتاؤاس کام میں کون میرا مددگار ہو گا؟

یہ سن کر سب خاموش تھے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اٹھے اور انہوں نے کہاکہ اگرچہ میں کمزور اور سب سے چھوٹاہوں مگر میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔ یہ سن کر سب ہنس پڑے مذاق اڑاتے ہوئے چل دیئے۔ تین سال تک اسلام کی خفیہ تحریک پھلتی پھولتی رہی قریش کواس خبر کا اندازہ ہو چکا تھالیکن اہل قریش نے اس کو خاص اہمیت نہ دی کیونکہ ان کا گمان تھا کہ محمد ﷺ عبادت والوہیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس درمیان ایمان والوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی جو اسلام کی تبلیغ کے لیے کوشاں رہتی تھی کہ کس طرح اسلام کو سماج کے اندر ایک حیثیت حاصل ہو۔ اب آنحضرتؐ نے عام طور پر لوگوں کو توحید اور اسلام کی طرف بلانا شروع کیا۔ اور اسی زمانہ سے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی کمزور قلیل جماعت پر عام مصائب کا نزول شروع ہو گیا۔ مجلسوں میں میلوں میں، بازاروں میں، نشست گاہوں میں اور لوگوں کے گھر جاجا کر آپ توحید کی خوبی سمجھاتے اور بتوں کی پوجا سے لوگوں کو منع فرماتے تھے۔ زنا، قمار بازی، دروغ گوئی، خیانت، چوری، ڈاکہ زنی وغیرہ رذائل سے لوگوں کو روکتے۔ قریش کی قوم بڑی مغرور تھی۔ اپنے اور اپنے آباء واجداد کے مذہب اور طریقِ عمل کی مذمت سُنناان کے لیے آسان کام نہ تھا۔ ان لوگوں میں غلام اور آقا کا امتیاز بھی ایک ضروری چیز تھی۔

اسلام ایک عام اخوت قائم کر کے غلام اور آقا کو ایک ہی صف میں جگہ دیتا تھا۔ یہ مساوات بھی ان کو گوارانہ تھی قریش اور اہل مکہ کی عزت و تعظیم جو تمام ملکِ عرب میں مسلم تھی وہ ان بتوں کی وجہ سے تھی جن کی پرستش کے لیے تمام قبائل عرب مکہ یہاں آتے اور مراسمِ بت پرستی بجالاتے تھے۔ اسلام بت پرستی کو روا نہیں رکھتاہے جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی جھوٹی شان وشوکت کا زوال ہو گیا، بڑے بڑے سردارانِ قریش یہ کسی طرح گوارا کرنے کو تیار نہ تھے کہ اپنی سرداری کے مقام سے دستبردار ہو کر کسی اور ذات کی اطاعت کا بار اپنی گردنوں پر ڈال لیں۔ ویسے بھی قریش کے اکثر قبائل بنو ہاشم سے عداوت رکھتے تھے اس لیے ان کو یہ پسند نہ تھا کہ ایک حریف اور دشمن قبیلے کے شخص کو نبی مان کر اس کی اطاعت اختیار کریں۔ اس اعلانیہ تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہی قریش مخالفت پر مستعد ہو گئے اور پے درپے استیصال پر اتر آئے۔ کفر واسلام کی یہ علانیہ کش مکش نبوت کے چوتھے سال ہی زور وشور سے شروع ہوئی جس کے نتیجہ کے طور پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو ہجرت کے لیے مجبور ہونا پڑا۔

4.5.1 دارارقم

یہ گھر حضرت ارقمؓ کا تھاجو اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنا گھر اسلامی تعلیمات کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اور چونکہ عربی میں گھر کو 'دار' کہتے ہیں اس لیے حضرت ارقمؓ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسے 'دارِارقم' کہا جاتاہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان

چھپ کر پہاڑ کی گھاٹیوں میں عبادتیں کیا کرتے تھے،اسی دوران ایک مرتبہ مشرکین مکہ کا ایک گروپ پہنچ گیا، جس نے مزاحمت کی،اور بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک پہنچ گئی۔ سعد بن ابی وقاص نے بڑھ کر ایک ایسی ضرب لگائی کہ خون نکل پڑا یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔اس سے بچنے اور اسلامی احکام پر سکون کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ مسلمانان مکہ دارارقم میں جمع ہوتے،اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے ارکان سیکھتے اور اس کی تعلیمات سے استفادہ کرتے تھے۔دارارقم مکہ مکرمہ میں کوہ صفا کے قریب واقع تھا،یہ گھر پہاڑی علاقے میں ہونے کی وجہ سے کفار مکہ کی نگاہوں سے دور تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ تبلیغ کا حکم ملنے کے بعد بھی صحابہ کرام سے چھپ کر ملتے تھے،تاکہ کفار مکہ کو مسلمانوں کی صحیح تعداد کا اندازہ نہ ہوسکے،وہ ان کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنا سکیں اور مسلمان کفار مکہ کے درمیان ٹکراؤ کی صورت کم سے کم پیدا ہو۔اس گھر میں مسلمان سکون کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے،اس گھر میں صحابہ کرام اپنے معاملات،اپنی تبلیغ اور باہمی اجتماعات غرض تمام امور سے متعلق خفیہ طور پر آپس میں تبادلہ خیال کیا کرتے تھے۔حضرت عمرؓ نے دارارقم ہی میں کلمہ توحید کا اقرار کیا تھا اور اسلامی تاریخ کا ایک نیا دریچہ کھل گیا تھا۔تاریخ اسلام میں مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی لکھتے ہیں:

"دارارقم میں مسلمان ہونے والوں کی فہرست میں حضرت عمر فاروقؓ آخری شخص ہیں۔ان کے مسلمان ہونے پر مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی اور دارارقم سے باہر نکل آئے"۔

معلومات کی جانچ

- دارارقم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
- اولیں اسلام لانے والوں میں کون لوگ شامل ہیں؟

4.6 کوہِ صفا پر اعلانِ حق

جب حکم الٰہی نازل ہوا "فاصدع بما تؤمر" (تم کو کچھ حکم دیا گیا ہے اسے کھول کر سناؤ) اس حکم کے نازل ہونے پر آپ ﷺ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے ایک ایک قبیلہ کا نام لے لے کر بلانا شروع کیا۔اس آواز کو سن کر ملکِ عرب کے دستور کے موافق لوگ آآکر جمع ہونے شروع ہوئے۔جب تمام لوگ جمع ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا: "اِن أخبرتكم أنّ العدوّ مصبحكم أو ممسيكم أما كنتم تصدقوننی" (اے قریش! اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ صبح کو یا شام کو تم پر دشمن حملہ کرنے والا ہے۔تو کیا تم لوگ مجھ کو سچا جانو گے) سب نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں! ہم نے ہمیشہ تجھ کو صادق القول پایا ہے،یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا کہ اچھا تم کو خبر دیتا ہوں کہ اللہ کا عذاب نزدیک ہے۔اُس پر ایمان لاؤ تاکہ عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ۔یہ سنتے ہی عام قریش ہنس پڑے۔ابولہب نے کہا کہ "تَبًّا لکَ" تجھ کو ہلاکت ہو،کیا تو نے اس لیے ہم کو جمع کیا تھا۔اس کے بعد مجمع منتشر ہوگیا۔اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو باتیں بناتے ہوئے چلے گئے۔ابولہب کے اٹھتے ہی سورہ تبت يدا ابي لهب نازل ہوئی۔

شروع شروع میں ایمان لانے اور مسلمان ہوجانے والوں میں کچھ لوگ غلام تھے اور کچھ ایسے تھے جو اپنے قبیلہ کا زور اور رشتہ

داروں کی جماعت نہ رکھنے کے سبب بہت ہی کمزور سمجھے جاتے تھے۔ایسے لوگوں کو اسلام سے مرتد بنانے کے لیے جسمانی ایذائیں شروع کی گئیں۔جو لوگ کسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور اُن کو عام لوگوں کا ایذا پہنچانا اس لیے مشکل نظر آتا تھا کہ کہیں اُن کے قبیلہ والے حمایت پر اُٹھ کھڑے ہوں تو اُن کے رشتہ داروں کو آمادہ کیا گیا کہ وہ خود اپنے مسلمان ہو جانے والے رشتہ دار کو سزا و ایذا دے کر مرتد بنائیں۔ مسلمانوں کا تمسخر اُڑانے اور ان کو برا کہنے کے لیے عام طور پر تیاری کی گئی کہ دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے کی جرأت نہ رہے۔ادھر آنحضرتؐ نے اسلام کی علانیہ تبلیغ شروع کی۔اُدھر قریش نے پوری سرگرمی کے ساتھ مخالفت پر کمر باندھی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔اُن کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو امیہ بن خلف نے اُن کو قسم قسم کی تکلیفیں دینی شروع کیں۔ گرم ریت پر لٹا کر چھاتی کے اوپر گرم پتھر رکھ دیا جاتا۔ مشکیں باندھ کر کوڑوں سے پیٹا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔ گلے میں رسّی باندھ کر لڑکوں کے سپرد کیا جاتا وہ شہر مکہ کے گلی کوچوں میں اور شہر کے باہر پہاڑیوں میں لیے لئے پھرتے اور مارتے پیٹتے تھے۔ان تمام ایذارسانیوں کو حضرت بلالؓ برداشت کرتے اور اَحد اَحد کا نعرہ لگائے جاتے تھے۔ حضرت عمارؓ اپنے والد یاسرؓ اور اپنی والدہ سمیہؓ کے ہمراہ مسلمان ہو گئے تھے۔ابو جہل اُن کو گوناگوں عذاب پہنچاتا تھا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ظالم ابو جہل نے نہایت بے دردی سے نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا۔ حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ابو جہل نے اس قدر مارا کہ مارتے مارتے اندھا کر دیا۔ غرض بہت سے غلام اور لونڈیاں تھیں جن کو ایسی ایسی سخت و شدید سزائیں دی گئیں کہ اُن کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر اسلام ایسی زبردست طاقت کا نام ہے کہ سنگدل کسی کو بھی مرتد بنانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ قبیلہ بنو امیہ کے ایک امیر آدمی تھے۔ مسلمان ہو جانے کے سبب اُن کے چچا نے اُن کو رسیوں سے باندھ کر خوب مارا اور قسم قسم کی جسمانی ایذائیں پہنچائیں۔ حضرت زبیر بن العوامؓ کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا کرتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی اسی طرح صحنِ کعبہ میں مارتے مارتے بیہوش کر دیا۔ حضرت خباب بن ارتؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ایک مرتبہ خوب دہکتے ہوئے انگارے زمین پر بچھا کر اُن کو اُن انگاروں پر چت لٹا دیا۔اور ایک شخص اُن کی چھاتی پر بیٹھ گیا کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔اُن کی کمر کی تمام کھال اور گوشت جل گیا۔ بعض صحابہؓ کو جانوروں کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر اور باندھ کر ڈال دیتے۔ بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی آگ اور جلتے ہوئے انگاروں پر ڈال دیتے۔خود آپ ﷺ کو بے پناہ تکالیف پہنچائی جیسا کہ آنحضرتؐ ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کے گلے میں چادر ڈال کر اس قدر اینٹھا کہ آپ ﷺ کا دم رُکنے لگا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خبر ہوئی تو آپ دوڑے ہوئے آئے۔آپ ﷺ کو اس کے شر سے بچایا۔اور قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰہُ (کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟) کفار نے آنحضرتؐ کو تو چھوڑ دیا۔ مگر حضرت ابو بکرؓ کو لپٹ پڑے اور خوب زد و کوب کیا۔ایک مرتبہ صحنِ کعبہ میں قریش نے آپ ﷺ کو گھیر لیا اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی سے پیش آنا چاہا۔ حضرت حارث بن ابی ہالہ کو خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے آئے اور آپ ﷺ کو اشرار کے ہجوم و شرارت سے بچانا چاہا۔ کفار نے حضرت حارثؓ کو وہیں شہید کر دیا۔ مگر آپ ﷺ پر دست درازی کی جرأت اُن کو نہ ہو سکی۔آپ ﷺ کے راستہ میں جہاں سے آپ ﷺ رات کے وقت گزرنے والے ہوتے کانٹے بچھا دیئے جاتے کہ آپ ﷺ کو اذیت پہنچے۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ صحنِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، قریش بھی وہاں بیٹھے تھے۔ ابو جہل نے کہا کہ فلاں مقام پر اونٹ ذبح ہوا ہے اس کی اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی اس کو اُٹھا کر لائے اور محمدؐ کے اوپر ڈال دے۔ یہ سن کر عقبہ بن ابی معیط اُٹھا اور وہ اوجھڑی اُٹھا لایا۔ جب آپ ﷺ سجدہ میں گئے تو آپ ﷺ کی پشت پر رکھ دی۔ آنحضرتؐ کو تو توجہ الی اللہ میں خبر بھی نہ ہوئی مگر کفار ہنسی کے مارے ٹوٹے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی وہاں موجود تھے مگر کفار کا ہجوم دیکھ کر اُن کو کچھ جرأت نہ ہوئی۔ اتفاقاً حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو بچی تھیں آگئیں اور انہوں نے آگے بڑھ کر باپ کی پشت پر سے اُس اوجھڑی کو ہٹایا اور کفار کو برا بھلا کہا۔ آنحضرتؐ کے مکان پر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ گندگی وغیرہ بھی آپ ﷺ کے گھر پھینک دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے بنو عبد مناف، یہ اچھا ہمسائیگی کا حق ادا کر رہے ہو''۔ کبھی آپ ﷺ کا نام شاعر رکھا جاتا تھا، کبھی آپ ﷺ کو ساحر کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ کبھی آپ ﷺ کو کاہن کہتے اور کبھی مجنون کا خطاب دیتے۔

غرض کفار مکہ نے آنحضرتؐ اور آپ کی جماعت کو تکلیف پہنچانے اور آپ ﷺ کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ادھر آنحضرتؐ بھی پورے عزم و استقلال اور ہمت و جرأت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھے۔ جب قریش کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ ہماری کوششوں سے کوئی حسب منشا نتیجہ پیدا نہیں ہوا تو انہوں نے مجبوراً دوسرا پہلو اختیار کیا۔ جو یہ تھا کہ قریش نے جمع ہو کر مشورہ کیا اور عتبہ بن ربیعہ کو اپنی طرف سے پیغام دے کر آنحضرتؐ کے پاس بھیجا۔ عتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بڑی نرمی کے ساتھ کہنے لگا کہ ''محمدؐ تم شریف ہو۔ تمہارا خاندان بھی شریف و معزز ہے۔ مگر تم نے قوم کے اندر فتنہ ڈال رکھا ہے۔ یہ بتاؤ کہ آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟ اگر تم کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم تمہارے واسطے اس قدر مال جمع کیے دیتے ہیں کہ تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اگر تم کو حکومت اور سرداری کی خواہش ہے تو ہم سب تم کو اپنا سردار بنا لینے اور تمہاری حکومت تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اگر تم کو شادی کرنی منظور ہے تو ہم سب سے اعلیٰ گھرانے کی سب سے زیادہ حسین لڑکی سے تمہاری شادی کرا دیتے ہیں۔ اور اگر ان سب چیزوں کی خواہش ہے تو یہ سب تمہارے لیے فراہم کیے دیتے ہیں۔ تم اپنا دلی منشا صاف صاف بیان کر دو۔ ہم تمہاری خواہشات کو پورا کرنے کے لیے تیار ہیں''۔

عتبہ جب اپنی تقریر ختم کر چکا تو آنحضرتؐ نے جواباً سورہ حم سجدہ تلاوت فرمانی شروع کی، جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے کہ ''فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ''ترجمہ: پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی۔ تو عتبہ کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے آنحضرتؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ ایسا نہ کہو۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور سجدہ سے فارغ ہو کر کہا کہ تم نے میرا جواب سن لیا؟ عتبہ وہاں سے اٹھا اور قریش کے پاس آ کر کہا کہ یہ میری رائے ہے کہ اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور تم بالکل غیر جانبدار ہو جاؤ۔ اگر یہ ملک عرب پر غالب ہو گیا تو چونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اس کی کامیابی تمہاری کامیابی ہو گی اور اگر یہ تباہ ہو گیا تو تم سستے چھوٹ جاؤ گے۔ یہ سن کر قریش نے عتبہ سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے محمد (ﷺ) نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ عتبہ نے کہا جو تمہارا جی چاہے کرو اور کہو، میں نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔

اس کے بعد سردارانِ قریش کا ایک وفد ابو طالب کی خدمت میں پہنچا اور شکایت کی کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز

نہیں آرہاہے ، تم اس کو سمجھاؤ اوراس حرکت سے باز رکھو۔ابو طالب نے اس وفد کو معقول جواب دیااوران کو توجہ دلائی کہ تم لوگ بھی ایذار سانیوں میں حد سے بڑھتے جاتے ہو۔اُس روز تو یہ لوگ ابو طالب کے پاس سے اُٹھ کر چلے آئے۔لیکن دوسرے روز مشورہ کر کے پھر پہنچے۔اُن کے آنے پر ابو طالب نے آنحضرتؐ کو اپنے مکان پر اُن کے سامنے بلوایااور آپ ﷺ کی موجودگی میں گفتگو شروع ہو گئی۔قریش کے سرداروں نے وہی باتیں اس مجلس میں آپ ﷺ کے سامنے پھر پیش کیں جو اس سے پہلے عتبہ تنہا حاضر ہو کر پیش کر چکا تھا۔انہوں نے کہا کہ اے محمدؐ ہم نے آپؐ کو اس وقت بعض ضروری باتوں کے لیے بلوایا ہے۔بخدا کوئی شخص اپنی قوم پر اتنی مشکلات نہیں لایا ہو گا جس قدر مشکلات میں تم نے قوم کو مبتلا کر دیا ہے۔اگر تم اپنے اس نئے دین کے ذریعہ مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم اتنا مال جمع کیے دیتے ہیں کہ کسی دوسرے کے پاس نہ نکلے۔اگر شرف و عزت کی خواہش ہے تو ہم ابھی تم کو اپنا سردار تسلیم کیے لیتے ہیں۔اگر حکومت و سلطنت کی خواہش ہے تو تم کو ملک عرب کا بادشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔اگر تم کو کوئی جن یا آسیب دکھائی دیتا ہے اور اُس کے اثر سے تم ایسی باتیں کرتے ہو تو ہم اپنے کاہنوں اور حکیموں کے ذریعہ علاج کرانے کو تیار ہیں۔آپ ﷺ نے یہ باتیں سن کر جواباً قرآن کریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔میں نے خدا تعالیٰ کے احکام تم کو پہنچا دیئے ہیں اگر تم میری تعلیمات کو قبول کر لو گے تو تمہارے لیے دین و دنیا کی بہتری کا موجب ہو گا۔اگر انکار پر اصرار کرو گے تو میں خدا تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا کہ تمہارے لیے کیا حکم صادر فرماتا ہے۔یہ سن کر کفار نے کہا کہ اچھا اگر تم خدا کے رسول ہو تو ان پہاڑوں کو ملکِ عرب سے ہٹادو اور ریگستان کو سرسبز بنادو۔ہمارے باپ دادا کو زندہ کر دو اور اُن میں قصی بن کلاب کو ضرور زندہ کرو۔اگر قصی بن کلاب نے زندہ ہو کر تم کو سچا مان لیا اور تمہاری رسالت کو قبول کر لیا تو ہم بھی تم کو رسول تسلیم کر لیں گے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کاموں کے لیے رسول نہیں بنایا گیا ہوں۔میرا کام یہ ہے کہ تم کو خدائے تعالیٰ کے احکام جو مجھ پر نازل ہوتے ہیں سنادوں اور اچھی طرح سمجھادوں۔میں اپنے اختیار سے خود کچھ نہیں کر سکتا۔

اس قسم کی باتیں ہونے کے بعد سردارانِ قریش ناراض اور برافروختہ ہو کر اُٹھے اور ابو طالب کو بھی مقابلہ اور مخالفت کے لیے چیلنج دے کر چل دیئے۔ سردارانِ قریش کے چلے جانے پر ابو طالب نے آنحضرتؐ سے کہا کہ بھتیجے میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اپنے اندر قریش کے مقابلے کی طاقت نہیں پاتا۔تم مجھے ایسی محنت میں مبتلا نہ کرو جو میری طاقت و استطاعت سے بڑھ کر ہو۔مناسب یہ ہے کہ تم اپنے دین کا اعلان اور بتوں کی علانیہ برائیاں بیان کرنا ترک کر دو۔آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ چچا، اگر 'میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتا'۔ابو طالب کی باتوں سے آپ ﷺ کو یہ شبہ گذرا کہ اب یہ میری حمایت سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں۔ابو طالب سردارانِ مکہ میں سب سے زیادہ عزت و وجاہت رکھتے اور قبیلۂ بنی ہاشم کے مسلمہ سردار سمجھے جاتے تھے۔ان کی وجہ سے مخالفین حملہ کرتے ہوئے جھجکتے تھے اور ان کو خطرہ تھا کہ اگر بنو ہاشم سب کے سب آنحضرتؐ کی امداد پر اُٹھ کھڑے ہوئے تو معاملہ بہت ہی نازک ہو جائے گا، لہٰذا ابو طالب کی حمایت سے آنحضرتؐ کو بہت کچھ تقویت حاصل تھی۔اب یہ مایوسانہ باتیں سن کر آپ ﷺ کا دل بھر آیا۔پھر آپ ﷺ یہ کہہ کر چشم پُرآب اُٹھے اور چل دیئے کہ "چچا! میں اپنے کام کو اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ خدا کا کام پورا نہ ہو جائے یا یہی کام کرتے ہوئے میں ہلاک نہ ہو جاؤں"۔ابو طالب پر اس کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے آپ ﷺ کو واپس بلا کر کہا کہ

اچھاتم ضرور اپنے کام کرو۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں تمہاری حمایت سے باز نہ رہوں گا اور تم کو کبھی دشمنوں کے سپرد نہ کروں گا۔

معلومات کی جانچ

آپ ﷺ نے سب سے پہلے عام اعلان حق کہاں سے کیا؟

4.7 مختلف قبائل میں تبلیغ اسلام

مکہ والوں سے ناامید ہو کر آپ ﷺ نے طائف کا قصد کیا تھا۔ وہاں والوں نے مکہ والوں سے بھی بد تر نمونہ دکھایا۔ مکہ والوں کی نفرت اور ضد دن بدن ترقی پر تھی۔ اور ان کی شرارتیں اپنی کیفیت اور کمیّت میں پہلے سے زیادہ اور سخت ہوتی جاتی تھیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمت نہیں ہاری۔ طائف سے واپس آکر آپ ﷺ اُن قبائل میں جو مکہ کے ارد گرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رہتے تھے، برابر جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے۔ چنانچہ قبیلۂ بنو کندہ اور قبیلۂ بنو عبداللہ کی اقامت گاہوں میں پہنچے۔ بنو عبداللہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بنو عبداللہ! تمہارا باپ عبداللہ تھا۔ تم بھی اسم بامسمیٰ یعنی اللہ کے بندے بن جاؤ۔ قبیلۂ بنو حنیفہ کی بستی میں بھی آپ ﷺ گئے۔ اُن ظالموں نے سارے عرب میں سب سے زیادہ نالائق طریق پر آپ ﷺ کا انکار کیا۔

باہر سے جو مسافر مکہ میں آتے یا ایام حج میں دور دراز مقامات کے قافلے آتے، آپ ﷺ ان کے پاس چلے جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے۔ مگر ابو لہب کو آپ ﷺ سے جو مخالفت تھی اس کی وجہ سے وہ ہر جگہ آپ ﷺ کے پیچھے پہنچ جاتا اور مسافروں کو آپ ﷺ کی باتیں سننے سے روکتا۔ بنو عامر، بنو شیبان، بنو کلب، بنو محارب، فزارہ، غسان، سلیم، عبس، حارث، عذرہ، ذھل، مرہ وغیرہ قبائل کو بھی آنحضرتؐ نے دعوتِ اسلام دی۔

جس وقت آپ ﷺ نے بنو عامر کے سامنے اسلام پیش کیا تو ان میں سے ایک شخص فراسؔ نامی نے کہا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں اور آپ (ﷺ) کو اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو تو کیا تم اپنے بعد ہم کو اپنا خلیفہ بناؤ گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کام تو خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے گا وہی میرا خلیفہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ کیا خوب! اس وقت تو ہم آپؐ کے مطیع وحامی بن کر اپنی گردنیں کٹوائیں اور جب تم کامیاب ہو جاؤ تو دوسرے لوگ حکومت کا مزا اُڑائیں۔ جاؤ ہم کو تمہاری ضرورت نہیں۔

سوید بن صامت

نبوت کا گیارہواں سال شروع ہو چکا تھا۔ مدینہ کا رہنے والا قبیلۂ اوسؔ کا ایک شخص سوید بن صامت مکہ میں آیا جو اپنی قوم میں کاملؔ کے لقب سے مشہور تھا۔ اس کی ملاقات اتفاقاً آنحضرت ﷺ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے اُس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا شاید آپؐ کے پاس بھی وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے پاس کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ حکمتِ لقمان۔ آپ ﷺ نے فرمایا سناؤ۔ اُس نے کچھ اشعار پڑھے۔ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا کہ یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن مجید ہے جو اس سے بہتر و افضل ہے، اور ہدایت و نور ہے۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن مجید سنایا۔ اُس نے قرآن سن کر اقرار کیا کہ واقعی یہ ہدایت اور نور ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ مسلمان

ہو گیا، بعض میں ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ مگر آپ ﷺ کی مخالفت بالکل نہیں کی۔ یثرب جا کر وہ ایک قبائلی لڑائی میں مارا گیا۔

ایاس بن معاذؓ

انہیں ایام میں انس بن رافع اپنی قوم بنو عبدالاشہل کے چند لوگوں کو ہمراہ لے کر مدینہ سے مکہ میں اسلئے آیا کہ قریشِ مکہ سے قوم خزرج کے مقابلے میں معاہدہ کرے اور قریش کو اپنی قوم کا ہم عہد بنائے۔ اس وفد کے آنے کی خبر سن کر آنحضرت ﷺ سب سے پہلے اُن کے پاس پہنچ گئے۔ ابھی وہ سردارانِ قریش سے ملنے اور اپنا مقصد بیان کرنے نہ پائے تھے۔ آپ ﷺ نے جاتے ہی اُن سے کہا کہ -میرے پاس ایسی چیز ہے جس میں تم سب کی بہتری مضمر ہے، اگر تم چاہو تو میں پیش کروں۔ انہوں نے ہامی بھری۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں لوگوں کی ہدایت ورہبری کے لیے رسول مبعوث ہوا ہوں۔ شرک سے منع کرتا ہوں اور صرف خدا ہی کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ مجھ پر خدائے تعالیٰ نے کتاب نازل کی ہے'۔ پھر آپ ﷺ نے اسلام کے اُصول بتائے اور قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ مدینہ کے اُس وفد میں انس بن رافع کے ہمراہ ایک نوجوان ایاس بن معاذ بھی تھا۔ ایاس نے آنحضرت ﷺ کی باتیں اور قرآن مجید کی آیتیں سن کر بے تابانہ کہا کہ ''اے میری قوم تم جس مقصد کے لیے مدینہ سے آئے ہو بخدا یہ چیز اُس سے اچھی ہے''۔ امیرِ وفد انس بن رافع نے ایاس بن معاذ کو ڈانٹا اور کہا ہم اس کام کے لیے نہیں آئے۔ ایاس خاموش ہو گئے۔ اور آنحضرت ﷺ وہاں سے خاموش اُٹھ کر چلے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کا یہ وفد ناکام واپس آگیا اور کوئی معاہدہ قریش سے نہ ہو سکا۔ مدینہ میں چند روز کے بعد حضرت ایاس بن معاذ کا انتقال ہوا، اور انہوں نے مرنے سے پہلے اسلام اور ایمان کا اظہار فرمایا۔

ضمادِ بن ثعلبہ ازدیؓ

ضماد ازدیؓ ایک مرتبہ مکہ میں آئے۔ یہاں قریش سے سنا کہ محمدؐ پر جنات کا اثر ہے۔ بولا کہ میں اپنے منتر سے ابھی اس شخص کا علاج کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں تم کو اپنا منتر سناتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سن لو پھر تم سنانا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ کے ابتدائی کلمات اس طرح شروع کئے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّہْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّاللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ امّابعد! ۔آپ ﷺ نے اسی قدر الفاظ ابھی بیان فرمائے تھے کہ ضماد بے اختیار بول اُٹھا۔ یہی کلمات پھر دوبارہ بیان کیجئے۔ چنانچہ کئی مرتبہ اس نے یہی کلمات آپ ﷺ سے پڑھوائے اور پھر کہا کہ میں نے بہت سے کاہن، ساحر، شاعر دیکھے اور اُن کا کلام سنا لیکن ایسا جامع اور مانع، لطیف وبلیغ کلام کبھی نہیں سنا۔ پھر آپ ﷺ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں مسلمان ہوتا ہوں اور اسلام کے لے بیعت کرتا ہوں۔

طفیل بن عمرو دوسیؓ

یمن میں قبیلۂ دوس آباد تھا۔ اس قبیلہ کا سردار طفیل بن عمرو رؤساءِ یمن میں شمار ہوتا تھا۔ طفیل علم ودانشمندی کے علاوہ بہت مشہور اور زبردست شاعر بھی تھا۔ اسی سال یعنی سنہ 11 نبوی میں وہ اتفاقاً مکہ کی طرف آیا۔ طفیل بن عمرو کے آنے کا حال سن کر سردارانِ قریش استقبال کے لیے مکہ سے باہر نکلے اور بڑی عزت وتعظیم کے ساتھ شہر میں لائے۔ قریش کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں محمد ﷺ سے طفیل کی

ملاقات نہ ہو جائے اور طفیل پر اُن کا جادو نہ چلے۔ چنانچہ انہوں نے مکہ میں داخل ہوتے ہی طفیل سے کہا کہ آج کل ہمارے شہر میں ایک ایسا جادو گر پیدا ہو گیا ہے جس نے تمام شہر کو فتنہ میں ڈال دیا ہے۔ باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے، بھائی بھائی سے اور خاوند بیوی سے جدا ہو گیا ہے۔ آپ چونکہ ہمارے معزز مہمان ہیں لہٰذا آپ بھی احتیاط رکھیں اور کوئی کلمہ اس ساحر یعنی محمدؐ کی زبان سے نہ سنیں۔ قریش کے بار بار اور باصرار خوف دلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ طفیل نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں ایسا نہ ہوا کہ اچانک محمدؐ کی آواز اس کے کانوں میں پڑ جائے۔

ایک روز علی الصبح طفیل اپنے کانوں میں روئی ٹھونس کر خانہ کعبہ میں پہنچے۔ وہاں آنحضرت ﷺ نمازِ فجر پڑھ رہے تھے۔ نماز پڑھنے کا طریقہ جو آنکھوں سے نظر آتا تھا طفیل کو اچھا معلوم ہوا۔ اور وہ آپ ﷺ کے قریب چلے گئے۔ وہاں آپ ﷺ کی قرأت کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ اب طفیل کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر میں بھی شاعر ہوں، عقلمند ہوں۔ اگر اس شخص کی باتیں اچھی ہوں گی تو مان لوں گا، اگر بُری ہیں تو انکار کر دوں گا۔ یہ خیال آتے ہی روئی کانوں سے نکال دی۔ آنحضرت ﷺ نماز ختم کر کے اپنے گھر کی طرف چلے تو طفیل بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہو لئے اور کہا کہ مجھ کو آپؐ اپنی باتیں سنائیں۔ آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ طفیل اسی وقت مسلمان ہو گئے اور کہا کہ "آپؐ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ میرے ذریعہ میرے قبیلہ والوں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دے"۔ طفیل مکہ سے اپنے گھر آئے اور تبلیغِ اسلام شروع کر دی۔ حضرت طفیل نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ مکہ والے آپؐ کو بہت ستاتے ہیں۔ آپؐ ہجرت فرمائیں اور میرے گھر چل کر رہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب خدائے تعالیٰ مجھ کو جب اور جہاں ہجرت کا حکم دے گا تب ہی اُسی جگہ ہجرت کر کے جاؤں گا۔

ابوذر غفاریؓ

حضرت ابوذر غفاریؓ قبیلۂ بنی غفار سے تعلق رکھتے اور مدینہ (یثرب) کے نواحی علاقے میں رہتے تھے۔ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سوید بن صامت اور ایاسؓ بن معاذ کے ذریعہ پہنچی اور اُڑتی ہوئی حضرت ابوذرؓ کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی انیس کو تحقیقِ حال کے لیے مکہ روانہ کیا۔ انیس نے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور واپس جا کر حضرت ابوذرؓ سے ذکر کیا کہ میں نے محمدؐ کو ایسا شخص پایا جو نیکی کی ترغیب اور بدی سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو اس بات سے کچھ تسلی نہ ہوئی۔ آپ خود مکہ پہنچے اور ملاقات کی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فوراً ہی اسلام قبول کیا اور اُسی وقت خانہ کعبہ میں جا کر بلند آواز سے کلمۂ توحید پڑھا اور قرآن مجید کی جو آیات سنائیں۔ قریش کو اس پر بہت اشتعال آیا اور چاروں طرف سے لوگ پل پڑے اور مارتے مارتے بیہوش کر دیا، اتنے میں حضرت عباسؓ حالانکہ مسلمان نہ ہوئے تھے آ گئے انہوں نے بچایا کہ یہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے جہاں سے تم تجارت کے لیے کھجوریں لایا کرتے ہو۔ لوگ یہ سن کر ہٹ گئے۔ یہ ہوش میں آ کر اور اُٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آ گئے اور اگلے دن پھر اسی طرح اعلان کیا۔ قریش نے پھر زد و کوب کیا۔

4.0 فرہنگ

بعثت: پیغمبر کی ذمہ داری دے کر بھیجے جانے کا عمل اخوت: بھائی چارہ

منتر: وہ پُراثر مقررہ کلمات جو روایتی طور پر کسی کو موہنے یا نقصان پہنچانے کے لیے پڑھ کر پھونکے جائیں۔

4.1 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات پڑھے :

- نبوت سے قبل کی زندگی بھی اللہ کے رسولؐ کی آئیڈیل زندگی ہے۔40 سال کی عمر میں آپ ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے۔
- بعثت رسولؐ کے چار مقاصد قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں۔ تلاوت آیات، تعلیم، حکمت، وتزکیہ۔
- تبلیغ اسلام کا ابتدائی دور مخفی دور ہے جو بعثت کے بعد کے 3 سال پر مشتمل ہے۔4 نبوی سے دعوت و تبلیغ کا اعلانیہ دور شروع ہوا۔5 نبوی سے 10 نبوی تک کا دور نو مسلمانوں پر ظلم و ستم کا دور ہے۔10 نبوی سے 12 نبوی تک سنگین مخالفتوں کا دور ہے۔

4.2 نمونۂ امتحانی سوالات

4.2.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. آپ ﷺ پر پہلی وحی کہاں نازل ہوئی تھی؟

(a). غار ثور میں　(b). غار حرا میں　(c). وادی نخلہ میں　(d). اپنے گھر میں

2. آپ ﷺ پر پہلی وحی میں جو آیتیں اتری تھیں وہ کس سورہ کی ابتدائی آیتیں ہیں؟

(a). سورہ فاتحہ　(b). سورہ بقرہ　(c). سورہ علق　(d). سورہ یٰسین

3. پہلی وحی کے بعد جب آپ ﷺ خوفزدہ تھے تو حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو کن کے پاس لے کر گئی تھیں؟

(a). خالہ زاد بھائی کے پاس　(b). ماموزاد بھائی کے پاس　(c). پھوپھی زاد بھائی کے پاس　(d). چچازاد بھائی کے پاس

4. آپ ﷺ پر عورتوں میں سے سب سے پہلے کون ایمان لایا تھا؟

(a). حضرت خدیجہؓ　(b). حضرت امّ ہانیؓ　(c). حضرت امّ ایمنؓ　(d). حضرت امّ سلمہؓ

5. حضرت علیؓ آپ ﷺ پر کب ایمان لائے تھے؟

(a). پہلے ہی دن　(b). دوسرے دن　(c). تیسرے دن　(d). چوتھے دن

6. تبلیغ اسلام کا پہلا تین سالہ دور کیسا تھا؟

(a). خفیہ دور　(b). اعلانیہ دور　(c). ظلم و ستم کا دور　(d). سب صحیح

7. تبلیغ اسلام کا اعلانیہ دور کب سے شروع ہوا؟

(a). 3 نبوی　(b). 4 نبوی　(c). 5 نبوی　(d). 10 نبوی

8. خفیہ دور میں تبلیغ اسلام کا مرکز کہاں تھا؟

(a). دار ابو بکرؓ　(b). دار عثمانؓ　(c). دار ارقمؓ　(d). دار ابی ابن کعبؓ

9. طفیل بن عمرو دوسی کہاں کے رؤساء میں سے تھے؟

(a). عمان (b). عراق (c). نجد (d). یمن

10. تبلیغ اسلام کے اولین عہد میں جس شخصیت نے نمایاں خدمات انجام دیں وہ کون ہیں؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت قدامہؓ (c). حضرت عثمانؓ بن مضعون (d). حضرت سعیدؓ

4.2.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. بعثت رسولؐ پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. مقام رسالت پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
3. رسالت کی مختصر تاریخ لکھیے۔
4. خفیہ دور تبلیغ پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. تبلیغ دین کی شروعات اللہ کے رسولؐ نے کیسے کی؟ واضح کیجیے۔

4.2.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. مقاصد بعثت پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
2. اللہ کے رسولؐ نے نبوت ملنے کے بعد تبلیغ کیسے کی؟ تفصیل سے لکھیے۔
3. اعلانیہ تبلیغ کے وقت اللہ کے رسولؐ کے ساتھ کیسے حالات پیش آئے؟ وضاحت سے لکھیے۔

4.3 تجویز کردہ اکتسابی مواد

---

1. سیرۃ النبی (جلد اول) : علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
2. تاریخ اسلام (جلد اول) : شاہ اکبر خاں صاحب نجیب آبادی
3. سیرۃ المصطفیٰ (جلد دوم) : مولانا محمد ادریس کاندھلوی

معروضی سولات کے جوابات

1. B	2.C	3. D	4. A	5.A
6. A	7. B	8. C	9. D	10. A

اکائی 5: بعثت کے بعد کے اہم واقعات: ہجرت حبشہ، ہجرت مدینہ

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 ہجرتِ حبشہ (سن 5، نبوی)

5.2.1 شعب ابی طالب میں محصور ہونا (سن 7تا10، نبوی)

5.2.2 عام الحزن (سن 10، نبوی)

5.2.3 سفرِ طائف (سن 10، نبوی)

5.2.4 واقعہ معراج (سن 11، نبوی)

5.3 ہجرت مدینہ

5.3.1 پس منظر

5.3.2 بیعتِ عقبہ اولیٰ (سن 12، نبوی)

5.3.3 بیعتِ عقبہ ثانیہ (سن 13، نبوی)

5.3.4 سفر ہجرت

5.4 فرہنگ

5.5 اکتسابی نتائج

5.6 نمونۂ امتحانی سوالات

5.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

5.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

5.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

5.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

آپ نے پچھلی اکائی میں پڑھا کہ بعثت سے مراد وہ وقت ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو نبوت کے لیے منتخب فرمایا۔ بعثت کے بعد آپ ﷺ کی زندگی میں عظیم انقلاب آیا۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد کی زندگی، دعوت کے مراحل، کے بارے میں بھی جانا۔ یہ یونٹ بعثت کے بعد مکہ سے ہجرت کے اسباب و نتائج اور اس ضمن میں پیش آئے اہم واقعات اور اس دوران آپ کے کردار واخلاق کو سمجھنے میں مدد دے گی۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ

- رسول اللہؐ کی زندگی اور مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے نتیجہ میں ہجرت حبشہ کے حکم اور اس کے اثرات کے بارے میں جانیں گے۔
- وفد قریش کی حبشہ سے ناکامی کے نتیجہ میں نبی کریم ﷺ پر سب سے شاق وقت بائکاٹ شعب ابی طالب اور شاق سال عام الحزن پر تجزیاتی گفتگو کر سکیں گے۔
- عام الحزن اور سفر طائف کی مشقتوں کے پس منظر میں نبی ﷺ کے اسراء و معراج اور نماز کی فریضہ کے بارے میں سمجھیں گے۔
- یثرب کے اوس و خزرج قبائل کی نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت اور ہجرت مدینہ کی اہمیت کا جائزہ لے سکیں گے۔

5.2 ہجرتِ حبشہ (سن 5ء نبوی)

کفار قریش کو جب ان تمام کوششوں میں ناکامی ہوئی اور تبلیغ توحید کا سلسلہ برابر جاری رہا تو ان کو اب فکر ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ جس تحریک کو ہم بچوں کا کھیل سمجھ رہے تھے وہ اب نشو و نما پا کر اس قدر طاقتور ہوتی جاتی ہے کہ اس کا انسداد آسان کام نہیں رہا۔ انہوں نے اب متفقہ طور پر کمر باندھی۔ آنحضرت ﷺ کو خانہ کعبہ کے اندر آنے سے روک دیا۔ شہر کے لڑکوں اور اوباشوں کو متعین کیا کہ آنحضرت ﷺ یا مسلمانوں میں سے کسی کو راستوں اور گلی کوچوں میں چلنے پھرنے سے باز رکھیں۔ باہر سے آنے والے مسافروں کو آنحضرت ﷺ سے نہ ملنے دیں اور جس طرح قابو چلے اور موقع ملے ستائیں۔ مسلمانوں کو اب پورے جوش و ہمت کے ساتھ تنگ کرنا اور ستانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ شہر مکہ کی سرزمین ان کے لیے تنگ ہو گئی اور زندگی وبال بن گئی۔ یہ حالت دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں ملکِ حبش میں (جہاں عیسائی حکومت تھی) ہجرت کی اجازت دی۔ چنانچہ نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبش کے ارادہ سے مکہ چھوڑا۔ یہ پندرہ آدمیوں کا قافلہ رات کے وقت چھپ کر مکہ سے نکلا۔ جدہ کی بندرگاہ پر اتفاقاً جہاز تیار مل گیا اور یہ لوگ جہاز میں سوار

ہو کر ملکِ حبش میں پہنچ گئے۔ان مہاجرین میں حضرت عثمان بن عفانؓ۔ان کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہؐ۔حضرت حذیفہ بن عتبہؓ۔حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت عامر بن ربیعہؓ، حضرت سہیل بن بیضاؓ شامل تھے۔

کفار مکہ جب ان مسلمانوں کے ہجرت کرنے اور حبش کی طرف روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ تعاقب میں روانہ ہوئے۔ لیکن کفار کے پہنچنے سے پیشتر جہاز بندرگاہِ جدہ سے حبش کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ حبش میں پہنچ کر مسلمان اطمینان اور فراغت کے ساتھ رہنے لگے۔ ان کے بعد مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے حبش کی طرف ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب بھی حبش میں اپنے مسلمان بھائیوں سے جا ملے اور مسلمانوں کی تعداد ملکِ حبش میں تراسی (83) تک پہنچ گئی۔

مسلمانوں کو ملکِ حبش میں گئے ہوئے ابھی چند مہینے ہی گذرے تھے کہ وہاں انہوں نے یہ افواہ سنی کہ قریشِ مکہ تمام مسلمان ہو گئے یا اُن سے مصالحت ہو گئی۔ اور اب مسلمانوں کو مکہ میں کوئی خطرہ نہیں رہا ہے۔ اس خبر کو سن کر بعض مسلمان حبش سے مکہ کو واپس ہوئے اور بعض نے اس افواہ کی تصدیق اور قابل قبول ذریعہ سے خبر کے پہنچنے کا انتظار ضروری سمجھا۔ جو لوگ مکہ کو واپس آ گئے تھے انہوں نے مکہ کے قریب پہنچ کر سنا کہ وہ افواہ غلط تھی۔ لہٰذا اُن میں سے بعض تو راستے ہی سے واپس حبش کی جانب چلے گئے اور بعض کسی بااثر اور طاقتور قریشی کی ضمانت حاصل کر کے مکہ میں واپس آ گئے۔ یہ لوگ مکہ میں آ کر اور مسلمانوں کو بھی اپنے ہمراہ لے کر پھر حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ حبش کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ اب ملکِ حبش میں مسلمانوں کی تعداد ایک سو کے قریب پہنچ گئی۔

کفارِ مکہ نے جب دیکھا کہ مکہ کے آدمی مسلمان ہو کر حبش کی طرف چلے جا رہے ہیں اور وہاں آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں تو ان کو خطرہ پیدا ہوا کہ اس طرح تو ممکن ہے کہ ہماری بڑی طاقت بتدریج اسلام میں تبدیل ہو کر باہر کسی مرکز میں جمع ہو جائے اور پھر ہم پر یہ کوئی آفت باہر سے نازل ہو۔ لہٰذا انہوں نے مکہ میں آنحضرت ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر مظالم کو اور زیادہ کر دیا اور عمرو بن العاص و عبداللہ بن ربیعہ دو معزز شخصوں کو سفیر بنا کر نجاشی شاہ حبش کے دربار میں بھیجا۔ قریشِ مکہ اور نجاشی شاہِ حبش کے درمیان پہلے سے ایک تجارتی معاہدہ تھا اور اُسی کے موافق قریشِ مکہ کی ملکِ حبش کے ساتھ تجارت قائم تھی۔ ان دونوں سفیروں کو شاہِ حبش کے لیے نہایت گراں بہا تحفے اور ہدایا سپرد کیے گئے۔ نہ صرف شاہِ حبش بلکہ اُس کے درباریوں کے لیے بھی قیمتی تحفے دیئے گئے۔ قریش کے اس وفد نے دربارِ حبش میں حاضر ہو کر یہ ہدایا پیش کئے۔ شاہِ حبش کے درباریوں کو اپنی طرف مائل و متوجہ کیا۔ اور پھر یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہمارے کچھ غلام باغی ہو کر آپ کے ملک میں آ گئے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نئے دین کے تابع ہو گئے ہیں جو سب سے نرالا ہے۔ لہٰذا اُن غلاموں کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ بادشاہ نے اس درخواست کو سن کر کہا کہ میں پہلے تحقیق کر لوں پھر تمہاری درخواست پر غور کیا جائے گا۔ درباریوں نے بھی قریش کے ان سفیروں کی حمایت و تائید کی۔ مگر نجاشی نے مہاجر مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلوایا اور ان سے استفسار کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ بن ابو طالب نے سب سے آگے بڑھ کر نجاشی کی خدمت میں کچھ اس طرح اپنی تقریر شروع کی:

"اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے، بت پرست تھے، مردہ خور تھے، بدکار تھے، قطع رحمی اور پڑوسیوں سے بد معاملگی کرتے تھے۔ ہم

میں جو طاقتور ہوتا تھا وہ کمزور کا حق دبالیتا تھا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا جس کے حسب نسب اور صدق وامانت سے ہم سب واقف تھے۔اُس نے ہم کو موحد بنا کر بت پرستی سے روکا۔ راست گفتاری، امانت اور صلہ رحمی کا حکم دیا۔ ہمسایوں کے ساتھ نیک برتاؤ کی تعلیم دی۔ بدکاری، دروغ گوئی اور یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا۔ قتل وغارت سے باز رکھا اور عباداتِ الٰہی کا حکم دیا۔ ہم اُس رسول پر ایمان لائے اور اس کی فرماں برداری کی۔ اس لیے ہماری قوم ہم سے ناراض ہو گئی۔ ہم کو انواع واقسام کی اذیتیں پہنچائیں۔ یہاں تک کہ ہم مجبور ہو کر اپنے وطن سے نکل آئے اور آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ کے ملک میں ہم کو ستایا نہ جائے گا''۔

نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ 'تمہارے رسول (ﷺ) پر خدا کا جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ سناؤ'۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریمؑ کی تلاوت کی۔ قرآن کریم کی آیات سن کر نجاشی اور تمام درباری اشک بار ہو گئے۔ حضرت جعفرؓ کی تلاوت کے بعد نجاشی نے اقرار کیا کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ اور موسیٰ کے کلام سے ہم آہنگ ہے۔ قریش نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی نجاشی کو ورغلانے کی کوشش کی کہ وہ ان کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ حضرت جعفر فوراً جواب دیا کہ 'هُوَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ وَكَلِمَةٌ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ'۔ نجاشی نے اسے بھی تسلیم کیا اور کہا: 'انجیل کا بھی یہی مفہوم ہے'۔ نجاشی نے قریش کے ایلچیوں کو ناکام واپس کر دیا اور کہہ دیا کہ میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا۔ ساتھ ہی نجاشی نے قریش کے تمام تحفے اور ہدایا واپس کر دیئے جس سے اُن کی اور بھی تذلیل ہوئی۔ یہ واقعہ نبوت کے چھٹے سال کا ہے۔ قریش کو جب نجاشی کے دربار میں بھی ناکامی ہوئی تو اُن کی دشمنی مسلمانوں کے ساتھ اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔

ان تمام عداوتوں اور نفرتوں کے ماحول میں دو شخصیتوں (ان میں امیر حمزہ اور حضرت عمر) نے اسلام قبول کیا جس سے مسلمانوں کو تقویت ملی۔ ہم یہاں قدرے تفصیل سے ان کے قبول اسلام کا واقعہ پڑھیں گے۔

حضرت امیر حمزہؓ کا اسلام لانا (سن 6ء نبوی)

قریش مکہ عداوتِ نبوی میں دیوانے ہو رہے تھے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ کوہِ صفا کے دامن میں بیٹھے تھے کہ ابو جہل اُس طرف کو آنکلا۔ اُس نے آپؐ کو دیکھ کر اول تو بہت سخت وسست اور ناپسندیدہ الفاظ کہے۔ آپ ﷺ نے جب اُس کی بیہودہ سرائی کا کوئی جواب نہ دیا تو اس نے ایک پتھر اٹھا کر مارا جس سے آپ ﷺ زخمی ہوئے اور خون بہنے لگا۔ آپ ﷺ خاموش اپنے گھر چلے آئے اور ابو جہل صحنِ کعبہ سرداروں کی مجلس میں شامل ہوا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔ ان کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی مگر وہ ابھی تک شرک پر قائم تھے۔ اس واقعہ کے وقت وہ حسب عادت شکار پر گئے ہوئے تھے۔ وہ جب شکار سے واپس آئے تو راستے میں ابو جہل کی لونڈی ملی۔ اُس نے ابو جہل کا آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینا اور پتھر مارنا اور آپ ﷺ کا صبر وشکر کے ساتھ خاموش رہنا سب بیان کر دیا۔

حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے چچا ہونے کے علاوہ رضائی بھائی بھی تھے، وہ اوّل خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں طواف سے فارغ ہو کر سیدھے اُس مجمع کی طرف متوجہ ہوئے جہاں ابو جہل بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ بہت بڑے پہلوان، جنگ جو اور عرب کے مشہور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے جاتے ہی ابو جہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اُس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ پھر کہا کہ 'میں بھی محمد (ﷺ) کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو اب میرے سامنے بول'۔ ابو جہل کے

ساتھیوں کو غصہ آیا اور وہ اُس کی حمایت میں اُٹھے۔ مگر ابو جہل حضرت حمزہؓ کی بہادری سے اس قدر متاثر و مرعوب تھا کہ اُس نے خود ہی اپنے حمایتوں کو بھی یہ کہہ کر روک دیا کہ واقعی مجھ ہی سے زیادتی ہو گئی تھی۔ اگر حمزہؓ مجھ سے اپنے بھتیجے کا انتقام نہ لیتے تو بے حمیت شمار ہوتے۔

حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور ابو جہل سے نبی ﷺ کا بدلہ لینے کے بارے میں بتایا۔ نبی ﷺ نے ان سے کہا کہ انہیں اصل میں خوشی اس وقت ہو گی جب کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ یہ سن کر حضرت امیر حمزہؓ نے اسلام قبول کر لیا یہ نبوت کا چھٹہ سال تھا۔ ان کے اسلام میں آنے سے مسلمانوں کو بڑی قوت اور امداد حاصل ہوئی۔ قریشِ مکہ جو کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں بہت ہی گستاخ اور بے باک ہو گئے تھے۔ اب حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد گستاخیاں کرنے میں کچھ تامل کرنے لگے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام لانا (سن 6ھ نبوی)

حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر قریش کے فکر و تردد اور بغض و عداوت نے اور بھی ترقی کی اور آپس میں مشورے ہونے لگے۔ حضرت عمر فاروقؓ حضرت حمزہؓ کی طرح مشہور پہلوان اور عرب کے نامور بہادروں میں سے تھے۔ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور آنحضرت ﷺ کے خلاف کوشش کرنے میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو پکڑ کر لاتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو دم لیتے اور پھر اُٹھ کر مارتے۔ غرض کہ انہوں نے مسلمانوں کو دینِ اسلام سے مرتد بنانے کی بے حد کوشش کی اور ناکام رہے۔ آخر ایک روز انہوں نے فیصلہ کیا اور کفار کی مجلس میں وعدہ کیا کہ میں تنہا قریش کے اوپر وارد ہونے والے اس فتنہ کو جڑ سے ختم کر دیں۔ یعنی نبی محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ جس پر ابو جہل نے خوش ہو کر ان سے انعام و اکرام کا وعدہ کیا۔

حضرت عمر اپنے مقصد کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں نُعیم بن عبداللہؓ سے ملاقات ہو گئی۔ اور جب حضرت نعیم کو ان کے اردہ کا پتہ چلا تو انہوں نے اولا حضرت عمر کو اس سے باز رکھنے کے لیے بنو ہاشم کے انتقام کا ڈراوہ دیا لیکن حضرت عمر کا ارادہ مضبوط تھا اور وہ پھر نُعیمؓ کی نبی ﷺ کی حمایت پر وہ اور بھی برافروختہ ہو گئے۔ بلا خر ان کو باز رکھنے کے لیے حضرت نُعیمؓ نے کہا کہ 'تم مجھ کو اور محمدؐ کو تو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنے گھر کی خبر لو کہ تمہاری بہن مسلمان ہو چکی ہے اور اسلام تمہارے گھر میں داخل ہو چکا ہے'۔

حضرت عمرؓ یہ نشتر زن جواب سن کر اُسی وقت اپنی بہن کے گھر کا رخ کیا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے قتل کی نیت سے چلے تھے۔ راستے میں اپنی بہن کے گھر کی طرف اُن کا رخ پھرنا گویا اسلام کی طرف رخ پھرنا تھا۔ بہن کے گھر پہنچتے، وہاں حضرت خباب بن الارتؓ، حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ اور اُن کے شوہر حضرت سعیدؓ بن زیدؓ کو قرآن شریف کی تعلیم دے رہے تھے۔ ان کے آنے کی آہٹ سن کر حضرت خبابؓ تو وہیں گھر میں کسی جگہ چھپ گئے اور قرآن کریم جن اوراق پر لکھا ہوا تھا اُن کو بھی فوراً چھپا دیا گیا۔ انہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا آوازوں کے بارے میں استفسار کیا، اور اپنے بہنوئی سعید بن زیدؓ کو پکڑ کر گرا دیا اور مارنا شروع کر دیا کہ تم کیوں مسلمان ہوئے؟ بہن اپنے شوہر کو چھڑانے کے لیے آگے بڑھی، اس کشتم کشتا میں بہن فاطمہؓ کو ایسی چوٹ لگی کہ اُن کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ بہن نے آخر دلیری سے کہا کہ: قَدْاَسْلَمْنَاوَتَابَعْنَا محمداً اِفْعَلْ مَا بَدَالَکَ (ہم مسلمان ہو چکے اور محمد (ﷺ) کے فرماں بردار بن چکے ہیں۔ اب جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کر لے) بہن کا یہ دلیرانہ جواب سنا اور نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اُن کو خون میں تر بتر پایا۔ اس نظارہ نے ان کے غصہ کو کم کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے بہن سے دوبارہ کہا کہ انہیں وہ کلام دکھلائیں یا سنائیں جس کے پڑھنے کی آواز گھر میں داخل ہوتے ہوئے سنی تھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ کلام چونکہ کسی قدر سنجیدہ لہجے میں تھا۔اس لیے ان کی بہن کو اور بھی جرأت ہوئی اور انہوں نے بھائی سے غسل کرنے کے لیے کہا۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت غسل کیا اور قرآن مجید کی آیات جن اوراق پر لکھی ہوئی تھیں لے کر پڑھنے لگے۔ ابھی چند ہی آیات پڑھی تھیں کہ بے اختیار بول اُٹھے: ''کیا شیریں کلام ہے۔اس کا اثر میرے قلب پر ہوتا جاتا ہے''۔

یہ سنتے ہی حضرت خبابؓ جو اندر چھپے ہوئے تھے، فوراً باہر نکل آئے اور کہا: ''اے عمرؓ مبارک ہو۔ محمد رسول اللہؐ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔ میں نے کل آنحضرت ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا ہے کہ الٰہی عمرؓ بن الخطاب یا ابوجہل دونوں میں سے ایک کو ضرور مسلمان کردے''۔اسی وقت مجھے آنحضرت ﷺ کے پاس لے چلو۔ چنانچہ وہ اُسی وقت حضرت عمرؓ کو دارِ ارقم کی طرف لے کر چلے۔

دارِ ارقم کے دروازے پر پہنچ کر حضرت عمرؓ نے دستک دی۔ صحابہ کرامؓ جو اندر تھے انہوں نے حضرت عمرؓ کے لیے دروازہ کھولنے میں تامل کیا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ حضرت حمزہؓ بھی موجود تھے، انہوں نے کہا آنے دو۔ اگر ارادہ نیک ہے تو خیر، ورنہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر اُڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے۔آنحضرت ﷺ اُن کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا کہ ''اے عمرؓ کیا تو باز نہ آئے گا''۔ حضرت عمرؓ نے جواباً عرض کیا کہ ''یارسول اللہ (ﷺ) میں ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں''۔آنحضرت ﷺ نے یہ سنتے ہی جوشِ مسرت میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے جو اس وقت دارِ ارقم میں موجود تھے اس زور سے اللہ اکبر کہا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج گئیں۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوگئی۔

حضرت عمرؓ نے مسلمان ہوتے ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم کو اب پوشیدہ طور پر گھروں میں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ علانیہ خانہ کعبہ میں نمازیں پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ قریش میں سے اول اول جو کوئی مانع ہوا، حضرت عمرؓ نے اُس کا مقابلہ کیا۔ پھر بلا روک ٹوک مسلمان خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے اور اسلام مکہ میں علانیہ اور آشکار ہوگیا۔ حضرت عمرؓ کی عمر اس وقت 33 سال کی تھی۔ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کے وقت مکہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی۔ ملک حبش میں موجود مسلمان اس کے علاوہ تھے۔

5.2.1 شعب ابی طالب میں محصور ہونا (سن 7 تا 10 نبوی)

حضرت عمر فاروقؓ کے مسلمان ہونے سے قریش کو بڑا صدمہ پہنچا۔ادھر مسلمان علانیہ خانہ کعبہ میں نمازیں پڑھنے لگے۔ بہت سے مسلمان نجاشی کے ملک میں جا چکے تھے جن پر قریش کا کوئی زور نہیں چلتا تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کی وجہ سے مکہ کے مسلمانوں پر بھی وہ بلا خطرہ ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔ان حالات کو دیکھ کر نبوت کے ساتویں سال کی ابتدا یعنی ماہ محرم میں قریش نے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی۔ مسلمانوں کی روز افزوں جماعت کے خطرات سے قوم کو آگاہ کیا اور اس خطرہ و اندیشہ سے محفوظ رہنے کی تدابیر پر غور کیا گیا۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب اگرچہ سب کے سب مسلمان نہیں ہوئے لیکن وہ محمدؐ کی حمایت اور رعایت سے باز نہیں آتے۔ لہٰذا اوّل ابو طالب سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ محمدؐ کو ان کے حوالے کردیں۔اگر وہ انکار کریں تو بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے شادی بیاہ، میل

ملاقات، سلام پیام سب ترک کر دیا جائے۔ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے۔ اور کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس نہ پہنچنے دی جائے اور اس سخت اذیت رساں مقاطعے کو اُس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ محمد (ﷺ) کو ہمارے سپرد نہ کر دیں۔

چنانچہ اس مقاطعے کے متعلق ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ تمام رؤساءِ قریش نے اس پر قسمیں کھائیں اور عہد نامہ پر دستخط کیے اور خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ ابو طالب تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو لے کر مکہ کے قریب ایک پہاڑی درّے میں جا کر محصور ہو گئے۔ بنو ہاشم سے صرف ایک شخص ابو لہب اِس قید و نظر بندی سے آزاد رہا۔ وہ کفّارِ قریش کے ساتھ تھا۔ غلہ وغیرہ جو کچھ بنو ہاشم اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ جلد ختم ہو گیا۔ اور اُن لوگوں کو کھانے پینے کی بڑی تکلیف ہونے لگی۔

تین برس تک بنو ہاشم اور مکہ کے ان مسلمانوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کیں۔ صرف ایامِ حج میں یہ محصور لوگ باہر نکلتے تھے اور عرب کے دستور کے موافق اُن ایام میں جو امنِ عام ہوتا تھا اس سے فائدہ اُٹھاتے اور اپنے کھانے پینے کا سامان خرید کر ذخیرہ کر لیتے تھے۔ انہیں ایام میں آنحضرت ﷺ بھی باہر نکلتے اور باہر سے آئے ہوئے لوگوں میں تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ لیکن قریش آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ لگے رہتے اور جہاں آپ ﷺ جاتے لوگوں کو آپ کی باتیں سننے سے منع کرتے اور آپ ﷺ کو دیوانہ اور جادوگر بتا کر آپ ﷺ کی طرف کسی کو متوجہ نہ ہونے دیتے تھے۔ شعبِ ابو طالب کی سہ سالہ سختیوں کا تصور کرنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قبیلوں کی حمیت اور خاندان و نسل کا پاس و لحاظ بھی ایک بڑی چیز ہے اور اسی نے بنو ہاشم کے اُن لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہوئے تھے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دینے اور آپ کی مدد کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک طرف بنو ہاشم کی حمیتِ خاندانی نے اُن کو آنحضرت ﷺ کی حمایت پر مجبور کیا۔ دوسری طرف شعب ابو طالب کی قید و نظر بندی نے اُن کو آنحضرت ﷺ کے اخلاق کا زیادہ مطالعہ کرنے، زیادہ متاثر ہونے اور اسلام سے زیادہ واقف ہونے کا موقع دیا۔

شعب ابو طالب میں مسلمانوں کو بھوک سے بیتاب ہو کر اکثر درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔ بعض بعض شخصوں کی حالت یہاں تک پہنچی کہ اگر کہیں سوکھا ہوا چمڑا مل گیا تو اُسی کو صاف اور نرم کر کے آگ پر رکھا اور بھون کر چبا لیا۔ حکیم بن حزام کبھی کبھی اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے کچھ کھانا چھپا کر بھجوا دیا کرتے تھے۔ اس کا حال جب ایک مرتبہ ابو جہل کو معلوم ہوا تو اُس نے غلام سے کھانا چھین لیا اور زیادہ سختی سے نگرانی شروع کر دی۔ بنو ہاشم کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا بھوک کے مارے تڑپنا اور فاقہ زدہ والدین کے سامنے ان کی اولاد کا بلکنا ایسی چیزیں تھیں کہ قریشِ مکہ ان کا صحیح اندازہ کر سکتے تھے۔ زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے بنو ہاشم کی مصیبت کو اس لیے سب سے پہلے محسوس کیا کہ ابو طالب اس کے ماموں تھے۔ زہیر نے اوّل مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کو رشتہ داری کی طرف توجہ دلا کر عہد نامہ کے توڑنے پر آمادہ کیا۔ پھر ابو البختری بن ہشام اور زمعہ بن الاسود کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ غرض مکہ میں کئی شخص جو بنو ہاشم سے قرابت داری رکھتے تھے۔ بنو ہاشم کو مظلوم سمجھ کر اس ظالمانہ عہد نامہ کی تنسیخ کو لے کر چرچا کرنے لگے۔ انہی ایام میں آنحضرت ﷺ نے ابو طالب سے کہا کہ "مجھ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ اُس عہد نامہ کی تمام تحریروں کو کیڑوں نے کھا لیا ہے اس میں جہاں جہاں اللہ کا نام ہے وہ بدستور لکھا ہوا ہے۔ لفظ اللہ کے سوا باقی تمام حروف غائب ہو چکے ہیں"۔ یہ سن کر ابو طالب اپنی گھاٹی سے باہر نکلے، اور

انہوں نے قریش سے کہا کہ مجھ کو محمدؐ نے ایسی خبر دی ہے۔ تم عہد نامہ کو دیکھو، اگر یہ خبر صحیح ہے اور عہد نامہ کی تحریر معدوم ہو چکی ہے تو مقاطعہ ختم ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ اسی وقت قریش خانہ کعبہ میں دوڑے ہوئے آئے، دیکھا تو دیمک نے تمام حروف چاٹ لیے تھے۔ جہاں جہاں لفظ اللہ لکھا ہوا تھا وہ البتہ بدستور موجود تھا۔ یہ دیکھ کر سب حیران و ششدر رہ گئے۔ اور اُسی وقت مقاطعے کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ بنو ہاشم اور تمام مسلمان شعب ابو طالب سے تین سال کے بعد نکلے اور مکہ میں آکر اپنے گھروں میں رہنے لگے

5.2.2 عام الحزن (سن 10ء نبوی)

جب آنحضرت ﷺ شعبِ ابی طالب سے نکلے ہیں تو نبوت کا دسواں سال شروع ہو چکا تھا۔ قیاس یہ تھا کہ اب مسلمانوں کے ساتھ قریش کی طرف سے رعایت اور نرمی کا برتاؤ ہو گا۔ مگر حالات مزید ابتر ہو گئے اور جلد ہی ایسے حالات پیش آئے کہ اس سال کا نام ہی 'عام الحزن' یعنی غموں کا سال مسلمانوں میں مشہور ہوا۔ رجب کے مہینے میں ابو طالب جن کی عمر اسّی سال سے اوپر تھی بیمار ہو کر فوت ہوئے۔ ابو طالب کے فوت ہوتے ہی کفارِ مکہ یعنی دشمنانِ دین کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ ابو طالب ہی ایک بااثر اور بنی ہاشم کے ایسے سردار تھے جن کا سب لحاظ کرتے اور ڈرتے تھے، ان کے مرتے ہی بنو ہاشم کا رعب واثر جو مکہ میں قائم تھا، باقی نہ رہا۔ قریش نے آنحضرت ﷺ کو ستانے اور نقصان پہنچانے کے لیے میدان خالی پا کر آزادانہ اور بے باکانہ مظالم کا سلسلہ جاری کر دیا۔

اسی سال ابو بکر صدیقؓ نے بھی مظالمِ قریش سے تنگ آکر ہجرت کا ارادہ کیا۔ اور مکہ سے نکلے۔ راستہ میں چار منزل کے فاصلہ پر برک الغماد کے پاس قبیلۂ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ مجھے میری قوم نے اس قدر ستایا ہے کہ میں نے اب ارادہ کیا ہے کہ مکہ سے نکل کر کسی دوسری جگہ جا کر رہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ آپ تو ایسے شخص ہیں نہ آپ کو خود مکہ سے نکلنا چاہیے نہ آپ کی قوم کو یہ گوارا ہونا چاہئے کہ آپ مکہ سے نکلیں۔ میں آپ کو پناہ میں لیتا ہوں۔ آپ واپس چلئے اور مکہ ہی میں اپنے رب کی عبادت کیجئے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ مکہ میں واپس آئے۔ ابن الدغنہ نے رؤساءِ قریش کو جمع کر کے بہت شرمندہ کیا اور کہا کہ تم ایسی نیک صفات والے شخص کو نکالتے ہو جس کا وجود کسی قوم کے لیے موجبِ فخر ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے مکان کے آنگن میں ایک چھوٹا سا چبوترہ بطور مسجد بنالیا۔ وہیں قرآن شریف پڑھا کرتے اور عباداتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اُن کی قرآن خوانی کی آواز کا اثر محلہ کی عورتوں اور بچوں پر بہت ہوتا تھا۔ قریش کو یہ بھی گوارا نہ ہوا اور ابن الدغنہ نے منع کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری پناہ سے نکلتا ہوں اور اپنے خدا تعالیٰ کی پناہ کو کافی سمجھتا ہوں مگر قرآن خوانی کو ترک نہیں کر سکتا۔

ابو طالب کی وفات کے تقریباً دو ماہ بعد رمضان سنہ 10ء نبوی میں حضرت خدیجہؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ وہ آنحضرت ﷺ کی تمام مصائب و تکلیف میں رفیق تھیں۔ سب سے پہلے وہی آپ ﷺ پر ایمان لائی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کی ہمت بندھائی اور مصیبتوں میں آپ ﷺ کو تسلی دی تھیں۔ ابو طالب اور خدیجہؓ دونوں ایسے رفیق و ہمدرد تھے کہ ان کی وفات نے آنحضرت ﷺ کو بہت ہی غمگین بنا دیا۔ اور ساتھ ہی قریش کی ایذا رسانیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ راستہ میں جا رہے تھے کہ کسی شریر نے آپ ﷺ کے سر پر بہت سی کیچڑ اٹھا کر ڈال دی۔ آپ ﷺ اسی حالت میں اپنے گھر کے اندر تشریف

لائے۔آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ پانی لے کر اٹھیں، وہ آپ ﷺ کا سر دُھلاتی جاتی تھیں اور زار و قطار رو رہی تھیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا، بیٹی روؤمت۔ خدا تعالیٰ تمہارے باپ کی خود حفاظت کرے گا۔ایک مرتبہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں بہت سے مشرک بیٹھے ہوئے تھے۔ابو جہل (عمرو بن ہشام) نے آپ ﷺ کو دیکھ کر تمسخرانہ انداز میں کہا، عبد مناف والو! دیکھو تمہارا نبی آگیا۔عتبہ بن ربیعہ نے کہا ہمیں کیاانکار ہے۔کوئی نبی بن بیٹھے، کوئی فرشتہ بن جائے۔آنحضرت ﷺ نے عتبہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو نے کبھی بھی خدا اور سولؐ کی حمایت نہ کی اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ پھر ابو جہل سے کہا کہ تیرے لیے وہ وقت قریب آرہا ہے کہ تو ہنسے گا کم اور روئے گا زیادہ۔ پھر تمام مشرکین سے کہا کہ وہ وقت قریب آرہا ہے کہ تم جس دین کا انکار کر رہے ہو اُسی میں داخل ہو جاؤ گے۔

5.2.3 سفرِ طائف (سن 10ء نبوی)

قریش کی ضد دم بدم ترقی کرتی گئی۔آپ ﷺ نے شعب ابی طالب ہی کے زمانے سے قریش کے سوا باہر کے لوگوں میں جبکہ وہ حج کے لیے مکہ آتے تھے تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا جس کا کوئی معتدبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔مکہ والوں کو حد سے زیادہ سخت اور اسلام سے متنفر دیکھ کر آپ ﷺ نے ارادہ کیا تھا کہ طائف والوں کو دعوتِ اسلام دیں۔طائف مکہ سے تین منزل یعنی ساٹھ میل کے فاصلہ پر مکہ ہی کی برابر بڑا شہر تھا۔وہاں ثقیف آباد تھے جو لات کی پرستش کرتے تھے۔ سنہ 10ء نبوی شوال کے مہینے میں یعنی حضرت خدیجہؓ کی وفات کے ایک مہینہ بعد آپ ﷺ زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر پیدل طائف میں پہنچے۔وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ میں اوّل آپ ﷺ قبیلہ بنی بکر میں تشریف لے گئے۔جب ان کو بھی مکہ والوں کا ساتھی اور ہم خیال پایا تو قوم قحطان کے پاس گئے، اُن کو بھی سنگ دلی میں قریش کے ہمسر پایا تو طائف میں پہنچے۔طائف میں داخل ہو کر اوّل آپ ﷺ وہاں کے رؤسا سے ملے۔طائف کے سرداروں میں عبد یالیل بن عمرو بن عمیر اور اُس کے دونوں بھائی مسعود و حبیب سب سے زیادہ بااثر اور بنی ثقیف کے رئیس سمجھے جاتے تھے۔آپ ﷺ تینوں سے ملے اور اسلام کی طرف دعوت دی۔یہ بڑے مغرور و متکبر تھے۔ان میں سے ایک نے کہا کہ ''اگر تجھ کو خدا اپنا رسول بناتا تو یوں ہی پیدل جوتیاں چٹخاتا پھرتا''۔دوسرے نے کہا ''کیا خدا کو کوئی اور آدمی نہ ملا جو تجھ کو رسول بنایا''۔ تیسرا بولا ''میں تجھ سے کلام کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اگر تو اپنے قول کے موافق خدا کا رسول ہے تو تیرے کلام کا رد کرنا خطرناک بات ہے اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے تو مناسب نہیں کہ ایسے شخص سے کلام کیا جائے''۔

جب آپ ﷺ کو عبد یالیل اور اس کے بھائی کی طرف سے مایوسی ہوئی تو آپ ﷺ نے اُن سے کہا کہ اچھا آپ اپنے ان خیالات کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں اور دوسروں تک ان باتوں کی اشاعت نہ کریں۔وہیں سے اٹھ کر آپ ﷺ طائف کے اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں مصروف ہوئے لیکن عبد یالیل اور اس کے بھائیوں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں، اوراوباشوں کو آنحضرت ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔آپ ﷺ جہاں جاتے، بدمعاشوں، اوباشوں اور لڑکوں کا ایک انبوہ آپ ﷺ کے پیچھے گالیاں دیتا اور ڈھیلے مارتا ہوا آتا۔آپ ﷺ کے وفادار خادم زیدؓ بن حارثہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔وہ آپ ﷺ کو بچاتے اور آپ ﷺ کی حفاظت کرنے میں مصروف رہتے۔پتھروں اور ڈھیلوں کی بارش میں آنحضرت ﷺ اور زید بن حارثؓ دونوں زخمی ہو گئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ طائف سے باہر نکل آئے مگر بدمعاشوں کے ہجوم نے آپ ﷺ کا پیچھا نہ چھوڑا اور تین میل تک شہر سے باہر بھی تعاقب کیا۔آپ ﷺ کی پنڈلیاں

پتھروں کی بارش سے لہولہان ہو گئیں اور اس قدر خون بہا کہ جوتیوں میں خون بھر گیا۔

طائف سے تین میل کے فاصلے پر مکہ کے ایک رئیس عتبہ بن ربیعہ کا باغ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس باغ میں آکر پناہ لی۔ رسول اللہؐ اس باغ کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے اور اپنی بے کسی و بے چارگی دیکھ کر جناب الٰہی سے دعا کی کہ الٰہی، بے کسوں اور ضعیفوں کا تو ہی محافظ و نگہبان ہے اور میں تجھ سے مدد کا خواستگار ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی وقت ایک فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں پہاڑ اٹھا کر اہلِ طائف پر ڈال دوں۔ یہ سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں، ہر گز نہیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر یہ لوگ اسلام نہ لائے تو ان کی اولاد ضرور خادمِ اسلام بنے گی''۔

عتبہ بن ربیعہ اس وقت باغ میں موجود تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو دور سے اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام عدّاس کے ہاتھ ایک برتن میں انگور کے خوشے رکھ کر آپ ﷺ کے پاس بھجوائے۔ یہ عیسائی غلام نینوا کا باشندہ تھا۔ آپ ﷺ نے وہ انگور کھائے اور عداس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ عداس کے قلب پر آپ ﷺ کی باتوں کا اثر ہوا۔ وہاں سے روانہ ہو کر آپ ﷺ مقام نخلہ میں پہنچے اور رات کو کھجوروں کے باغ میں قیام فرمایا۔ اسی جگہ بعض جنات کے سرداروں نے آپؐ کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے۔

نخلہ سے روانہ ہو کر آپ کوہِ حرا پر تشریف لائے۔ مکہ میں لوگ خوں کے پیاسے ہو رہے تھے، اس لیے آپ نے وہاں مقیم ہو کر بعض سردارانِ قریش کے نام پیغام بھیجا۔ مگر کوئی شخص آپ ﷺ کو اپنی ضمانت اور پناہ میں لینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ مطعم بن عدی کے پاس جب آپ ﷺ کا پیغام پہنچا تو وہ بھی اگرچہ مشرک اور کافر تھا مگر عربی شرافت اور قومی حمیت کے جذبہ سے متاثر ہو کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور آنحضرت ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ میں آیا۔ مطعم کے بیٹے ننگی تلواریں لے کر خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اس کے بعد مطعم اور اس کے بیٹوں نے ننگی تلواروں کے سائے میں آپ ﷺ کو گھر تک پہنچا دیا۔ قریش نے مطعم سے پوچھا کہ تم کو محمد (ﷺ) سے کیا واسطہ ہے؟ مطعم نے جواب دیا کہ مجھ کو واسطہ تو کچھ نہیں لیکن میں محمد (ﷺ) کا حمایتی ہوں۔ جب تک وہ میری حمایت میں ہیں کوئی نظر بھر کر ان کو نہیں دیکھ سکتا۔ مطعم کی یہ ہمت اور حمایت دیکھ کر قریش کچھ خاموش سے ہو کر رہ گئے۔

5.2.4 واقعہ معراج (سن 11، نبوی)

نبوت کے گیارہویں سال کی ایک رات نبی کریمؐ حضرت ام ہانی کے مکان میں آرام فرما رہے تھے، نیم خوابی کی حالت میں یکایک چھت شق ہوئی اور جبرائیلؑ تشریف لائے جبکہ آپ کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے، آپ ﷺ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ حطیم میں لے جا کر سینہ مبارک کو چاک کیا اور آبِ زمزم سے قلب اطہر کو دھویا اور پھر ایمان و حکمت قلب میں بھر کر سینہ مبارک ویسا ہی کر دیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ثبت کر دی اس کے بعد براق لایا گیا جو ایک بہشتی سواری تھی جس کا قدم منتہائے نگاہ پر پڑتا تھا، اللہ کے رسولؐ اس کی پشت پر سوار ہوئے جبرائیلؑ آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس معجزانہ سفر کے دوران نبی ﷺ کو آپ کی ہجرت اور وفات کی جگہ یعنی مدینہ اور دیگر اہم مقامات کی بھی سیر کروائی گئی۔

شداد بن اوسؓ کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ ''راستہ میں ایک ایسی زمین پر گذر ہوا جس میں کھجور کے درخت

بکثرت تھے، جبرائیل امینؑ نے کہا کہ یہاں نماز پڑھ لیجیے میں نے اتر کر نماز پڑھی پھر جبرائیلؑ نے بتایا کہ یہ مدینہ ہے جہاں آپ ﷺ ہجرت کریں گے اس کے بعد آگے بڑھے پھر جبرائیلؑ نے کہا کہ یہاں بھی اتر کر آپ ﷺ نماز پڑھ لیجیے میں نے اتر کر نماز پڑھی اور جبرائیل امینؑ نے بتایا کہ آپ ﷺ نے وادی سینا میں شجرہ موسیٰؑ کے قریب نماز پڑھی ہے۔ جہاں اللہ رب العزت نے موسیٰؑ سے کلام فرمایا تھا پھر اور آگے بڑھے اور جبرائیلؑ نے پھر ایک جگہ نماز کے لیے کہا میں نے وہاں بھی نماز پڑھی اور بتایا جبرائیلؑ نے کہ یہ مدین ہے جو شعیبؑ کا مسکن تھا وہاں سے روانہ ہوئے ایک اور زمین پر جبرائیلؑ نے نماز کے لیے کہا یہ مقام ''بیت اللحم'' تھا، جہاں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی تھی''

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ بیت المقدس پہنچے اور اتر کر براق کو ایک حلقہ سے باندھ دیا اور بعد ازاں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے جہاں انبیاء کرامؑ پہلے ہی سے آپ ﷺ کے انتظار میں صف باندھے کھڑے تھے۔ جبرائیلؑ نے اللہ کے رسولؐ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا، آپ ﷺ نے سب کو نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ ﷺ نے جبرائیل امینؑ اور دیگر ملائکہ کی معیت میں آسمانوں کی طرف عروج فرمایا، جب آپ ﷺ پہلے آسمان پر پہنچے، جبرائیلؑ نے دروازہ کھلوایا، آسمان کے دربان نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبرائیلؑ نے کہا کہ محمدؐ ہیں، فرشتے نے دریافت کیا کہ کیا ان کے پاس بلانے کا پیغام گیا ہے؟ جبرائیلؑ نے ہاں میں جواب دیا۔ فرشتے نے یہ سن کر مرحبا کہہ کر دروازہ کھولدیا، آپ ﷺ داخل ہوئے اور ایک بزرگ آدمی کو دیکھا، جبرائیلؑ نے بتایا یہ آپ کے والد آدمؑ ہیں پھر دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور وہی پہلے آسمان والے سوالات وجوابات یہاں بھی ہوئے۔ یہاں آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات کی، اس کے بعد تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے اور پانچویں پر حضرت ہارونؑ سے اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو ہوئی، ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا کہ آپ ''بیت المعمور'' سے پشت لگائے بیٹھے ہیں (بیت المعمور قبلہ ملائک ہے جو ٹھیک خانہ کعبہ کے محاذات میں ہے) اس کے بعد آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ گئے ہیں آپ ﷺ نے جبرائیلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا اور حق تعالیٰ کی عجیب وغریب تجلیات کا مشاہدہ کیا، نیز جنت و جہنم کا مشاہدہ کر کے آپ ﷺ دیدار خداوندی اور بلا واسطہ کلام ایزدی سے مشرف ہوئے۔

اللہ رب العزت نے اس مقام قرب میں حضورؐ کو گوناگوں الطاف وعنایات سے نوازا اور طرح طرح کی بشارات سے مسرور کیا اور خاص حکایات دیئے، سب سے اہم حکم یہ تھا کہ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کو پچاس نمازوں کا حکم ہوا۔ اللہ کے رسولؐ ان احکام وہدایات کو لے بخوشی واپس ہو رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تجربہ سے بتایا کہ آپ (ﷺ) کی امت ضعیف اور کمزور ہے لہٰذا وہ اس فریضہ کو انجام نہیں دے سکے گی، اس لیے وہ (ﷺ) پروردگار کے پاس واپس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کریں۔ چنانچہ رسولؐ واپس گئے اور تخفیف کی درخواست کی، حق تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں پھر واپس ہوئے، موسیٰ نے پھر وہی بات کہی، آپ ﷺ پھر گئے اور پھر تخفیف کی درخواست کی اور پھر جب پانچ رہ گئی موسیٰ نے پھر بھی یہی مشورہ دیا کہ جایئے اور تخفیف کی درخواست کیجیے تب آپ ﷺ نے معذرت کر لی کہ وہ مزید تخفیف کے لیے نہیں جائیں گے۔ یہ جواب موسیٰ کو دے کر آپ ﷺ روانہ ہو گئے، واپسی پر غیب سے آواز آئی کہ یہ پانچ ہیں مگر ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ اس طرح آسمانوں سے واپسی ہوئی اور اولاً بیت المقدس میں

آکر اترے اور وہاں سے مکہ مکرمہ پہنچے، صبح کو جب قریش کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سن کر حیران ہوئے اور ازراہِ تعجب کہنے لگے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس آ گئے۔ جو لوگ بیت المقدس دیکھے ہوئے تھے، انہوں نے بطور امتحان بیت المقدس کی کچھ علامتیں دریافت کرنا شروع کیں، حق تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ ﷺ کی نظروں کے سامنے کر دیا وہ سوالات کرتے جاتے اور آپ ﷺ جواب دیتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب کوئی بات پوچھنے سے باقی نہ رہی تو کہا کہ اچھا راستہ کا کوئی واقعہ بتاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ راستہ میں مجھے فلاں جگہ ایک تجارتی قافلہ ملا جو شام سے مکہ واپس آ رہا ہے، اس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جو بعد میں مل گیا تین دن میں وہ قافلہ مکہ پہنچ جائے گا انشاءاللہ اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ سب سے آگے ہو گا جس پر دو بورے لدے ہونگے اور ٹھیک تیسرے دن یہی ہوا۔ معراج النبی ﷺ کا واقعہ انسانی عظمت اور سربلندی کا نقطہ عروج ہے۔

معلومات کی جانچ

- عام الحزن کی وجہ تسمیہ بتائیے۔
- معراج کے سفر میں نبی ﷺ کو کون سا تحفہ ملا؟

5.3 ہجرت مدینہ

5.3.1 پس منظر

نبی کریم ﷺ مکہ اور اس کے اطراف واکناف کے علاقوں میں اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا بلکہ اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم وستم بڑھ گیا۔ اس لیے آپ ﷺ نے حج پر آنے والے دور دراز کے قبائل کو دعوتِ اسلام پہنچانے کا ارادہ فرمایا تاکہ کوئی قوم اسلام کو قبول کرے اور اس کی حمایت کرے۔ نبوت کے 11 ویں سال آپ ﷺ کی ملاقات مدینہ کے قبیلہ اوس کے چھ افراد سے ہوئی جو حج کے لیے مکہ آئے تھے۔

مدینہ (یثرب) میں قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان طویل جنگیں ہو چکی تھیں۔ لوگ لڑائیوں سے تھک چکے تھے اور امن چاہتے تھے۔ جب انہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں سنا کہ آپ صلح اور عدل کی تعلیم دیتے ہیں، تو انہیں امید پیدا ہوئی کہ اسلام ان کے لیے امن کا پیغام لائے گا۔ اس کے علاوہ یہودی علماء اکثر اہلِ مدینہ کو بتایا کرتے تھے کہ آخری نبی جلد آنے والے ہیں، اور وہ ان کے ذریعے اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ جب انصار نے مکہ میں نبی ﷺ کو دیکھا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی بشارت تورات میں دی گئی تھی۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور نبی ﷺ سے وعدہ کر لیا کہ وہ اگلے سال مزید افراد کے ساتھ آئیں گے۔

5.3.2 بیعتِ عقبہ اولیٰ (سن 12ء نبوی)

سنہ 12 نبوی بھی آنحضرت ﷺ کا مکہ میں اسی طرح مصائب ومشکلات میں گذرا جیسا کہ سنہ 11 نبوی گذرا تھا۔ قریش کی مخالفت بدستور ترقی پذیر تھی۔ آپ ﷺ کو مدینہ کے ان چھ مسلمانوں کا بہت خیال تھا جو تبلیغ اسلام کا وعدہ کر گئے تھے۔ آپ ﷺ کو اس عرصہ میں

کوئی خبر نہیں معلوم ہوئی کہ مدینہ میں تبلیغ اسلام کا کیا نتیجہ نکلا۔آخر سنہ 12 نبوی کے آخری مہینہ ذی الحجہ میں آپ ﷺ مقام منیٰ کے پاس اُسی مقام عقبہ میں جاکر یثرب کے قافلہ کو تلاش کیا۔آپ ﷺ کو پانچ لوگ نظر آئے جو پہلے سال بیعت کر گئے تھے۔وہ بھی آنحضرت ﷺ سے شوق سے ملے،ان کے ساتھ جو اوس و خزرج کے سات آدمی اور تھے۔ان بارہ بزرگوں کے نام یہ تھے:(1)ابوامامہ(2)عوف بن حارث(3)رافع بن مالک بن العجلان(4)قطبہ بن عامر بن حدیدہ(5)عقبہ بن عامر۔یہ پانچ شخص تو پچھلے سال کے چھ مسلمانوں میں سے تھے۔ باقی نئے سات یہ تھے:(6)معاذ بن حارث برادر عوف بن حارث(7)ذکوان بن عبد قیس(8)خالد بن مخلد بن عامر بن زریق(9) عبادہ بن صامت(10)عباس بن عبادہ۔یہ دس حضرات قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔(11)ابوالہیثم بن التیہان(12)عویم بن ساعدہ آخر کے دونوں بزرگ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔

ان بارہ حضرات نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔بیعت عقبہ اولیٰ گویا ان چھ سابقہ مدنی مسلمانوں کی تبلیغ کا نتیجہ تھا۔ رخصت ہوتے وقت اس مسلم جماعت نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ ایک قاری یعنی مبلغ بھیجا جائے۔آپ ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ پہنچ کر اسعدؓ بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا اور اسی مکان کو تبلیغی مرکز بنا کر تبلیغِ اسلام کے کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔عقبہ اولیٰ میں آپ ﷺ نے یہ اقرار کرائے تھے:

"(1)ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے،(2)چوری اور زناکاری کے پاس نہ بھٹکیں گے،(3)اپنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے(4)کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے،(5)چغل خوری نہ کریں گے،(6)ہر بات میں نبی کی اطاعت کریں گے"۔

مصعبؓ بن عمیر نے مدینہ میں پہنچ کر نہایت کوشش و جانفشانی اور قابلیت کے ساتھ تبلیغ اسلام کی۔خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مدینہ کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔سنہ 13 نبوی کا ماہ ذی الحجہ آیا تو مدینہ سے مصعب بن عمیرؓ 73 مرد اور دو عورتوں کے مسلم قافلہ کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔مدینہ کے مسلمانوں نے اس قافلہ کو اس لیے بھی بھیجا تھا کہ زیارت نبی اسے مشرف ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ والوں کی طرف سے مدینہ میں تشریف لانے کی درخواست پیش کرے۔

یہ بیعت مدینہ میں اسلام کی روشنی پھیلانے اور بعد میں نبی ﷺ کی ہجرت کے لیے پہلا دروازہ ثابت ہوئی۔

5.3.3 بیعتِ عقبہ ثانیہ(سن 13ء نبوی)

آنحضرت ﷺ کو اس قافلے کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔رات کے وقت آپ ﷺ مکان سے نکلے۔حضرت عباسؓ اگرچہ مسلمان نہ ہوئے تھے لیکن ہمیشہ سے اُن کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمدردی تھی۔قریش کی عام مخالفت میں بھی اُن کے درپردہ ہمدردانہ طرزِ عمل سے آنحضرت ﷺ واقف تھے۔وہ اتفاقاً راستہ میں مل گئے۔آنحضرتؐ نے اُن کو اپنے ہمراہ لے لیا اور اپنے ارادہ سے مطلع فرمادیا تھا۔چنانچہ دونوں رات کی تاریکی میں وادی عقبہ میں پہنچے۔وہاں مدینہ سے آیا ہوا مومنوں کا قافلہ آپ ﷺ کا منتظر تھا۔اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مدینہ سے صرف مسلمان ہی نہیں آئے تھے بلکہ مشرکین حسبِ دستورِ قدیم حج کے لیے آئے تھے۔ان لوگوں نے مکہ سے

باہر ہی ایک جگہ قیام کیا تھا۔ مگر عقبہ کی گھاٹی آنحضرتؐ کی ملاقات کے لیے تجویز کر دی گئی تھی۔اس لیے مدینہ کے مسلمان اور بعض غیر مسلم بھی جو اسلام کو پسند کرتے اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے تھے اس گھاٹی میں آکر آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ باقی مشرکینِ مدینہ کو عقبہ کی اس ملاقات کا علم نہ تھا۔ وہ سب اصل قیام گاہ پر سو رہے تھے۔آپ ﷺ نے عقبہ میں پہنچ کر منتظر مسلمانوں سے ملاقات کی۔ مدینہ میں تشریف لے جانے کی خواہش سن کر حضرت عباسؓ نے ایک مناسب اور ضروری تقریر کی۔ انہوں نے فرمایا: ''مدینہ والو! محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں ہے۔اُن کا خاندان اس کی حفاظت کرتا ہے تم اُن کو اپنے یہاں لے جانا چاہتے ہو۔ یہ یاد رکھو، تم کو اُن کی حفاظت کرنی پڑے گی۔ان کی حفاظت کوئی آسان کام نہیں۔ اگر تم عظیم الشان اور خوں ریز لڑائیوں کے لیے تیار ہو تو بہتر ہے ورنہ محمدؐ کے لے جانے کا نام نہ لو''۔

براء بن معرور الخزرجیؓ نے کہا: ''عباس! ہم نے تمہاری بات سن لی۔اب ہم چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی خود اپنی زبان سے کچھ فرمائیں'۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تقریر فرمائی اور قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں۔آپ ﷺ کی تقریر میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بیان تھا۔آپ ﷺ نے ان ذمہ داریوں کو بھی بیان فرمایا جو مدینہ میں آپ ﷺ کے لے جانے سے مدینہ والوں پر عائد ہوتی تھیں۔ براء بن معرورؓ نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا، ہم سب باتوں کے لیے تیار ہیں۔ابو الہیثم بن تیہانؓ نے کہا ''آپ یہ تو وعدہ کریں کہ ہم کو چھوڑ کر واپس تو نہیں آجائیں گے''۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، میرا جینا اور مرنا تمہارے ہی ساتھ ہو گا۔ عبداللہ بن رواحہ بولے: یارسول اللہؐ ہم کو اس کے معاوضہ میں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت اور خدا تعالیٰ کی رضامندی۔ عبداللہ نے کہا: بس سودا ہو چکا۔اب نہ آپ اپنے قول سے پھریں نہ ہم پھریں گے۔اس کے بعد سب نے بیعت کی۔اس بیعت میں براء بن معرورؓ سب پر سابق تھے۔اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ مشہور ہے۔ جب بیعت ہو چکی تو اسعد بن زرارہ نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ ''لوگو! آگاہ رہو کہ اس قول و قرار کا یہ مطلب ہے کہ ہم ساری دنیا کے مقابلے کے لیے تیار ہیں''۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ''ہاں، ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم کو ساری دنیا کا مقابلہ کرنا پڑے گا''۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں میں سے بارہ بزرگوں کو منتخب فرمایا۔ اور ان کو تبلیغ اسلام کے متعلق ہدایات دے کر اپنا نقیب مقرر کیا۔

ان بارہ سرداروں میں نو آدمی قبیلۂ خزرج کے تھے اور تین قبیلہ اوس کے۔ان بارہ آدمیوں سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا کہ ''جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ذمہ دار تھے۔اسی طرح میں تم کو تمہاری قوم کی تعلیم کا ذمہ دار بناتا ہوں اور میں تم سب کا ذمہ دار ہوں''۔ یہ عہد دراصل مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد کا پیش خیمہ تھا۔اسی موقع پر ہجرت کے راستے ہموار ہوئے۔

5.3.4 سفر ہجرت

ہجرتِ مدینہ اسلام کی تاریخ کا وہ انقلابی موڑ ہے جس نے دعوتِ اسلامی کو ایک نئے مرحلے میں داخل کیا۔آپ نے اوپر پڑھا کہ مکہ میں تیرہ سال تک نبی اکرم ﷺ نے سخت مصائب، ظلم اور سماجی بائیکاٹ برداشت کیا، جب مکہ میں حالات بدترین ہو گئے اور اصلاح و دعوت کی راہیں بند ہو گئیں تو نبی ﷺ کو ہجرت کی اجازت ملی۔

مسلمان آہستہ آہستہ مدینہ جانے لگے۔ قریش کو اندیشہ ہوا کہ اگر محمد ﷺ بھی نکل گئے تو ان کا اثر پورے عرب میں پھیل جائے گا۔ انہوں نے دارالندوہ میں نبی ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔آپ کے پاس اہل مکہ کی امانتیں تھیں جس کو آپ نے حضرت علیؓ کے سپرد کیا اور للہ

کے حکم سے آپ ﷺ نے رات کے وقت حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا دیا۔ کفار مکہ نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لاَ يُبْصِرُونَ (سورہ یسین: ۹) ترجمہ: ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

رات میں اللہ کے رسول ﷺ کعبہ پر حسرت کی نگاہ ڈال کر باہر آئے اور فرمایا: ''مکہ تو مجھے تمام شہروں میں سب سے زیادہ عزیز ہے مگر تیرے رہنے والے لوگوں نے مجھے یہاں رہنے نہ دیا۔'' خود حضرت ابو بکرؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہجرت کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ آپ دونوں نے تین دن تک غارِ ثور میں پناہ لی، جہاں اللہ کی قدرت سے دشمن اُن کے قریب پہنچ کر بھی نہ دیکھ سکا۔ تین دن تک حضرت ابو بکرؓ کے غلام انہیں توشہ پہنچاتے رہے۔ چوتھے دن اللہ کے رسول ﷺ غار سے نکلے اور عبداللہ بن اریقط کو راستہ کی رہنمائی کے لیے اجرت طے کر کے ساتھ لیا اور ایک رات ایک دن برابر چلتے رہے۔ دوسرے دن دوپہر کے قریب جب دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے چاہا کہ کہیں سایے میں آرام فرمالیں۔ چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اُتر کر زمین صاف کی اور اپنی چادر بچھا دی اللہ کے رسول کے آرام فرمانے کے لیے اور خود تلاش میں نکل گئے کہ کچھ کھانے کو مل جائے۔ انہیں چرواہا ملا جس سے نبی ﷺ کے لیے دودھ لیا اسے نوش فرمانے کے بعد دوبارہ سفر شروع کیا۔

قریش نے آپ ﷺ کی گرفتاری کے لیے سرخ اونٹ انعام مقرر کیا۔ انعام کی لالچ میں سراقہ بن جعشم نے نبی ﷺ کا پیچھا کیا اور ان حضرات کو پالیا لیکن اس کے گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس گئے۔ اس نے نبی ﷺ سے معذرت کی تب اس کی خلاصی ہوئی اور نبی ﷺ نے اس سے عہد لیا کہ وہ مکہ والوں کو ان کے بارے میں خبر نہ دے۔ اس وقت نبی ﷺ نے سراقہ کو تحریری معاہدہ بھی لکھ کر دیا۔ آٹھ روز کے سفر کے بعد اللہ کے رسول 8، ربیع الاول 14 نبوی کو دوپہر کے وقت قبا پہنچے۔

قبا دراصل مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع ایک مضافاتی علاقہ تھا، جہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے لوگ بڑی تعداد میں آباد تھے۔ یہ قبیلہ اسلام قبول کر چکا تھا۔ جب رسول اکرم ﷺ کی مکہ سے روانگی کی خبر مدینہ پہنچی تو اہلِ ایمان روزانہ صبح سویرے بستی سے باہر آکر آپ ﷺ کے استقبال کے منتظر رہتے۔ جب دھوپ تیز ہو جاتی تو مایوس ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔

ایک روز حسبِ معمول اہل مدینہ انتظار کے بعد واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی، جو اکثر مسلمانوں کو اس حال میں دیکھتا تھا، اپنی چھت پر موجود تھا۔ اچانک اس نے دور سے ایک قافلہ آتا دیکھا اور فوراً پکارا: "اے گروہِ عرب! تمہارا مطلوب آ پہنچا!" یہ سننا تھا کہ اہلِ مدینہ خوشی سے اپنے گھروں سے دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ قبا میں خوشی و مسرت کی فضا چھا گئی، نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور صحابۂ کرامؓ نے جوشِ عقیدت سے رسولِ اکرم ﷺ کا استقبال کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی مہمانی قبول فرمائی اور چودہ دن قبا میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اسلام کی پہلی مسجد - مسجدِ قبا کی تعمیر کا آغاز فرمایا۔ یہ مسجد حضرت کلثوم بن ہدمؓ کی ایک زمین پر تعمیر کی گئی جو پہلے کھجوریں سکھانے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

مسجدِ قبا نہ صرف اسلامی تاریخ کی پہلی مسجد ہے بلکہ ایمان، اخلاص، اجتماعی عمل اور عبادت کی علامت بھی ہے۔ قرآن مجید میں اس مسجد کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی: ''وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس میں نماز پڑھنا زیادہ مناسب ہے''۔

قبا سے پھر آپ مدینہ روانہ ہوئے اور یہاں آپ نے اللہ کے حکم سے حضرت ابوایوب انصاری کے پاس قیام فرمایا۔ اور فوری طور پر کئی اہم فیصلے لیے۔ جس کی تفصیل ہم آئندہ اکائی میں پڑھیں گے۔ یہاں ایک بات جاننا ہمارے لیے اہم ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت کا واقعہ محض مقام کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک نئے تمدنی، سیاسی اور دینی نظام کی بنیاد تھا۔

خلاصہ

ہجرت دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی۔ نبی ﷺ کو وحی کے ذریعے ہدایت دی گئی کہ آپ مدینہ جائیں، جہاں اہلِ ایمان کے لیے امن وامان اور اللہ کی مدد ہے۔ مکہ میں اسلام صرف دعوت کی حد تک محدود تھا، مگر شریعت کے احکامات اور نظامِ عدل قائم کرنے کے لیے ایک اسلامی معاشرہ درکار تھا۔ مدینہ میں رہ کر اسلام کو منظم انداز میں پھیلانے کا موقع ملا۔ وہاں سے اسلام پورے جزیرۂ عرب میں اور پھر دنیا بھر میں پہنچا۔

5.4 فرہنگ

مقاطعہ: بائیکاٹ (Boycott)، جس کا مطلب کسی شخص، ادارے، یا ملک کے ساتھ تعلقات، خرید وفروخت، اور دیگر معاملات کو احتجاج کے طور پر روک دینا۔

عہد نامہ: Agreement بہشتی: جنتی

5.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام لانے کے بعد مسلمانوں پر جب کسی طرح مصائب کم نہ ہوئے تو اللہ کے حکم سے انہیں حبشہ کی ہجرت کے لیے نبی ﷺ نے اجازت دی۔ قریش نے وہاں کے بادشاہ کو بھی مسلمانوں کو پناہ دینے سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ جس کا بدلہ انہوں نے اس طرح لیا کہ بنو ہاشم کا بائکاٹ کر دیا
- شعب ابی طالب (شعب بنی ہاشم) کا مقاطعہ مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش تھی۔ 10ء نبوی میں حضورؐ کے دو بڑے سہارے چچا اور اہلیہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، اس لیے اسے عام الحزن کہا گیا۔
- طائف کے سفر میں اللہ کے رسولؐ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہؓ تھے اور طائف کا سفر آپ کی زندگی کا سب سے تکلیف دہ دن شمار کیا جاتا ہے۔

- شعب ابی طالب، عام الحزن اور طائف کی دلبر داشتہ صعوبتوں کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی ﷺ کو معراج پر بلایا اور اس شب معراج میں نمازوں کی فرضیت ہوئی۔ شب معراج میں انبیاء کرام سے ملاقات سے ان خاص حالات کی طرف اشارہ تھا جو بعد میں اللہ کے رسولؐ کے ساتھ پیش آئے۔
- حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ مسلمان ہو جانے پر نبی ﷺ کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمان بلا روک ٹوک خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے تھے اور اسلام مکہ میں علانیہ اور آشکارا طور پر ظاہر ہو گیا۔
- بیعت عقبہ اولی اور بیعت عقبہ ثانیہ ہجرت مدینہ کے لیے راہیں ہموار کیں اور نبی ﷺ نے اللہ کے حکم سے مدینہ ہجرت کی۔

5.6 نمونۂ امتحانی سوالات

5.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. شعب ابی طالب کا مقاطعہ کتنے سال رہا تھا؟

(a) .2 سال (b) .3 سال (c) .4 سال (d) .5 سال

2. نبوت کے کون سے سال کو عام الحزن کہا جاتا ہے؟

(a) . پانچویں سال (b). ساتویں سال (c). اٹھویں سال (d). دسویں سال

3. عام الحزن میں آپ ﷺ کی جن دو قریبی شخصیتوں کا انتقال ہوا؟

(a). عبد المطلب اور ابو طالب (b). عبد المطلب اور خدیجہ (c). ابو طالب اور خدیجہ (d). خدیجہ اور حمزہ

4. حضرت خدیجہؓ کی وفات کے کتنے ماہ بعد آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا تھا؟

(a). ایک ماہ بعد (b). دو ماہ بعد (c). تین ماہ بعد (d). چار ماہ بعد

5. طائف سے واپسی پر آپ ﷺ جس باغ میں رُکے تھے وہ کس کا تھا؟

(a). عبد یالیل (b). عبد یالیل کے بھائی (c). عتبہ بن ربیعہ (d). عداس

5.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. نبوت کے دسویں سال کو ''عام الحزن'' کیوں کہتے ہیں؟ بیان کیجیے۔
2. شعب ابی طالب کا واقعہ کب اور کیوں پیش آیا؟ مختصر اً لکھیے۔
3. سفر طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ کیا کیا پیش آیا؟ بیان کیجیے۔
4. سفر معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس واقعہ پر روشنی ڈالیے۔
5. بیعت عقبہ اولی پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

5.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. ہجرت حبشہ کی روداد تفصیل سے لکھیے۔
2. مکی دور میں سماجی مقاطعہ کا سبب لکھ کر اس کی مدت اور واقعہ کی تفصیل لکھیے۔
3. ہجرت مدینہ کے اسباب اور سفر ہجرت پر اپنی معلومات تحریر کیجیے۔

5.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. سیرۃ النبی (جلد اول) : علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
2. تاریخ اسلام (جلد اول) : شاہ اکبر خاں صاحب نجیب آبادی
3. سیرۃ المصطفیٰ (جلد دوم) : مولانا محمد ادریس کاندھلوی
4. الرحیق المختوم : مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

معروضی سوالات کے جوابات

1. B	2.D	3. C	4. A	5. C

اکائی 6: ہجرت کے بعد نبی ﷺ کے ابتدائی اقدامات: مواخات، میثاق مدینہ

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید
6.1 مقصد
6.2 مسجد نبوی کی تعمیر
6.3 رشتہ مواخات کا قیام
6.3.1 دینی درسگاہ کا قیام
6.4 تحویل قبلہ کا واقعہ
6.5 اذان کی ابتداء
6.6 میثاق مدینہ
6.7 فرہنگ
6.8 اکتسابی نتائج
6.9 نمونۂ امتحانی سوالات
6.9.1 معروضی جوابات کے کے متقاضی سوالات
6.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
6.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
6.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

اس اکائی میں آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے کے بعد کے ابتدائی معاملات و نظام کو بیان کیا گیا ہے۔ بالخصوص اسلامی

خلافت کی بنیاد کس اساس پر قائم ہوئی اور مسلمانوں کو استحکام نصیب ہوا۔ میثاق مدینہ کی اہمیت اور مواخات کے اسباب و نتائج پر گفتگو ہو گی۔

6.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد

- ہجرت کے بعد آنحضور ﷺ کے ابتدائی اقدامات مواخات اور میثاق مدینہ کی اہمیت و افدیت پر تبصرہ کر سکیں۔
- تحویل قبلہ کے واقعہ کا تجزیہ کر سکیں۔
- مسجد نبوی ﷺ میں قائم ہونے والی تعلیمی درسگاہ اور علمی سرپرستی پر تبادلہ خیال کر سکیں۔

6.2 مسجد نبوی کی تعمیر

جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو یہاں قیام کے بعد سب سے پہلا کام خانہ خدا کی تعمیر تھی۔ ابھی تک نمازوں کا مسئلہ یہ تھا کہ جہاں جسے موقع ملا وہیں ادا کرلی۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کے قریب ہی ایک افتادہ زمین پڑی ہوئی تھی جس پر کھجور کے کچھ درخت تھے اللہ کے رسول ﷺ نے جب بنی نجار کے لوگوں کو بلا کر ان سے یہ زمین بقیمت لینا چاہی تو اولاً انہوں نے کہا کہ ہم قیمت خدا سے ہی لیں گے آپ ﷺ ایسے ہی لے لیں پھر آپ ﷺ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلوایا جو اس زمین کے اصل مالک تھے۔ ابتداء میں تو انہوں نے بھی اپنی زمین نذر کرنا چاہی لیکن آپ ﷺ نے گوارانہ کیا اور حضرت ابو بکرؓ نے اس زمین کی قیمت ان بچوں کو ادا کی۔ بہر حال اب اس جگہ تعمیر شروع ہوئی اور اللہ کے رسول ﷺ خود بھی صحابہ کرام کے ساتھ پتھر اٹھا کر لاتے تھے اگرچہ صحابہ اصرار کرتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ رہنے دیں مگر آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ برابر کام کرتے رہے۔ ابتداء میں اللہ کے اس گھر کے ستون کھجور کے تھے اور دیواریں بھی کچی تھیں اور چھپر کھجور کی شاخوں کا تھا اور سادگی کی یہ ایک زبردست تصویر تھی، مسجد کے ایک سرے پر چبوترہ تھا۔ اس کی بھی چھت ایسی ہی تھی یہ صفہ کہلاتا تھا۔ یہی اس زمانہ کا دار العلوم تھا۔ مسجد نبوی اسے متصل ہی ازواج مطہرات کے لیے حجرے تعمیر کرائے جن میں اللہ کے رسول ﷺ آرام فرماتے تھے۔

6.3 رشتہ مواخات کا قیام

اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد جو بہت اہم ترین امور انجام دیئے ان میں سے ایک رشتہ مواخات کا قائم کرنا تھا جس کی وضاحت یہ ہے کہ مہاجرین مکہ سے بے سر وسامان آئے تھے اگرچہ ان میں کچھ حضرات وہ تھے جو مکہ میں رہتے ہوئے بہت دولت مند اور خوشحال لوگوں میں شمار ہوتے تھے لیکن اسلام اور ہجرت کی بناپر سب کچھ قربان کر چکے تھے۔ آپؐ نے مدینہ آتے ہی اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ مہاجرین کی جو جماعت مکہ مکرمہ سے آئی ہے وہ مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے (انصار کے لیے) باعث اذیت و موجب پیچیدگی نہ بنیں اگرچہ مہاجرین کے لیے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا تب بھی ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ ساتھ ہی آپ ﷺ کو یہ بھی خیال تھا کہ

مہاجرین جنھوں نے دین کی خاطر انتہائی تکلیفیں برداشت کی ہیں اور اپنے گھر، وطن، عزیز و اقارب، مال و زر، خاندان، برادری سب کو چھوڑ کر مدینہ آئے ہیں اب اور زیادہ پریشان و شکستہ دل نہ ہوں اور مہاجرین نذر و نیاز اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ دست و بازو سے کام لینے کے خو گر تھے اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں رشتہ اخوت قائم کر دیا جائے چنانچہ آپ ﷺ نے تمام مہاجرین و انصار کو حضرت انس بن مالکؓ کے گھر جمع فرما کر خطاب فرمایا اور مہاجرین و انصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرمایا اور ایک مہاجر ایک انصاری کو بلا کر فرماتے کہ یہ تمہارا بھائی ہے جس کے بعد انہوں نے اس رشتہ کو اس انداز سے نبھایا کہ وہ حقیقی بھائی بن گئے۔ انصاری بھائی مہاجر بھائی کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے اور گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر فرمایا کہ آج سے آدھا تمہارا ہے اور آدھا میرا ہے یہاں تک کہ سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ سعد بن ربیع جو عبدالرحمن بن عوفؓ کے بھائی قرار پائے ان کی دو بیویاں تھیں انہوں نے عبدالرحمن سے کہا کہ تم ایک کو پسند کر لو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں آپ ﷺ س سے نکاح کر لیں لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار فرمایا۔

انصار کے پاس جو بھی کچھ مال و دولت یا باغات تھے۔ سب کے بارے میں رسول ﷺ اللہ سے درخواست کی کہ یہ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیئے جائیں مہاجرین نے انکار فرمایا کیوں کہ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور کھیتی کے اس فن سے ناآشنا تھے مگر انصار نے کہا یا رسول ﷺ کام ہم ہی کریں گے پیداوار میں نصف حصہ مہاجر کا ہوگا۔ مہاجرین نے کہا کہ آپ ہمیں بازار کا راستہ بتا دیں۔ چنانچہ ان کو قینقاع کے بازار کا راستہ دکھایا گیا۔ بعض صحابہ نے دکانیں کھولی، بعض کپڑے کی تجارت کرنے لگے اور بعض نے کھجور کی تجارت شروع کر دی۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی تجارتوں سے اپنا گزر بسر شروع کر دیا، خود عبدالرحمن بن عوفؓ نے اس بازار میں جا کر گھی اور پنیر کی تجارت کی اور رفتہ رفتہ اتنی ترقی کی کہ ان کا خود ہی کا بیان ہے کہ میں مٹی پر بھی ہاتھ ڈالتا ہوں وہ بھی سونا ہو جاتی ہے۔ یہ تو ان مہاجرین کے گزر بسر کا معاملہ تھا۔ رہا ان حضرات کی سکونت کا مسئلہ تو اس کا انتظام اس طرح سے ہوا تھا کہ جن انصار کے پاس سکونت کے دو گھر تھے اور ایک سے ان کی ضرورت پوری ہو رہی تھی تو دوسرا مہاجر بھائی کو دے دیا۔ جن کے پاس گھر کے قریب رہائشی زمین تھی، انہوں نے وہ زمین مہاجرین بھائیوں کو دے دی۔ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت عبیدؓ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دے دیں تھیں۔

غرض اس عہد مواخات کو انصار مدینہ نے اس خلوص اور احتیاط سے نبھایا کہ تاریخ میں نہ اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر ملتی ہے اور نہ بعد میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ تمام ہی مہاجرین کو انصار نے حقیقی معنوں میں اپنا بھائی سمجھا اور بے دریغ اپنا تمام مال و اسباب ان کے سپرد کر دیا اور مہاجرین نے بھی اپنا بار اپنے انصار بھائیوں پر نہیں ڈالنا چاہا بلکہ انہوں نے نہایت جفاکشی اور مستعدی کے ساتھ محنت مزدوریاں کیں اور چھوٹی چھوٹی تجارتیں شروع کیں جس سے اپنی ضروریات زندگی اپنی قوت بازو سے مہیا کرنے لگے اور اپنے انصار بھائیوں کے لیے اس طرح موجب تقویت بن گئے۔

اسلام تہذیبِ اخلاق و تکمیلِ فضائل کی شہنشاہی ہے، اسی سلطنت الٰہی کے لیے وزراء، اربابِ تدبیر، سپہ سالاران، لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں، شرفِ صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا اور ان میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درس گاہِ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پا کر نکلیں، اس بنا پر جن لوگوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ

استاد اور شاگرد میں وہ اتحادِ مذاق موجود ہو جو تربیت کے لیے ضروری ہے، تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا، دونوں میں یہ اتحادِ مذاق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شان نبوت کی خصوصیات میں سے ہے۔

حضرت سعیدؓ بن زید عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کے والد زید آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے ملت ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے، حضرت سعیدؓ نے اُن ہی کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی اس لیے اسلام کا نام سننے کے ساتھ ہی انہوں نے لبیک کہا، ان کی ماں بھی ان کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام لائیں۔ حضرت عمرؓ اُن ہی کے گھر میں اور ان ہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے۔ علم و فضل کے لحاظ سے فضلائے صحابہؓ میں تھے۔ ان کی اخوت حضرت ابیؓ بن کعب سے قائم کی گئی، جنہوں نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمرؓ انہیں 'سید المسلمین' کہتے تھے۔ بارگاہِ نبوت میں منصبِ انشا پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے۔ فن قراءت کے وہ امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ حضرت ابو حذیفہؓ عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے جو قریش کا رئیسِ اعظم تھا۔ اس مناسبت سے ان کو حضرت عبادؓ بن بشر کا بھائی بنایا گیا جو قبیلۂ اشہل کے سردار تھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح جن کو رسول ﷺ اللہ نے امین الامۃ کا خطاب دیا تھا اور دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے تھی۔ ایک طرف تو فاتحِ شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے، دوسری طرف اسلام کے مقابلے میں پدری اور فرزندی کے جذبات ان پر کچھ اثر نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں جب ان کے باپ اُن کے مقابلے میں آئے تو انہوں نے پہلے حقوقِ ابّوت کی مراعات کی، لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو قربان کر دینا پڑا۔ اُن کی تربیت میں حضرت سعدؓ بن معاذ دیئے گئے جو قبیلۂ اوس کے رئیس اعظم تھے۔ ان میں بھی ایثار کا یہ وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے، بنو قریظہ ان کے حلیف تھے اور عرب میں حلیف کا رشتہ اخوت اور ابویت کے برابر ہوتا تھا، تاہم بنو قریظہ میں جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا تو انہوں نے اپنے چار سو حلیفوں کو اسلام پر نثار کر دیا۔

حضرت بلالؓ اور حضرت ابورُویحہؓ، حضرت سلمانؓ فارسی اور حضرت ابو درداءؓ، حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت حذیفہؓ بن یمان، حضرت مصعبؓ اور حضرت ابوایوبؓ میں وہ وحدت موجود تھی جس کی بدولت نہ صرف شاگرد بلکہ استاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہو سکتا تھا۔

انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائی مہاجروں کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے، تب ہم لینا منظور کریں گے۔

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ نے گھر میں دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ "صرف پانی"۔ آپ ﷺ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کوئی ہے جو اُن کو آج اپنا مہمان بنائے۔ حضرت ابو طلحہ نے عرض کی۔ "میں حاضر ہوں"۔ غرض وہ اپنے گھر لے گئے۔ لیکن بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ انہوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھ دو۔ مہمان تو کھاتا رہا اور یہ جھوٹ موٹ خالی منہ اس طرح چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے

ہیں،اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت اتری ہے: وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔(حشر:9) (اور گوان کو خود تنگی ہو، تاہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں)۔

6.3.1 دینی درسگاہ کا قیام

مسجد کے سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا یہ ان لوگوں کے لیے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے اور مکہ میں جس طرح دارِ ارقم اسلام کی پہلی درسگاہ تھی، اسی طرح مدینہ میں صفہ اسلامی درسگاہ تھی۔

عربی لفظ ''صفۃ'' سائبان کو کہتے ہیں، یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی ﷺ کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا، صحابہؓ میں سے اکثر تو مشاغلِ دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے، اُن میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لیے کچھ کھانا مہیا کرتی۔

یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ) پر ان کا قیام ہوتا۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں سے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہ بند دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکیں، چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ اٹھا کر کھا لیتے، کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ رسول ﷺ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آکر شریکِ نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو اُن کو بلا لیتے اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت ﷺ ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے، یعنی اپنی طاقت کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے، وہ کبھی اسّی اسّی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ ''یہ نہیں ہو سکتا کہ تم کو دوں اور صفہ والے بھوکے رہیں''۔ راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے۔ ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا اس کے ساتھ جا کر پڑھتے۔ اسی بنا پر ان میں سے اکثر ''قاری'' کہلاتے تھے، دعوت اسلام کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے، غزوۂ بئر معونہ میں انہی میں سے ستر (70) آدمی اسلام سکھلانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

تحویل قبلہ کے بعد جب مسجد نبوی ﷺ کا رخ بیت اللہ کی طرف ہو گیا تو قبلہ اول کی طرف دیوار اور اس کے متصل جو جگہ تھی وہ ان فقراء و غرباء کے ٹھہرانے کے لیے بدستور چھوڑ دی گئی کہ جن کے لیے کوئی ٹھکانہ اور گھر بار نہ تھا، یہ جگہ صفہ کے نام سے مشہور تھی۔

صفہ اصل میں سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں ،وہ ضعفاء مسلمین وفقراء شاکرین جو اپنے فقر پر فقط صابر ہی نہ تھے بلکہ امراء اور اغنیاء سے زیادہ شاکر اور مسرور تھے ،جب احادیثِ قدسیہ اور کلماتِ نبویہ سننے کی غرض سے بارگاہِ نبوت ورسالت میں حاضر ہوتے ، تو یہاں ہی پڑے رہتے تھے لوگ ان حضرات کو اصحابِ صفہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اور اصحابِ صفہ اربابِ توکل اور اصحاب تبتل کی ایک جماعت تھی جو لیل ونہار تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم پانے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی، نہ ان کو تجارت سے کوئی مطلب تھااور نہ زراعت سے کوئی سروکار تھا، یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ ﷺ کے دیدار پر انوار کے لیے اور کانوں کو آپ ﷺ کے کلمات قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ ﷺ کی صحبت اور معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی،فقط تہہ بند تھا یا کمبل تھا جس کو اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے اور کمبل بھی اس قدر چھوٹا تھا کہ کسی کی آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا اور کسی کے ٹخنوں تک اور ہاتھ سے اس کو تھامتے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے۔

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اصحابِ صفہ میں تھا۔ ہم میں سے کسی کے پاس ایک کپڑا بھی پورا نہ تھا، پسینہ کی وجہ سے بدن پر میل کچیل جمارہتا تھا۔ جو بارگاہِ خداوندی میں ہزار نظافتوں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ تھا۔ یہ حضرات وہی اشعث واغبر (پراگندہ سر اور گردآلود) تھے کہ اگر خدا پر قسم کھابیٹھتے تھے تو خداان کی قسم کو پورا کرتا تھا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں کہ میں بسااوقات بھوک کی وجہ سے اپنا شکم وسینہ زمین پر لگادیتا۔(تاکہ زمین کی نمی اور برودت سے بھوک کی حرارت میں کچھ خفت آجائے)اور بسااوقات پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا تاکہ سیدھا کھڑا ہو سکوں۔

یک روز سرراہ جاکر بیٹھ گیا،اتنے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے، میں نے ان سے ایک آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیااور غرض یہ تھی کہ وہ میری صورت اور ہیئت کو دیکھ کر کھانا کھلانے کے لیے اپنے ہمراہ لے جائیں، لیکن ابو بکرؓ چلے گئے(غرض کو سمجھے نہیں)۔

اسی طرح پھر حضرت عمرؓ گزرے،ان سے بھی اسی طرح آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیا مگر وہ بھی گزرے چلے گئے۔

کچھ دیر بعد ابوالقاسم ا (جن کو خداوند ذوالجلال نے خیرات وبرکات کا قاسم تقسیم کرنے والا ہی بناکر بھیجا تھا) ادھر سے گزرے، دیکھتے ہی پہچان گئے اور مسکرائے اور فرمایا اے ابوھر میں نے عرض کیا، یا رسول ﷺ اللہؐ میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ چلے آو، میں آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا، آپ ﷺ گھر پہنچے، دیکھا تو ایک پیالہ میں دودھ رکھا ہے، دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا، گھر والوں نے کہا فلاں نے آپ ﷺ کو یہ ہدیہ بھیجا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اے ابوہریرہ اصحابِ صفہ کو بلالاؤ''۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اصحابِ صفہ اسلام کے مہمان تھے، نہ ان کا گھرانہ اور نہ ان کے پاس کچھ مال تھا، غرض یہ کہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپ ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو اصحابِ صفہ کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے، اس لیے کہ

صدقہ آپ ﷺ پر حرام تھااور اگر ہدیہ آتا تو خود بھی اس میں سے کچھ تناول فرماتے اور اصحابِ صفہ کو بھی اس میں شریک کرتے۔اس وقت آپ ﷺ کا یہ حکم دینا کہ اصحابِ صفہ کو بلالاؤ، میرے نفس کو کچھ شاق گزرااور اپنے دل میں کہا کہ کیا یہ ایک پیالہ دودھ اصحاب صفہ کے لیے کافی ہوگا؟ اس دودھ کا تو سب سے زیادہ حقدار میں تھا کہ کچھ پی کر طاقت اور توانائی حاصل کرتا پھر یہ کہ اصحابِ صفہ کے آنے کے بعد مجھ ہی کو اس کی تقسیم کا حکم دیں گے اور تقسیم کے بعد یہ امید نہیں کہ میرے لیے اس میں سے کچھ بچ جائے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔

چنانچہ اصحابِ صفہ کو بلا کر لایا اور آپ ﷺ کے حکم سے ایک ایک کو پلانا شروع کیا، سب سیراب ہو گئے تو آپ ﷺ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ صرف میں اور تو باقی رہ گئے، میں نے عرض کیا، بالکل درست ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پینا شروع کرو، میں نے پینا شروع کیا اور آپ ﷺ برابر یہ فرماتے رہے اور پیو اور پیو یہاں تک کہ میں بول اٹھا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا اب بالکل گنجائش نہیں، آپ ﷺ نے پیالہ ہاتھ سے لے لیا اور اللہ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر جو باقی تھا، اس کو پی لیا۔

عبدالرحمن بن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ اصحابِ صفہ فقیر تھے، رسول اللہ ﷺ ان کو صحابہ پر تقسیم فرمادیتے کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ ایک کو اور جس کے پاس تین کا ہو وہ چوتھے کو اپنے ہمراہ لے جائے۔ محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اصحابِ صفہ کو لوگوں پر تقسیم فرمادیتے، کوئی دو کو لے جاتا اور کوئی تین کو اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اسّی اسّی آدمی اپنے ہمراہ لے جاتے اور ان کو کھانا کھلاتے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اہلِ صفہ میں تھا، جب شام ہوتی تو ہم سب آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے، آپ ﷺ ایک ایک دو دو کو اغنیاء صحابہ کے سپرد فرمادیتے اور جو باقی رہ جاتے، ان کو اپنے ساتھ شریک طعام فرماتے، کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ شب کو مسجد میں سو جاتے۔

مسجد نبوی ﷺ کے دو ستونوں میں ایک رسّی بندھی رہتی تھی، جس پر انصار اپنے باغات سے خوشے لالا کر اصحابِ صفہ کے لیے لٹکادیتے تھے، اصحابِ صفہ ان کو لکڑیوں سے جھاڑ کر کھاتے، معاذ بن جبلؓ ان کے منتظم اور نگران تھے۔ عوف بن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول ﷺ برآمد ہوئے اور دستِ مبارک میں عصا تھا، دیکھا کہ ایک خراب خوشہ لٹکا ہوا ہے، آپ نے اس خراب خوشہ پر عصا لگا کر فرمایا کہ اگر یہ صدقے والا چاہتا تو اس سے بہتر خوشہ صدقہ میں لا سکتا تھا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہر باغ والا ایک ایک خوشہ لا کر مساکین کے لیے مسجد میں لٹکائے۔اور جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: (فی کل عشرة اقناء قنویوضع فی المسجد للمساکین) "ہر دس خوشوں میں سے ایک خوشہ لا کر مسجد میں مساکین کے لیے رکھا جانا ضروری ہے"۔اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ بھوکوں اور پیاسوں کیلئے مسجد میں پانی اور اشیاء خوردنی کا لاکر رکھنا نہایت پسندیدہ اور مستحسن ہے۔

عبداللہ بن شقیقؒ کہتے ہیں کہ میں ایک سال ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، ایک دن فرمانے لگے کاش تو ہمارا وہ زمانہ بھی دیکھتا کہ

جب کئی کئی دن ہم پر ایسے گزرتے تھے کہ اتنا کھانا بھی میسر نہ آتا تھا جس سے ہم کمر ہی سیدھی کر لیں، یہاں تک کہ مجبور ہو کر پیٹ سے پتھر باندھتے تاکہ کمر سیدھی ہو سکے۔

فضالہ بن عبیدؓ سے مروی ہے کہ بسااوقات اصحابِ صفہ بھوک کی شدت کی وجہ سے عین حالتِ نماز میں بیہوش ہو کر گر جاتے، باہر سے اگر کوئی اعرابی اور بدوی آتا تو ان کو دیوانہ اور مجنون سمجھتا۔ رسول ﷺ ان کے پاس آتے اور ان الفاظ میں ان کو دلاسا اور تسلی فرماتے: (لوتعلمون مالک عندالله لاحببتم ان تزدادوا فقراوحاجة)۔ ''اگر تم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے کیا تیار ہے تو البتہ تم تمنا کرتے کہ ہمارا یہ فقر اور فاقہ اور بڑھ جائے''۔

احادیث میں ان حضرات کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ اس طرح سے ہیں: عیاض بن غنمؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے چیدہ اور پسندیدہ اور رفیع المرتبت افراد وہ ہیں کہ جن کے متعلق مجھ کو ملاءِ اعلیٰ (ملائکہ مقربین) نے یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگ ظاہر میں خدائے عزوجل کی رحمت واسعہ کا خیال کر کے ہنستے ہیں اور دل ہی دل میں خداوند ذوالجلال کے عذاب وعقاب کی شدت کے خوف سے روتے رہتے ہیں، صبح وشام خدا کے پاکیزہ اور پاک گھرانوں یعنی مسجدوں میں خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

زبانوں سے خدا کو رغبت اور رہبت (امید اور خوف) کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں اور دلوں سے اس کی لقاء کے مشتاق ہیں، لوگوں پر ان کا بار نہایت ہلکا اور خود ان کے نفوس پر وہ نہایت بھاری اور گراں، زمین پر پاپیادہ نہایت آہستگی اور سکون کے ساتھ چلتے ہیں، اکڑتے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے، چیونٹی کی چال چلتے ہیں، یعنی ان کی رفتار سے تواضع اور مسکنت ٹپکتی ہوتی ہے۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہنتے ہیں، ہر وقت خداوند ذوالجلال کے زیر نگاہ رہتے ہیں، خدا کی آنکھ ہر وقت ان کی حفاظت کرتی ہے، روحیں ان کی دنیا میں ہیں اور دل ان کے آخرت میں، آخرت کے سوا ان کو کہیں کا فکر نہیں، ہر وقت آخرت اور قبر کی تیاری میں ہیں۔ اصحابِ صفہ کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی، عارف سہروردیؒ نے عوارف میں لکھا ہے کہ اصحابِ صفہ کی تعداد چار سو تک بھی پہنچی ہے۔

ابوعبدالرحمن سلمی، ابن اعرابی اور حاکم نے ان کے اسماء واحوال جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں سب کو جمع کر دیا اور زہاد صحابہ اور اصحابِ صفہ کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔ ان میں سے بعض حضرات کے نام حسبِ ذیل ہیں:. 1 ابوعبیدہ عامر بن الجراحؓ، .2 عمار بن یاسر ابوالیقظانؓ، .3 عبداللہ بن مسعودؓ، .4 مقداد بن عمروؓ، .5 خباب بن ارتؓ، .6 بلال بن رباحؓ، .7 صہیب بن سنانؓ، .8 زیدؓ بن الخطاب (یعنی عمر بن الخطابؓ کے بھائی)، .9 ابومرثد کناز بن حصین عدویؓ، .10 ابوکبشہ مولی رسول ﷺ، .11 صفوان بن بیضاؓ، .12 ابوعبس بن جبرؓ، .13 سالم مولی ابوحذیفہؓ، .14 مسطح بن اثاثہؓ، .15 عکاشہ بن محصنؓ، .16 مسعود بن ربیعؓ، .17 عمیر بن عوفؓ، .18 عویم بن ساعدہؓ، .19 ابولبابہؓ، .20 سالم بن عمیرؓ، .21 ابوبشر کعب بن عمروؓ، .22 خبیب بن یسافؓ، .23 عبداللہ بن انیسؓ، .24 جندب بن جنادہ ابوذر غفاریؓ، .25 عتبہ بن مسعود ہذلیؓ، .26 ثابت بن ودیعہؓ، .27 سلمان فارسیؓ، .28 حذیفہ بن الیمانؓ، .29 ابوالدرداء عویمر بن عامرؓ، .30 عبداللہ بن زید جہنیؓ، .31 حجاج بن عمرو اسلمیؓ، .32 ابوہریرہ دوسیؓ، .33 ثوبان مولی رسول ﷺ، .34 معاذ بن الحارثؓ، .35 سائب بن خلادؓ، .36 عبداللہ بن عمرؓ (نکاح سے پہلے ابن عمر اہلِ صفہ کے ساتھ رہتے تھے اور انہی کے ساتھ مسجد میں شب گزارتے تھے)۔

معلومات کی جانچ

- مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کس سن ہجری میں کی گئی؟
- مواخات کسے کہتے ہیں؟

6.4 تحویل قبلہ کا واقعہ

تحویل قبلہ کا حکم رجب یا شعبان 2ھ میں نازل ہوا۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ وسلم بشر بن براء بن معرورؓ کے ہاں دعوت پر گئے ہوئے تھے۔ وہاں ظہر کا وقت ہو گیا اور لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ دو رکعتیں مکمل ہو چکیں تھیں اور تیسری رکعت کے دوران یکایک وحی کے ذریعے سورہ بقرہ کی آیت: فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ ترجمہ: سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں پس اب اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیے نازل ہوئی اور تحویل قبلہ کا حکم ہوا اور اسی وقت آپ ﷺ اور آپ کی اقتدا میں تمام لوگ بیت المقدس سے کعبے کی طرف رخ بدل لیا۔ ظہر کی نماز کے بعد مدینہ اور اطراف مدینہ میں اس کی عام منادی کی گئی۔

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں جب نماز فرض ہوئی اس وقت قبلہ بیت اللہ تھا یا بیت المقدس، اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کی رائے مختلف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ ابتداء ہی سے قبلہ بیت المقدس تھا جو ہجرت کے بعد بھی سولہ سترہ مہینہ تک باقی رہا، اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے احکام نازل ہو گئے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کا عمل مکہ مکرمہ میں یہ رہا کہ آپ حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز پڑھتے تھے؛ تاکہ بیت اللہ بھی سامنے رہے اور بیت المقدس کا بھی استقبال ہو جائے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد یہ ممکن نہ رہا۔

دوسرے قول کے مطابق جب نماز فرض ہوئی تو مکہ مکرمہ میں بھی مسلمانوں کا ابتدائی قبلہ بیت اللہ ہی تھا؛ کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ اسماعیلؑ کا قبلہ بھی بیت اللہ ہی رہا تھا اور نبی ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے بیت اللہ ہی کی طرف نماز پڑھتے رہے، پھر ہجرت کے بعد آپ کا قبلہ بیت المقدس قرار دیا گیا اور مدینہ منورہ میں سترہ مہینے آپ نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، اس کے بعد پھر آپ کا جو پہلا قبلہ تھا یعنی بیت اللہ اسی کی طرف نماز میں توجہ کرنے کا حکم آ گیا۔

اس دوسرے قول کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد چوں کہ مدینہ میں یہودی قبائل آباد تھے اور یہود کے ساتھ ساتھ عیسائی بھی بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے عبادت کرتے تھے۔ اس لیے نبی ﷺ نے ان کو مانوس کرنے کے لیے اللہ کے حکم سے ان ہی کا قبلہ اختیار کر لیا، مگر یہود کی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اصل قبلہ یعنی بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم نازل کر دیا۔ اور نبی ﷺ کو بھی بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی دلی خواہش تھی کیوں کہ وہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا تعمیر کردہ پہلا اللہ کا گھر تھا اور تمام دنیا کے لوگ اس کی طرف حج کے لیے آتے تھے۔

6.5 اذان کی ابتداء

اللہ کے رسول ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایک مسئلہ یہ درپیش تھا کہ مسلمانوں کو عبادت کے لیے کس طرح جمع کیا جائے کیوں کہ یہاں مکہ جیسے تو حالات نہیں تھے کہ وہاں عبادات چھپ کر ہی کی جاتی تھیں یہاں تو عبادات کی جو روح ہے وحدت واجتماع اس پر عمل آسان تھا۔ لیکن کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا کوئی انتظام نہ تھا لوگ وقت کا اندازہ کر کے آتے تھے اور نماز پڑھ کر چلے جاتے تھے۔ کیوں کہ اب مسجد نبوی تو تعمیر ہو چکی تھی لیکن ایسا کوئی انتظام نہ تھا کہ صحابہ کو جمع کر کے نماز ادا کر لی جائے، آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں۔ جو نماز کا وقت ہونے پر لوگوں کو گھروں سے بلا لایا کریں لیکن اس میں زحمت تھی بالآخر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر مشورہ کیا، صحابہؓ نے مختلف آراء پیش کیں کسی نے کہا کہ نماز کے وقت مسجد میں ایک علم کھڑا کر دیا جائے لوگ اُسے دیکھ کر آجایا کریں، آپ ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا کسی نے ناقوس بجانے کی رائے دی وہ بھی ناپسند ٹھہری کسی نے یہود اور عیسائیوں کے طریق کو اختیار کرنے کی صلاح دی، آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرما کر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا اس لیے کہ اس سے ایک طرف تو نماز کے وقت کی اطلاع ہو رہی تھی اور دوسری طرف دن میں پانچ مرتبہ دعوت اسلام کا اعلان بھی ہو رہا تھا۔ غرض یہ کہ ہجرت کرنے کے بعد پہلے ہی سال میں جو امور انجام دیئے گئے ان میں سے ایک اذان کی ابتداء بھی ہے۔

6.6 میثاق مدینہ

سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی طرف توجہ صرف فرمائی وہ شہر مدینہ کا امن وامان اور باشندگان مدینہ کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا تھا کیوں کہ وقت امن میں جو امور انجام دیے جاتے ہیں وہ دیرپا ہوتے ہیں۔ ان اقدامات میں سے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ہجرت فرمانے کے بعد کیے ہیں ان میں سے ایک اہم قدم یہ ہے کہ آپ نے تمام باشندگان مدینہ کے درمیان جن میں یہود، مشرکین سب ہی شامل تھے ایک عہد نامہ مرتب فرمایا اس پر سب نے ہی خوشی بخوشی دستخط کیے اس پہلے معاہدہ میں جو اہم ترین قرار دیں تھیں ان کی تفصیل اس طرح سے ہے:

1. خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔
2. یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔
3. یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
4. یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
5. کوئی بھی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔
6. مدینہ پر اگر کوئی حملہ ہو گا تو دونوں فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
7. کسی دشمن سے ایک فریق اگر صلح کریگا تو دوسرا فریق بھی شریک صلح ہو گا لیکن مذہبی جنگ اس سے مستثنیٰ ہو گی۔

8. باشندگان مدینہ میں کوئی شخص کسی دوسرے کے دین ومذہب اور جان ومال سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔

9. باشندگان مدینہ میں کوئی دو فریق اگر کسی بات پر آپس میں جھگڑا کریں گے اور خود صلح نہ کر سکیں تو اس کا ناطق فیصلہ آپ ﷺ صادر فرمائیں گے جس سے کسی کو انحراف وانکار نہ ہوگا۔

10. اگر جنگ پیش آگئی تو اس کے مصارف اور فوائد میں تمام باشندگان مدینہ برابری کے ساتھ شریک ہوں گے۔ ایسے ہی اگر مدینہ کے یہود کا کسی قبیلہ سے معاہدہ ہے تو مسلمان بھی اس کا لحاظ رکھیں گے ایسے ہی اس کا برعکس کہ اگر مسلمانوں کا کسی سے معاہدہ ہے تو یہود مدینہ بھی اس کا ایسے ہی پاس ولحاظ رکھیں گے۔ نیز مدینہ کے اندر کشت وخون حرام سمجھا جائے گا اور مظلوم کی مدد سب پر فرض ہوگی۔

یہود اس چیز کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائیں جب اللہ کے رسول مدینہ تشریف لائے تو یہ اہم ترین امر انجام دیا کہ مسلمان اور یہودیوں کے تعلقات منضبط ہو جائیں اس لیے آپ ﷺ نے انصار اور یہود کو بلا کر مذکورہ بالا شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کر لیا۔ اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد اللہ کے رسول نے یہ کوشش فرمائی کہ مدینہ کے ارد گرد رہنے والے قبائل کو بھی اس معاہدہ میں شامل کر لیا جائے تاکہ بدامنی اور آئے دن کی خونریزی کا مکمل طور پر استیصال ہو جائے۔ ابھی تمام قبائل اس میں شامل بھی نہ ہوئے تھے کہ مدینہ کے اندر خفیہ اور باہر سے علانیہ حملے شروع ہو گئے۔ جس میں ایک اہم منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کا ہم یہاں تذکرہ کرتے ہیں۔

مدینہ میں ایک شخص عبدالرحمن بن ابی بن سلول بہت عقل مند، تجربہ کار، ہوشیار اور چالاک شخص تھا۔ اوس اور خزرج کے تمام قبائل پر اس کا اثر تھا۔ لوگ اس کی سرداری کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے تھے۔ قبائل اوس وخزرج چند روز پیشتر جنگ بعاث میں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو کر اور اپنے بہت سے بہادروں کو قتل کرا کر کمزور ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن ابی نے اس حالت سے فائدہ اٹھانے اور دونوں قوموں میں اپنی مقبولیت کو بڑھانے میں کوتاہی نہیں کی۔ مدینہ والے ارادہ کر رہے تھے کہ عبداللہ بن ابی کو تمام مدینہ کا افسرِ اعلیٰ یا بادشاہ بنالیں اور ایک عظیم الشان جلسہ ترتیب دے کر اس میں باقاعدہ طور پر عبداللہ بن ابی کی سرداری کا اعلان کر دیں۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی کے لیے ایک تاج بھی بنوالیا گیا تھا۔ اسی دوران میں مدینہ کے اندر اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام داخل ہوئے۔

آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لے آنے کے بعد مدینہ میں مسلمان سب سے بڑی طاقت سمجھے جانے لگے۔ اور بالآخر مسلمانوں کو فوقیت وافسری کو مذکورہ بالا عہد نامہ پر دستخط کر کے سب نے تسلیم کر لیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ عبداللہ بن ابی کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور اس کی بادشاہت وسرداری خاک میں مل گئی۔ چوں کہ وہ بڑا چالاک وہوشیار آدمی تھا۔ آنحضرتؐ کو اگرچہ اپنا رقیب اور دشمن سمجھتا تھا لیکن اس دشمنی کے اظہار کو غیر مفید سمجھ کر اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا۔ قبائل اوس اور قبائل خزرج میں جو لوگ ابھی تک بُت پرست تھے وہ عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے۔ قریشِ مکہ کو جب معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ اور ان کے رفقاء مدینہ میں پہنچ کر اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے اور مذہب اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے تو انہوں نے سب سے پہلی شرارت اور شیطانی سازش یہ کی کہ عبداللہ بن ابی اور مشرکین

مدینہ کے پاس ایک تہدید آمیز پیغام بھیجا کہ تم نے ہمارے آدمی کو ہماری مرضی کے خلاف اپنے یہاں ٹھہرالیا ہے مناسب یہ ہے کہ تم اُس سے لڑو اور اپنے شہر سے نکال دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کریں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے۔ تمہاری عورتوں پر متصرف ہو جائیں گے۔ اس پیغام کے پہنچنے پر عبداللہ بن ابی نے تمام مشرکوں کو جمع کیا اور مکہ والوں کے اس پیغام سے مطلع کر کے سب کو لڑائی پر آمادہ کر دیا۔ اتفاقاً آنحضرت ؐ کو اس مجلس اور اس سازش کا حال معلوم ہوا۔ آپ ﷺ فوراً اس مجمع میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ قریش مکہ نے تم کو دھوکا دینا چاہا ہے، اگر تم ان کی دھمکی اور دھوکے میں آگئے تو بہت نقصان اُٹھاؤ گے۔ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم ان کو صاف جواب دے دو اور اپنے عہد و قرار پر جو ہمارے ساتھ ہو چکا ہے، قائم رہو۔ اگر قریش نے مدینہ پر حملہ کیا تو ہم کو ان کا مقابلہ کرنا اور لڑنا بہت آسان ہو گا۔ کیوں کہ ہم سب متفقہ طور پر اُن کے سامنے آئیں گے۔ لیکن اگر تم مسلمانوں سے لڑے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بیٹوں، بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کرو گے اور برباد ہو جاؤ گے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ بات سن کر مجمع نے تائید کی اور اُسی وقت تمام مجمع منتشر ہو گیا۔

6.7 فرہنگ

مواخات: بھائی چارہ　　　میثاق: قانونی معاہدہ(Charter)

استیصال: کسی چیز کو جڑ سے ختم کرنا(Suppression)

6.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد ہم نے درج ذیل نکات سیکھے:

- جب مکہ کی سرزمین پر مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستایا جانے لگا نیز ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا تب اللہ کے رسول نے صحابہ کو ہجرت کی اجازت دیدی۔ آپ ﷺ نے نبوت کے تیرھویں سال بحکم الٰہی ہجرت فرمائی۔
- مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں سات ماہ رہے۔
- مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چندروزہ انتظام ہو جائے لیکن در حقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔
- نبی ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی طرف توجہ صرف فرمائی وہ شہر مدینہ کا امن و امان اور باشندگان مدینہ کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا تھا۔
- نبی ﷺ کے مدینہ تشریف لے آنے کے بعد مدینہ میں مسلمان سب سے بڑی طاقت سمجھے جانے لگے۔
- اصحاب صفہ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ) پر پڑے رہتے۔

- پہلے ہجری سال کے اہم امور مسجد نبوی کی تعمیر،اذان کی شروعات، رشتہ مواخات، یہود سے معاہدہ ہے۔

6.9 نمونۂ امتحانی سوالات

6.9.1 معروضی جوابات کے کے متقاضی سوالات

1. عشرہ مبشرہ میں شامل ان صحابی کانام بتایئے جن کو حضرت عمرؓ سید المسلمین کہتے تھے؟

(a). حضرت سعید (b). حضرت عبدالرحمن بن عوف (c). سعد بن عبادہ (d). حضرت علیؓ

2. تحویل قبلہ کا واقعہ کہاں پیش آیا؟

(a). مسجد قبہ (b). بشر بن براءؓ کے گھر (c). مسجد نبوی ﷺ (d). سعد بن معاذ کے گھر

3. نبی ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے زمیں کس سے خریدی تھی؟

(a). مدینہ کے تاجر (b). ابوایوب انصاریؓ (c). حضرت ابو بکرؓ (d). سہل و سہیل

4. ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کس کے مہمان ہوئے تھے؟

(a). حضرت مقدادؓ (b). حضرت ابوذر غفاریؓ (c). حضرت ابوایوب انصاریؓ (d). حضرت کلثومؓ

5. رشتہ مواخات کب قائم ہوا تھا؟

(a). 1. ہجری میں (b). 2 ہجری میں (c). 3 ہجری میں (d). 4 ہجری میں

6. منافقوں کا سردار کسے کہا جاتا ہے؟

(a). ابوسفیان (b). ابوجہل (c). عبداللہ بن ابی (d). عتبہ بن ربیعہ

7. مدینہ میں اذان کی جب شروعات ہوتی تو پہلی اذان کس نے دی تھی؟

(a). عمر فاروقؓ (b). ابوذر غفاریؓ (c) بلالؓ (d). ابی ابن کعبؓ

8. مدینہ جا کر آپ ﷺ نے جو پہلا معاہد کیا تھا اس میں مسلمانوں کے ساتھ کون شریک تھے؟

(a). صرف یہودی (b). صرف نصرانی (c). صرف مشرکین (d). سبھی

9. رشتہ مواخات درج ذیل میں سے کن کے گھر منعقد ہوا تھا؟

(a). ابوایوب انصاریؓ (b). مالک بن عوفؓ (c). انس بن مالکؓ (d). سعد بن معاذؓ

10. مسجد نبوی ﷺ کی زمین کی قیمت کس نے ادا کی تھی؟

(a). عثمان غنیؓ (b). ابو بکر صدیقؓ (c). ابوایوب انصاریؓ (d). ابوذر غفاریؓ

6.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. عبداللہ بن ابی بن سلول کو اللہ کے رسول سے حسد کیوں تھا؟ بیان کیجیے۔
2. اللہ کے رسول ﷺ نے قباء میں مسجد کی بنیاد ڈالی۔اس عبارت پر روشنی ڈالیے۔
3. اقامت نماز کے لیے اذان کی ابتداء پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. مسجد نبوی کی تعمیر پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
5. مدینہ پہنچنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا اس کا مقصد کیا تھا؟ بیان کیجیے۔

6.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. رشتہ مواخات پر ایک وضاحتی نوٹ لکھیے۔
2. مدینہ پہنچنے کے بعد یہود سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کی شرائط وضاحت سے لکھیے۔
3. سفر ہجرت پر ایک تفصیلی نوٹ تحریر کیجیے۔

6.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

---

1. سیرۃ النبی : علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، جلد اول
2. تاریخ اسلام (جلد اول) : شاہ اکبر خاں صاحب نجیب آبادی
3. سیرۃ المصطفیٰ (جلد دوم) : مولانا محمد ادریس کاندھلوی
4. محمد عربی : مولانا عنایت اللہ سبحانی
5. رحمۃ للعالمین : قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

معروضی سوالات کے جوابات:

1. A	2. B	3. D	4.C	5. A
6. C	7. C	8. D	9. C	10.C

اکائی 7: اہم غزوات (بدر، احد، خندق)

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقصد

7.2 غزوہ بدر (رمضان 2ھ مطابق 624ء)

7.2.1 غزوہ سویق

7.3 غزوہ احد (شوال 3ھ مطابق 625ء)

7.3.1 ایسے غزوات جن میں جنگ کی نوبت نہیں آئی

7.4 غزوۂ احزاب/غزوہ خندق (5ھ مطابق 627ء)

7.5 غزوہ بنو مصطلق

7.6 فرہنگ

7.7 اکتسابی نتائج

7.8 نمونۂ امتحانی سوالات

7.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

7.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

7.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

غزوہ/غزوۃ عربی لفظ ہے اور غزوات اس کی جمع ہے۔ لغت میں غزوہ کا معنی قصد کرنا ہے۔ اصطلاحی طور پر غزوہ وہ لڑائی ہے جس میں

نبی ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی ہو۔ اگر آپ ﷺ کے دور کی کسی لڑائی میں نبی ﷺ شامل نہ ہوں، تو اس کو "سریہ" یا "بعثہ" کہا جاتا ہے۔ اس اکائی میں ابتدائے اسلام کی بعض مشہور غزوات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں غزوات کے پیش آنے کے اسباب اس کے نتائج اور نبی ﷺ کی جنگی حکمت عملی اور مہارت نیز صحابہ کرامؓ اجمعین کے دوران جنگ کمالات اور جاں فشانی پر گفتگو کی جائے گی۔

7.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ

- اسلامی لڑائیوں کا مقصد لڑنا نہیں بلکہ قیام امن، دفاع اور تحفظ تھا۔
- آپ ﷺ کے زمانے کی جنگیں اور غزوات انسانی تاریخ میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں۔
- دوران جنگ اور بعد جنگ ایسے زریں اصول اختیار کیے گئے جن کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

7.2 غزوہ بدر (رمضان 2ھ مطابق 624ء)

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ ستر (70) میل ہے۔ نبی کریم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے اور یہاں صحابہ کرام کو ساتھ لے کر جہاں ایک طرف اسلامی ریاست کی مضبوطی اور اس کے استحکام کے لیے جدوجہد کر رہے تھے وہیں دوسری طرف قریش مکہ کی فتنہ انگیزیوں سے بھی محتاط تھے اس لیے کہ کفار قریش کے لیے یہ بھی پریشانی کا سبب تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ میں سکون کیوں ہے اور مسلمانوں کی تعداد کیوں کر بڑھ رہی ہے۔ اس بڑھتی تعداد کو روکنے کے لیے اور مسلمانوں کا استیصال کرنے کے لیے قریش نے ایک جنگ کا فیصلہ کیا جس کے مصارف کے لیے ابوسفیان کے زیر سرپرستی ایک تجارتی قافلہ ملک شام کو روانہ ہوا جس میں 50 ہزار دینار کی پونجی لگائی گئی تھی جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی حصہ لیا تھا گویا کہ مکہ کے تمام ہی لوگوں نے اس میں اپنا سرمایہ لگایا تھا اور یہ بات طے تھی کہ اس تجارتی قافلہ سے حاصل ہونے والا سارا نفع مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی جنگ میں لگایا جائے گا۔

آپ ﷺ کو جب اس قافلہ کی واپسی کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر اس بات کا اظہار فرمایا اور مکہ کے لوٹنے والے اس قافلہ کو بغرض تنبیہ روکنے کا فیصلہ کیا تا کہ آئندہ قریش کو مسلمانوں کے خلاف ناپاک عزائم کی جرأت نہ ہو اور ان کو یہ اندازہ ہو جائے کہ مدینہ سے معاملات خراب کر کے ان کے لیے تجارت مشکل ہو جائے گی اور شام جو اس زمانہ میں تجارت کی منڈی تھی اس تک پہنچنا ان کے لیے مشکل ہو جائے گا گویا اس قافلہ کو روکنے کا مدعا تخویف وتادیب تھا۔

امیر قافلہ ابوسفیان کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے دو کام کیے اول یہ کہ اس نے یہ خبر مکہ میں پہنچوا دی کہ مسلمان ہمارے قافلہ کو لوٹنا چاہتے ہیں دوم اپنا راستہ بدل دیا اس خبر کے مکہ پہنچتے ہی ابوجہل مکہ سے تقریباً ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلا جس میں 700 اونٹ اور 300 گھوڑے تھے اور یہ لشکر ہر طرح کے سامان جنگ سے لیس تھا۔ جب قریش کا وہ تجارتی قافلہ بچ کر مکہ پہنچ گیا تو ابوسفیان نے ابوجہل کے

پاس خبر بھیجی کہ ہم مکہ پہنچ گئے ہیں اب واپس چلے آؤ ابو جہل اپنے لشکر پر مغرور تھا اس نے یہ گوارانہ کیا کہ واپس ہو بلکہ مسلمانوں کے استیصال کی ٹھان لی اور آگے بڑھتا رہا۔

قریش کے اس لشکر کا علم جب رسول اکرم ﷺ کو ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ مکہ کے لوگوں نے اپنے جگر گوشے تمہاری طرف بھیجے ہیں ان کا مقابلہ کرنے سے متعلق تمہاری کیارائے ہے۔ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت مقدادؓ نے نہایت شجاعت اور بہادری کے کلمات کہے اور تیسری مرتبہ کے دریافت کرنے پر حضرت سعدؓ نے انتہائی ولولہ انگیز جملے فرمائے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کو مکمل اطمینان ہو گیا تو آپ ﷺ نے مدینہ سے روانگی کا حکم دیا اور باہر آکر جب گنتی کی گئی تو یہ تعداد 313 تھی جس میں صرف دو گھوڑے اور 70 اونٹ تھے۔ یہ اسلامی لشکر جب مقام بدر پر پہنچا تو دیکھا کہ کفار پہلے سے ہی بلند مقام پر خیمہ زن ہیں مسلمانوں کو پست اور ریتیلی زمین پر ہی خیمہ لگانا پڑا۔ 17ء رمضان کو دونوں طرف سے صفیں آراستہ ہوئی، اللہ کے رسول ﷺ نے خود مسلمانوں کی صفوں کو درست فرمایا اور اس کے بعد لشکر کفار کی طرف سے مبارزت طلب کی گئی اولاً تین انصاری صحابہ میدان میں آئے مگر کفار نے مہاجرین میں سے مبارزت طلب کی چنانچہ حضرت علیؓ کے ساتھ دوسرے دو مہاجر میدان میں آئے اور پھر اس کے بعد طرفین سے لڑائی شروع ہو گئی اور فریقین نے فتح وغلبہ کے لیے جان کی بازی لگادی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چودہ (14) مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ جن میں (6) مہاجر اور (8) انصار تھے۔ جب کہ سرداران قریش کو شامل کرتے ہوئے کفار مکہ کے (70) بہادر قتل ہوئے اور تقریباً اتنی ہی تعداد قیدی بنائی گئی۔

قیدیوں کے ساتھ معاملہ

قیدی جب مدینہ میں پہنچ گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرما کر حکم دیا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ اس کے بعد اسیرانِ جنگ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ میری تو یہ رائے ہے کہ ان قیدیوں کے اندر ہم میں سے جو جس کا عزیز ہے وہی اس کو قتل کرے تا کہ مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں اللہ ورسول ﷺ کی محبت قرابت داری کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور اسلام کے مقابلے میں تمام رشتے ہیچ ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میری رائے یہ ہے کہ فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے تا کہ مسلمانوں کو کچھ مالی امداد پہنچے اور مسلمان اپنا ساز وسامانِ جنگ درست کر سکیں اور ممکن ہے کہ ان اسیروں میں سے اکثر کو دینِ اسلام کے قبول کر لینے کی توفیق بھی میسر ہو۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔

اس فیصلے کے بعد زر فدیہ طےَ کیا گیا جو کہ قیدیوں کی معاشی صورت حال کے پیش نظر فی کس چار ہزار درہم سے ایک ہزار درہم تک مقرر کیا گیا۔ جو فدیہ ادا کر سکتے تھے ان کا فدیہ مکہ والوں نے بجھوا کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھڑا لیا۔ بعض قیدیوں کو بلا فدیہ لیے ہوئے ویسے ہی چھوڑ دیا گیا اور جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور زر فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے، ان سے کہا گیا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، اور آزاد ہو جائیں۔

ان قیدیوں میں ایک شخص ابوعزیزبن عمیر بھی تھا جو لشکرِ کفار کا علمبردار اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کا حقیقی بھائی تھا۔

ابوعزیز کا بیان ہے کہ جب مجھے بدر سے گرفتار کر کے مدینہ کی طرف لا رہے تھے تو میں انصاریوں کی ایک جماعت کے زیرِ حراست تھا۔ یہ انصاری جب کھانا کھانے بیٹھتے تو روٹی مجھے دیتے اور خود کھجوریں کھا کر گذارا کر لیتے۔ میں شرما کر روٹی ان میں سے کسی کو دیتا تو وہ پھر مجھی کو واپس کر دیتا۔ مدینہ میں پہنچ کر ابوعزیز ابی یسر انصاریؓ کے حصے میں آیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ ابی یسر انصاریؓ سے کہنے لگے کہ اس کو خوب حفاظت سے رکھنا اور اس پر سختی کرنا کیونکہ اس کی ماں بڑی مالدار ہے۔ اس سے معقول فدیہ ملے گا۔ ابوعزیز نے یہ دیکھ کر کہ میرا حقیقی بھائی میرے محافظ کو سختی کرنے کی تاکید کر رہا ہے۔ کہا کہ بھائی صاحب! کیا آپ میرے لیے یہی خیر خواہی کر رہے ہیں؟ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا کہ اب تو میرا بھائی نہیں ہے۔ میرا بھائی یہ شخص ہے جس کے قبضہ میں تم ہو۔ ابوعزیز کی ماں نے چار ہزار درہم بھیج کر ابوعزیز کو رہائی دلوائی۔ جنگ بدر میں مشرکوں کے شکست پانے کی خبر جب مکہ پہنچی تو جس طرح کفار کو رنج و ملال ہوا اُسی طرح اُن چند مسلمانوں کو جو مکہ میں رہ گئے تھے اور اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، بے حد مسرت وخوشی حاصل ہوئی۔ ابولہب کسی وجہ سے اس جنگ میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ اس نے جب مکہ کے تمام بڑے بڑے سرداروں کے مقتول اور اہل مکہ کے شکست یاب ہونے کی خبر سنی تو اس کے دل پر ایسا دھکا لگا کہ چند دن بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی بیٹی زینبؓ ابھی تک مکہ ہی میں اپنے شوہر ابوالعاص کے یہاں تھیں۔ ابوالعاص بھی ان قیدیوں میں شامل تھے۔ حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار اُتار کر ابوالعاص کے فدیہ میں بھیج دیا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ مناسب سمجھو تو زینبؓ کا ہار اس کو واپس کر دو۔ کیونکہ یہ اس کی ماں خدیجہؓ کی یادگار اس کے پاس ہے۔ لوگوں نے بخوشی اس بات کو قبول کیا۔ اور حضرت ابوالعاصؓ کو اس شرط پر رہا کیا کہ وہ مکہ جا کر حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے مکہ لوٹنے کے بعد حضرت زینبؓ کو مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس بجھوا دیا۔ ابوالعاصؓ اس واقعہ کے چھ برس بعد مسلمان ہو گئے تھے۔

مکہ میں اس شکست کے بعد مقتولین کے ورثاء نے بلند آواز سے نوحہ وزاری نہیں کی۔ کیونکہ اس سے مسلمان خوش ہوتے۔ صفوان بن امیہ نے جس کا باپ امیہ اور بھائی علی دونوں بدر میں مارے گئے تھے۔ عمیر بن وہب کو خفیہ طور پر آمادہ کیا کہ مدینہ میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرے۔ عمیر بن وہب زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مکہ سے چل کر مدینہ میں پہنچے تو حضرت عمرؓ کو شبہ گزرا۔ وہ عمیر کی تلوار کا قبضہ پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ تم عمیر کو چھوڑ دو۔ پھر آپ ﷺ نے قریب بلا کر پوچھا کہ کیوں آئے ہو۔ عمیر نے جواب دیا کہ میرا بیٹا قیدیوں میں شامل ہے، اسے رہا کرانے آیا ہوں کہ آپ مجھ پر رحم کریں اور میرے بیٹے کو آزاد کریں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کو صفوان نے میرے قتل کے لیے آمادہ کر کے بھیجا ہے۔ سچی بات کیوں نہیں کہتے۔ پھر آپ نے صفوان اور عمیر کے مشورہ کرنے کی تمام کیفیت سنا دی۔ عمیرؓ نے کہا: میں مسلمان ہوتا اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اس بات کی خبر سوائے صفوان اور میرے کسی تیسرے شخص کو ہرگز نہ تھی۔

جنگ بدر میں خدا تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کی۔ فرشتوں کے شریکِ جنگ ہونے کا حال خود کفار نے مکہ میں جا کر بیان کیا۔ بعض مشرکینِ مدینہ جو لڑائی کا تماشا دیکھنے چلے گئے تھے یا اتفاقاً لڑائی کے روز بدر میں موجود اور قریب کی پہاڑی پر بیٹھے ہوئے

تماشا دیکھ رہے تھے۔اُن کا بیان ہے کہ ہم نے لڑائی کے وقت اپنے سروں کے اوپر سے ایک بادل کے ٹکڑے کو گذرتے ہوئے اور مقامِ جنگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔اس بادل کے ٹکڑے میں سے جبکہ وہ بالکل ہمارے قریب سے گزر رہا تھا گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی اور کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جلد آگے بڑھو۔راوی کہتا ہے کہ اس آواز کے سننے سے ہم پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ میرے چچازاد بھائی کا خوف کے مارے دم نکل گیا۔

غرض یہ کہ مسلمانوں کو ایسی کامیابی ملی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے کہ کفار مکہ کو سامان جنگ سے لیس ہونے کے باوجود یہ تاریخی ہزیمت برداشت کرنی پڑی۔ میدان بدر سے فارغ ہو کر اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور مقام صفراء میں پہنچ کر آپ ﷺ نے بحکم الٰہی مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم فرمایا۔

7.2.1 غزوہ سویق

غزوہ بنی سویق 2ھ میں غزوہ بدر کے دو ماہ بعد پیش آیا۔ بدر کے بعد ابو سفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مقتولین بدر کا انتقام نہ لے لے گا کبھی اپنی بیوی کے پاس نہ جائے گا اور نہ کبھی اپنے بالوں کو تیل لگائے گا۔ چنانچہ بدر کے دو تین ماہ بعد ذوالحجہ کے مہینہ میں ابو سفیان دو سو مسلح قریش کی جمعیت کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے نکلا اور نجدی راستہ کی طرف سے ہوتا ہوا مدینہ کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے لشکر کو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر چھوڑا اور خود رات کی تاریکی کے پردہ میں چھپتا ہوا یہودی قبیلہ بنو نضیر کے رئیس حُیی بن اَخطب کے مکان پر پہنچا اور اس سے امداد چاہی مگر اس نے انکار کیا۔ ابو سفیان اسی طرح چھپتا ہوا بنو نضیر کے دوسرے رئیس سلام بن مشکم کے مکان پر گیا اور اس سے مسلمانوں کے خلاف اعانت کا طلب گار ہوا۔ اس نے ابو سفیان کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے اپنے پاس رات کو مہمان رکھا اور اس سے مسلمانوں کے حالات کے متعلق مخبری کی۔ صبح ابو سفیان وہاں سے نکلا اور اس نے قریش کے ایک دستے کو مدینہ کے قریب عریض کی وادی میں چھاپہ مارنے کیلئے روانہ کر دیا۔ جب قریش کا یہ دستہ وادی عریض میں پہنچا تو انہوں نے ایک مسلمان انصاری اور اسکا ایک ساتھی کو پکڑ کر ظالمانہ طور پر قتل کر دیا اور کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا کر اور وہاں کے مکانوں اور جھونپڑیوں کو جلا کر ابو سفیان کی قیام گاہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔ ابو سفیان نے اسکا میابی کو اپنی قسم کے پورا ہونے کیلئے کافی سمجھ کر لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ دوسری طرف آنحضرت ﷺ کو ابو سفیان کے حملہ کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ صحابہ کی ایک جماعت ساتھ لے کر اسکے تعاقب میں نکلے۔ لیکن ابو سفیان وہاں سے فرار ہو چکا تھا اور مسلمان اسکے لشکر کو پہنچ نہیں سکے اور بالآخر چند دن کی وہاں قیام کے بعد آنحضرت ﷺ مدینہ واپس لوٹ آئے۔ اس غزوہ کو غزوۂ سویق کہتے ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ جب ابو سفیان مکہ کو واپس لوٹا تو تعاقب کے خیال کی وجہ سے کچھ تو گھبراہٹ میں اور کچھ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے وہ اپنا سامانِ رسد جو زیادہ تر سویق یعنی ستو کے تھیلوں پر مشتمل تھا راستہ میں پھینکتا گیا تھا جو تعاقب کرنے والے مسلمان فوجیوں کو ملے۔ اس لیے اس غزوہ کا نام 'غزوہ سویق' پڑ گیا۔

7.3 غزوہ احد (شوال 3ھ مطابق 625ء)

جنگ بدر میں شکست کے بعد ایک طرف اہل مکہ کے دلوں میں آتش انتقام تھا تو دوسری طرف مدینہ کے یہود اور منافقوں کے برانگیختہ کرنے نے آگ میں گھی کا کام کیا یعنی اور جوش بھر دیا تیسری طرف ابوسفیان کی بیوی ہند نے جس کے والد اور بھائی بدر میں قتل ہو گئے تھے، اس نے ابوسفیان کو غیرت دلائی جس کی وجہ سے ابوسفیان جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا اور اس تجارتی قافلہ کا سارا مال اس کے مالکوں میں تقسیم نہ کر کے سامان جنگ کی فراہمی میں لگا دیا اور اس طرح پورے سال تیاری کی۔ ان تیاریوں میں مدینہ کے یہود اور منافق لوگوں نے بھی خفیہ طور پر مسلمانوں کی خبریں پہنچا کر اور مشورے دے کر کفار قریش کی بہت مدد کی اور مدینہ کے مسلمان کفار کے ان ارادوں سے ناواقف تھے۔

تین ہزار تجربہ کار بہادروں کا لشکر شوال کے شروع ہی میں مکہ سے روانہ ہوا اور جب یہ مدینہ کے قریب پہنچا تو اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی خبر مکہ میں مقیم آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس نے دی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر ہی ان کی مدافعت کی جائے یا باہر نکل کر۔ اللہ کے رسول ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی مدافعت کرنی چاہیے۔ اتفاق سے عبداللہ بن ابی (جو منافقوں کا سردار تھا) کی بھی رائے یہی تھی، عمر دراز صحابہ کی رائے بھی یہی تھی کہ باہر جا کر نہیں یہیں سے مدافعت کریں گے لیکن اکثر نوجوان صحابہ کرام کی رائے اس کے برعکس تھی وہ چاہتے تھے کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے تاکہ دشمن کو ہماری کمزوری کا احساس نہ ہو۔ یہ شوال بروز جمعہ کا واقعہ ہے، اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے جمعہ کی نماز ادا کی اور پھر گھر تشریف لے گئے اور گھر سے زرہ پہن کر باہر نکلے اور بڑی دقت نظری سے حالات کا جائزہ لیا اور بالآخر کسی وجہ سے معرکہ بدر میں شریک نہ ہونے والے صحابہ کرام کے حوصلوں اور جذبات کا خیال کرتے ہوئے مدینہ سے باہر جا کر جنگ لڑنے کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نماز جمعہ کے بعد روانہ ہوئے۔ ابھی تقریباً دو میل کا ہی سفر ہو پایا تھا کہ عبداللہ بن ابی اپنے ساتھ 300 سو لوگوں کو لے کر واپس ہو گیا یہ کہہ کر کہ 'جب میری رائے نہیں مانی گئی مدینہ میں رہ کر لڑنے کی تو ہم کیوں اپنی جانوں کو مصیبت میں ڈالیں' ۔ اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے تھے جنھوں نے کفر و شرک کے سورماؤں سے ٹکرا کر اسلام کا بول بالا کرنے کا فیصلہ کیا اور شام ہوتے ہوتے مقام احد پر پہنچ گئے۔

میدانِ احد پہنچ کر آپ ﷺ نے لڑائی سے پہلے ہی عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں (عربی: رُماۃ) کا ایک دستہ گھاٹی پر تعینات کیا اور ان کو حکم دیا کہ خواہ کوئی بھی حالت پیش آ جائے تم کو یہ جگہ نہیں چھوڑنی ہے (اس گھاٹی میں ہو کر دشمن پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا تھا اس حملہ کو روکنے کے لیے یہ حکم آپ نے دیا تھا) بہر حال صفیں درست کیں اور 10، شوال بروز ہفتہ میدان کارزار گرم ہوا اول وہلہ میں مسلمانوں کے حملہ سے بہتیرے زعمائے کفر تہہ تیغ ہو گئے جس سے کفار کے حوصلے پست ہو گئے، ان کی ہوا اکھڑ گئی اور ان کے 12 علمبردار جب شہید ہو گئے تو کسی نے علم (جھنڈا) اٹھانے کی جرات نہ کی اور وہ زمین پر گرا رہا جس سے دوپہر بعد وہ پیچھے ہٹنے شروع ہو گئے اور پشت پھیر کر فرار ہونے لگے جس سے مسلمانوں کی اپنی فتح و کامیابی میں کوئی شبہ نہ رہا۔ تب ان تیر اندازوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی جب کہ عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو روکا بھی مگر فتح و ظفر کی خوشی اور کفار کے تعاقب کے شوق نے ان سے یہ جگہ چھڑوا دی ادھر خالد بن ولید نے جو ابھی تک

مسلمان نہ ہوئے تھے اسی جگہ سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ مع اپنے چند رفقا کے اسی جگہ شہید ہوئے۔ اس کے بعد دوسرے کفار قریش بھی لوٹ آئے اور مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے کئی طرف سے حملے ہوئے جس سے مسلمان کفار کی نرغہ میں آگئے اور اچانک میدان جنگ کی صورت بدل گئی جس سے مسلمان اس جیتی ہوئی جنگ کو ہار گئے۔

میدان احد میں حضرت حمزہؓ تلوار چلاتے چلاتے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے۔ حبشی غلام وحشی نے آپ کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور ایک پتھر کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب آپ کفار کو مارتے اور ہٹاتے ہوئے آگے بڑھ گئے تو اس نے موقع پا کر اپنا نیزہ پھینک مارا۔ اور وہ نیزہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو کے پار نکل گیا اور حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔ وحشی نے جا کر ہند بنت عتبہ کو حضرت حمزہؓ کے شہید کر دینے کی خبر سنائی۔ حضرت حنظلہؓ نے حملہ کر کے کفار کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا، اور ابوسفیان تک پہنچ گئے۔ حضرت حنظلہ دَوڑ کر ابوسفیان پر وار ہی کرنا چاہتے تھے کہ شداد بن اسود لیثی نے پیچھے سے آکر اُن پر وار کیا اور وہ شہید ہو گئے۔ حضرت نضرؓ بن انس اور سعدؓ بن الربیع نے بھی بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ مسلمان ہر طرف سے کفار کے نرغہ میں آگئے اور ان کی جمعیت میں انتشار اور سراسیمگی پیدا ہو گئی۔ میدانِ جنگ میں یہ صورت ہو گئی کہ جا بجا تھوڑے تھوڑے مسلمان بہت بہت کافروں کے غول میں گھر گئے۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔ اور ہر طرف سے ان پر تلواریں برسنے لگیں۔ آنحضرت ﷺ بھی صرف بارہ صحابیوں کے ساتھ کفار کے نرغے میں آگئے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ علم لیے ہوئے آپ ﷺ کے قریب ہی کھڑے تھے۔ کفار کے ایک مشہور شہسوار ابن قمیہ لیثیؔ نے حملہ کیا اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر دیا۔ حضرت مصعبؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کے ہم شکل تھے اس لیے اس نے سمجھا کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے۔ ابن قمیہؔ نے ایک بلند مقام پر چڑھ کر بلند آواز سے کہا: قَدْقَتَلْتُ مُحَمَّداً۔ اس آواز سے مشرکوں کے دل بڑھ گئے اور وہ خوشی سے اُچھلنے لگے۔ مسلمان اس آواز کو سن کر اپنی اپنی جگہ حیران و ششدر رہ گئے۔ کعب بن مالکؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا کہ مسلمانو! خوش ہو جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ زندہ و سلامت موجود ہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا۔ اِلَیَّ عِبَادُ اللّٰہِ اَنَارَسُوْلُ اللّٰہِ (خدا کے بندو! میری طرف آؤ، میں خدا کا رسول ہوں)۔ یہ آواز سن کر مسلمان ہر طرف سے آپ ﷺ کی طرف آنے شروع ہوئے۔ کفار سے لڑتے، اُن کے حملوں کو روکتے اور ان کو مارتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچے۔ ادھر آنحضرت ﷺ کی اس آواز نے کفار کو بھی بتا دیا کہ آپ ﷺ کس جگہ تشریف فرما ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی سب اُسی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور وہ مقام جہاں آنحضرت ﷺ تشریف رکھتے تھے، لڑائی کا مرکز بن گیا۔

کچھ لوگ مسلمانوں کی فوج کے ایسی حالت اور ایسے مقامات پر تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ تک نہ پہنچ سکے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ اس پریشانی اور کارزار کے عالم میں ایک مشرک نے آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ پر وار کیا۔ جس سے چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ ابن قمیہؔ نے آپ ﷺ کے قریب پہنچ کر تلوار کا ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ خود کے دو حلقے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں آنکھ سے نیچے کی ہڈی میں گھس گئے۔ ان کو حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے دانت سے پکڑ کر کھینچا تو ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ کفار کی پوری طاقت اب آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک پر حملے میں صرف ہونے لگی۔

ادھر چند جاں نثاروں نے آپ ﷺ کے گرد ایک حلقہ بنالیا۔ حضرت ابو دجانہ نے آپ ﷺ کی طرف منہ کر کے اپنی پشت کو ڈھال بنالیا۔ پشت کو سپر بنانے میں یہ مدعا تھا کہ جو تیر آئے وہ ان کے جسم پر لگے۔ اگر منہ کفار کی طرف اور پشت آنحضرت ﷺ کی طرف ہوتی تو ممکن تھا کہ تیر کو آتے ہوئے دیکھ کر فطری طور پر جھجک پیدا ہو اور اپنے جسم کو بچائیں۔ اور مبادا تیر آنحضرت ﷺ تک پہنچ جائے۔ چنانچہ ان کی پشت تیروں سے چھلنی ہوگئی اور وہ اسی طرح کھڑے رہے۔ حضرت سعد بن وقاص اور حضرت ابو طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لیے دیوارِ آہنی کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہوگئے۔ اور تیر و تلوار چلا چلا کر دشمنوں کو روکتے رہے۔ حضرت طلحہ دشمنوں کی تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کا ہاتھ زخموں کی کثرت سے بیکار ہو گیا تھا۔ حضرت زیاد بن سکن انصاری مع اپنے پانچ ہمراہیوں کے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ حضرت عمارہ بن زیاد بھی آنحضرت ﷺ کی حفاظت میں پروانہ وار شہید ہوئے۔ ام عمارہ جن کا نام نسیبہ بنت کعب تھا، لشکرِ اسلام کے پیچھے پیچھے لڑائی دیکھنے کی غرض سے گئی تھیں۔ جب لڑائی کا رنگ دوپہر کے بعد یکایک تبدیل ہوا تو وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گئیں۔ ابن قیمہ نے جب آنحضرت ﷺ پر وار کیا تو ام عمارہ نے تلوار لے کر ابن قیمہ پر پے در پے کئی وار کئے۔ مگر چونکہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے اس پر اثر نہ ہوا۔ اس نے ام عمارہ کو تلوار کا ایک ہاتھ مارا تو شانہ کے قریب سے ان کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔

جب آنحضرت ﷺ کے گرد خوب زور شور سے ہنگامہ کارزار گرم تھا۔ ایک شقی نے دور سے ایک پتھر پھینک مارا جس سے آپ ﷺ کا ہونٹ زخمی ہوا اور نیچے کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ کا پائے مبارک ایک گڑھے میں جا پڑا۔ اور آپ ﷺ گر گئے، حضرت علی نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت طلحہ نے آپ ﷺ کو اُٹھا کر باہر نکالا۔ آپ ﷺ کے گرد جب صحابہ کرام کی ایک مختصر جماعت فراہم ہوگئی اور لڑائی شدت سے جاری ہوئی تو کفار کے حملوں میں سستی پیدا ہونے لگی۔ اور صحابہ کرام نے کفار کو مار مار کر ہٹادیا۔ اس حالت میں آنحضرت ﷺ نے پہاڑ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ اور صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ پہاڑ کی ایک بلندی پر چڑھ گئے۔ مدعا اس سے یہ تھا کہ کفار کے نرغہ سے نکل کر پہاڑ کو پشت پر لے لیں اور لڑائی کا ایک محاذ قائم ہو جائے۔ چنانچہ یہ تدبیر یعنی لڑائی کے لیے بہترین مقام کو حاصل کرنا بہت مفید ثابت ہوئی۔ مسلمانوں کے بلند مقام پر چڑھ جانے کے بعد ابوسفیان نے بھی پہاڑ پر چڑھنا چاہا، اور وہ کفار کی ایک جماعت کو لے کر دوسرے راستے سے زیادہ بلند مقام پر پہنچنا چاہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروق کو حکم دیا کہ ان کو اوپر چڑھنے سے باز رکھو۔ حضرت عمر فاروق چند ہمراہیوں کے ساتھ اُس طرف روانہ ہوئے اور ابوسفیان کی جماعت کو نیچے دھکیل دیا۔

اب مسلمانوں کی جمعیت جلد جلد بڑھنے لگی۔ مسلمان جو منتشر ہو گئے تھے پہاڑ کی اس بلندی پر آکر آنحضرت ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے۔ کفار کو اب یہ جرأت نہ ہوئی کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں مگر ایک کافر اُبی بن خلف جو آنحضرت ﷺ کے قتل کا پہلے سے ارادہ کر کے آیا تھا، اپنے گھوڑے پر سوار آنحضرت ﷺ پر حملہ آور ہوا۔ اس کو آتے ہوئے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو آنے دو۔ وہ قریب پہنچ کر آپ پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی حارث بن صمّہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس پر وار کیا۔ نیزہ کا کنارہ اس کی ہنسلی یعنی

گردن کی نیچے کی ہڈی میں لگا۔ یہ زخم بہت معمولی سا معلوم ہوتا تھا لیکن وہ یہ زخم کھا کر نہایت بد حواسی کے ساتھ بھاگا۔ وہ جب حملہ آور ہوا تھا تو یہ شور مچاتا ہوا چلا تھا کہ میں محمد (ﷺ) کو ضرور قتل کر کے آؤں گا۔ اس بد حواسی و سراسیمگی کے ساتھ جب بھاگ کر گیا تو مشرکین نے اس کا مذاق اُڑایا۔ چنانچہ اسی زخم کی وجہ سے وہ واپسی میں مکہ پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں وہ مر گیا۔ اور یہی ایک شخص ہے جو آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا: اَفِی الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ (کیا تم لوگوں میں محمدؐ ہیں؟) آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: اس کو جواب نہ دو۔ پھر اس نے پوچھا: کیا تم میں ابو بکر صدیقؓ ہیں؟ اس طرف سے کچھ جواب نہ ملا۔ پھر اس نے پوچھا: کیا تم میں عمر بن الخطابؓ ہیں؟ اس پر بھی سکوت رہا۔ پھر وہ بولا: معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب قتل ہو گئے۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ کو تاب نہ رہی فوراً چلا کر بولے: ''اے دشمنِ خدا یہ سب زندہ ہیں اور تو رسوا ہوگا''۔ یہ سن کر کچھ متعجب سا ہوا اور فخریہ لہجے میں کہنے لگا: اُعْلُ هُبْلُ اُعْلُ هُبْلُ (ہبل کی جے ہبل کی جے) آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا: اس کو جواب دو کہ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ (اللہ برتر و بزرگ ہے) ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ سن کر کہا: لَنَا عُزّٰى وَلاَ عُزّٰى لَكُم (عزیٰ بت ہمارا ہے تمہارا نہیں ہے) عمر فاروقؓ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے موافق جواب دیا: اَللّٰهُ مَوْلٰنا وَلاَ مَوْلٰى لَكُمْ (اللہ ہمارا اولی ہے تمہارا اولی نہیں ہے) ابوسفیان نے کہا کہ یہ لڑائی جنگ بدر کے برابر ہو گئی۔ یعنی ہم نے جنگِ بدر کا بدلہ لے لیا۔

حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے موافق جواب دیا: ''نہیں، برابری نہیں ہوئی کیونکہ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں''۔ اس کے بعد ابوسفیان خاموش ہو گیا۔ پھر اُس نے بلند آواز سے کہا کہ اب ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال پھر بدر میں ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ کہہ دو: نَعَمْ هُوَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ مَوْعِدٌ (اچھا، ہم کو یہ وعدہ منظور ہے۔) ابوسفیان یہ باتیں کہہ سن کر وہاں سے چل دیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ابوسفیان کے پیچھے بھیجا کہ ان کی روانگی کا نظارہ دیکھو۔ اگر انہوں نے اونٹوں پر کجاوے رکھے ہیں تو یہ مکہ کو جانا چاہتے ہیں اور اگر اس کے خلاف گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اونٹوں پر کجاوے نہیں کسے تو مدینے پر حملہ کا قصد رکھتے ہیں۔ اگر انہوں نے مدینے پر حملہ کا قصد کیا تو ہم ان پر ابھی حملہ آور ہوں گے۔ حضرت علیؓ گئے اور تھوڑی دیر میں واپس آکر خبر لائے کہ وہ اونٹوں پر سوار ہیں اور کجاوے کس رکھے ہیں۔

لیکن یہ عجیب بات تھی کہ مسلمان ہار کر بھی میدان احد میں تھے اور کفار جیت کر بھی میدان سے باہر تھے، مقام روحا تک جا کر مشرکین کو خیال آیا کہ اس لڑائی میں فتح کے بعد بھی کامیابی نظر نہیں آرہی ہے کیوں کہ نہ تو ہمارے ساتھ مسلمان قیدی ہیں اور نہ ہی مال غنیمت ہے اس لیے یہاں سے دوبارہ مرنے مارنے کا ارادہ کر کے ابوسفیان لشکر لے کر واپسی پر آمادہ ہوا مگر اسی درمیان اس کو معبد بن ابی معبد نے آکر یہ خبر سنائی کہ مسلمان مقام حمراء الاسد میں ہیں اور تمہارے تعاقب میں آرہے ہیں یہ خبر سن کر لشکر کفار بد حواس ہو گیا اور بجائے مدینہ کی طرف جانے کے سیدھے مکہ کی راہ لی۔ مسلمانوں کی طرف سے اس جنگ میں 65 انصار اور 4 مہاجر شہید ہوئے۔

7.3.1 ایسے غزوات جن میں جنگ کی نوبت نہیں آئی

ابوسفیان جنگ بدر میں یہ کہہ کر گیا تھا کہ آئندہ سال مقامِ بدرؔ میں لڑائی ہو گی۔ مسلمانوں نے اس بات کو منظور کر لیا تھا۔ منافقینِ مدینہ جورات دن مسلمانوں کی بربادی کی تدبیر سوچتے رہتے تھے۔ انہوں نے نعیم بن مسعود کو مکہ بھیجا کہ قریش کو اُحد کی قرارداد یاد دلائے اور جنگ کے لیے آمادہ کرے۔ نعیم نے ابوسفیان کو توجہ دلائی کہ مسلمانوں کے مقابلے کی تیاری کرنی چاہئے۔ مکہ میں اس سال کچھ قحط اور گرانی تھی۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہم جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ لیکن تم یہ کام کرو کہ مدینہ میں جا کر ہماری عظیم الشان تیاریوں کا حال سناؤ اور مسلمانوں کو ڈراؤ تا کہ وہ مدینہ سے نہ نکلیں اور اس سال لڑائی نہ ہو۔ اگر یہ کام تم سے سرانجام پا گیا تو تم کو بیس اونٹ بطور شکریہ پیش کیے جائیں گے۔ نعیم نے مدینے میں آکر بڑی آب وتاب کے ساتھ قریش کی تیاریوں کا حال جابجا بیان کرنا شروع کیا۔ یہ خبر سن کر مسلمان کچھ فکر مند ہونے لگے۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ﷺ خدا کے سچے رسول ہیں پھر مسلمان ان خبروں کو سن کر کیوں گھبرا رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی ایک شخص بھی میرے ہمراہ نہ چلے تو میں تنہا حسب وعدہ کفار کے مقابلے کے لیے بدرؔ کے میدان میں پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نے جنگ کی تیاری کی اور بدرؔ کی جانب روانہ ہوئے۔ تو آپ ﷺ کے ہمراہ ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر تھا۔ روانگی کے وقت آپ ﷺ عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما گئے تھے۔ اس مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے لشکر کا علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سپرد کیا تھا۔ کل فوج میں اس مرتبہ دس گھوڑے تھے۔ ابوسفیان لڑائی سے جان بچانا چاہتا تھا۔ مگر جب اس کو آنحضرت ﷺ کے مدینہ سے روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ مکہ سے دو ہزار کا لشکرِ جرار لے کر چلا۔

ابوسفیان کے لشکر میں اس مرتبہ پچاس سوار تھے۔ یہ دوہزار کا لشکر جب مقامِ عسفانؔ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر میں ڈیڑھ ہزار جانباز موجود ہیں۔ اہل مکہ بدرؔ اور اُحد میں دیکھ چکے تھے کہ تہائی اور چوتھائی تعداد کے مسلمانوں سے بھی ان کو شکست کھانی پڑی تھی۔ اب بھی اگرچہ مسلمان تعداد میں کم تھے مگر اس تعداد کا حال معلوم ہو کر کفار کے اوسان خطا ہو گئے اور مقام عسفانؔ ہی سے یہ کہہ کر مکہ کو واپس چلے گئے کہ ہم قحط سالی کے ایام میں جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ لشکر جب راستہ ہی سے واپس ہو کر مکہ میں پہنچا ہے تو مکہ کی عورتوں نے کہا کہ تم صرف ستو پینے گئے تھے۔ اگر لڑنے کے ارادہ سے جاتے تو واپس کیوں آتے۔

آنحضرت ﷺ مقام بدرؔ میں پہنچ کر آٹھ روز تک کفار کے منتظر رہے۔ آٹھویں روز معبد بن ابی معبد خزاعی نے آکر اطلاع دی کہ ابوسفیان مکہ سے روانہ ہو کر اور مقام عسفان تک پہنچ کر پھر واپس چلا گیا ہے۔ آپ ﷺ یہ سن کر بدرؔ سے مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔ اس میں مالِ غنیمت تو مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا لیکن ان ایام میں چونکہ بدرؔ میں میلہ لگتا تھا اس لیے مسلمانوں نے تجارت کے ذریعے فائدہ اُٹھا لیا۔ یہ واقعہ سن 4 ہجری میں پیش آیا۔

اسی طرح غزوہ ذات ارقاق اور دومۃ الجندل میں بھی جنگ کی نوبت نہیں آئی اور آپ ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

7.4 غزوۂ احزاب/غزوہ خندق (5ھ مطابق 627ء)

یہودی قبیلہ بنو نضیر مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر میں مقیم ہوا اور یہاں آکر انہوں نے ایک نہایت عظیم اور منظم سازش شروع کی، اس قبیلہ کے سردار حضرات نے اولاً مکہ کا رخ کیا اور قریش سے کہا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دے دو تو ہم ان مسلمانوں کا صفایا کر سکتے ہیں انہیں اس کا جواب ہاں میں دینے میں کوئی تامل ہی نہیں تھا کیوں کہ وہ تو اس کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے اور زور آزمائی بھی کر چکے تھے، لہٰذا ان کو آمادہ جنگ کرنے کے بعد یہ رؤسا قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو بھی اسی طرح مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے برانگیختہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح قبیلہ بنو کنانہ بھی تیار ہو گیا اور دوسرے قبائل سے بنو فزارہ، بنو سلیم اور بنو سعد میں مسلمانوں کے خلاف منظم فضا تیار کرنے کے ساتھ ساتھ بنو قریظہ کو بھی بدعہدی پر آمادہ کر لیا اور اس سازش میں شامل کر لیا جب کہ یہ قبلہ ابھی مدینہ میں رہ رہا تھا اور مسلمان کا حلیف تھا۔

تقریباً پچاس سرداروں نے خانہ کعبہ میں جا کر قسمیں کھائیں کہ جب تک زندہ ہیں مسلمانوں کی مخالفت سے منہ نہ موڑیں گے اور اسلام کے استیصال میں جان کی بازی لگا دیں گے تب ابو سفیان سردار قریش اپنے ہم عہد قبائل سے چار ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے روانہ ہوا اور راستے میں دوسرے قبائل کی فوج شامل ہوتی گئی مدینہ کے قریب آتے آتے اس حملہ آور فوج کی تعداد ایک روایت کے مطابق 10 ہزار دوسری روایت کے مطابق 24 ہزار تھیں۔ یہ سازش صیغہ راز میں رکھی گئی تھی جس سے مسلمان اس کی طرف سے لاعلم تھے۔ پھر جب اللہ کے رسول ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی نے مشورہ دیا کہ حملہ آور فوج سے محفوظ رہنے کے لیے محصور فوج کے گرد خندق کھود دی جائے اللہ کے رسول نے ان کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے۔ مدینہ کے تین طرف مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا صرف ایک ہی سمت کھلی ہوئی تھی اسی طرف آنحضرت ﷺ تین ہزار صحابہ کی جمعیت کے ساتھ شہر سے باہر نکلے اور خندق کھودنے کا کام شروع کر دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے خود دس دس صحابہ کے لیے دس دس گز کے حدود قائم کیے یہ خندق 5 گز گہری اور 5 گز چوڑی کھودی گئی جس کو ان تین ہزار صحابہ نے بیس روز میں تیار کیا۔ اللہ کے رسول بنفس نفیس اس کے کھودنے میں شریک تھے بالکل اسی طرح جس طرح مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے تھے۔

لشکر کفار جب خندق پر آیا تو اسے بڑا تعجب ہوا کیوں کہ انہوں نے عربوں میں اس سے پہلے کبھی اس قسم کی خندق نہیں دیکھی تھی لہٰذا اب کفار کے اس کثیر لشکر نے یہیں سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ مسلمانوں کو ختم کرنے کی سب سے بڑی کوشش تھی، تقریباً ایک ماہ تک یہ محاصرہ رہا، کفار نے کئی مرتبہ اسے عبور کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے دور دور سے ہی تیر برسائے جاتے رہے۔ رات کے وقت کفار کی طرف سے شب خون مارنے کا ڈر رہتا تھا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو رات میں بیدار رہنا پڑتا تھا اور دن میں تیروں کا مقابلہ کرنا ہوتا تھا اس لیے یہ بڑی سخت آزمائش تھی۔ غرض یہ کہ منافقوں کے طعنے، رات کی سردی، دن کی دھوپ اور بھوک پھر کفار کا مقابلہ، بنی قریظہ کا اندیشہ، منافقوں کا خطرہ، کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت۔ ان تمام حالات میں صحابہ کرام نے جس عزم و ہمت اور ثبات قدمی کا نمونہ پیش کیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مسلمانوں سے صلح کے لیے کہا گیا کہ وہ دب کر صلح کر لیں انہوں نے صاف انکار کر دیا جیسا کہ سعد بن

عبادہ اور سعد بن معاذ کے الفاظ سیرت کی کتب میں موجود ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرات نہ کر سکا۔ اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بلند کر دیا ہے۔ اب محاصرہ کو 27 روز گزر گئے تو ایک رات تیز ہوا چلی جس سے ان کے خیموں کی قناتیں اکھڑ گئیں، کھانے دیگچے چولہوں پر الٹ گئے، انکے چراغ گل ہو گئے جس سے انہوں نے بد شگونی لی اور راتوں رات فرار ہو گئے۔ گویا اس ہوا نے فوجوں سے بھی بڑھ کر کام کیا اسی کو اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں اس طرح سے ذکر کیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحاً وَجُنُوداً لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب: 9)

جب اللہ کے رسول ﷺ کو ان کے فرار کی خبر ہوئی تب آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ ابن الیمان کو خبر لانے کو بھیجا انہوں نے آکر بتایا کہ کفار کی لشکر گاہ خالی ہے اور وہ بھاگ گئے ہیں تب آپ نے فرمایا کہ اب کفار قریش ہم پر کبھی حملہ آور نہ ہوں گے۔

7.5 غزوہ بنو مصطلق

شعبان 5ھ میں خبر پہنچی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ضرار جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اور وہ عرب کے دوسرے قبائل کو اپنا شریک بنا رہا ہے۔ کہ آؤ مسلمانوں پر حملہ کرنے میں میرے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے تحقیق حال کے لیے بریدہؓ بن حصیب اسلمیؓ کو بطور ایلچی روانہ کیا۔ حضرت بریدہؓ نے واپس آکر اطلاع دی کہ حارث بن ضرار اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر تُلا ہوا ہے۔ اُس نے بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور کسی طرح لڑائی اور حملہ سے باز آنا نہیں چاہتا۔ ساتھ ہی خبر پہنچی کہ حارث اپنے لشکر کو لے کر روانہ ہونے والا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ مدینہ میں زید بن حارث کو عامل مقرر کیا۔ اور لشکرِ اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے تھے جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ مہاجرین اور انصار کے جدا جدا عَلَم تھے۔ انصار کا علم سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور مہاجرین کے علمبردار حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو مقدمۃ الجیش مقرر فرمایا گیا۔ چونکہ متواتر حملوں میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہوئی دیکھی تھی لہٰذا اس مرتبہ مالِ غنیمت کی طمع میں عبداللہ بن اُبی بھی اپنی جماعتِ منافقین کے ساتھ شریک ہو گیا۔

یہ منافق لوگ چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے اس لیے ان کو تمام اسلامی حقوق حاصل تھے اور شریکِ لشکر ہونے سے وہ منع نہیں کیے جا سکتے تھے۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ عبداللہ بن ابی اور اُس کی جماعتِ منافقین لشکرِ اسلام کے ساتھ بغرض قتال روانہ ہوئی۔ جنگِ احد میں تو یہ لوگ راستے ہی سے لوٹ کر چلے آئے تھے اور شریکِ جنگ نہ ہوئے تھے۔ حارثؔ بن ضرار نے ایک جاسوس روانہ کیا تھا۔ یہ جاسوس راستے میں اتفاقاً لشکرِ اسلام کے قریب پہنچا اور گرفتار ہو کر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب اس کا جاسوس ہونا تحقیق ہو گیا اور اسلام لانے سے بھی اس نے انکار کیا تو رسمِ عرب اور جنگی آئین کے موافق اس کے قتل کا حکم صادر ہوا، اور وہ قتل کیا گیا۔ حارثؔ کو جب اپنے جاسوس کے قتل ہونے اور آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچنے کی خبر پہنچی تو وہ بہت پریشان اور بدحواس ہوا۔

آخر آنحضرت ﷺ نے حضرت فاروقؓ کو حکم دیا کہ تم آگے بڑھ کر ان کو اسلام کی دعوت دو۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے آگے بڑھ کر اُن کو تبلیغِ اسلام کی۔ انہوں نے اس کا سختی سے انکاری جواب دیا۔ اس کے بعد طرفین سے حملہ آوری ہوئی۔ کفار کا علم بردار حضرت ابو قتادہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ علمبردار کے گرتے ہی کفار کے پاؤں یک لخت اُکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر مسلمانوں کے سامنے سے بھاگ گئے۔ جو آدمی کفار کے گرفتار ہوئے اُن میں جویریہ یعنی سالارِ لشکر کی بیٹی بھی گرفتار ہوئی بہت سامالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس سفر سے واپسی میں ایک اور قابلِ تذکرہ واقعہ افک پیش آیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی سفر میں ہمراہ تھیں۔ ایک منزل پر لشکر نے قیام کیا۔ وہاں سے روانگی کے وقت حضرت عائشہؓ کا ہودج اونٹ پر رکھ دیا گیا۔ اور یہ محسوس نہ ہوا کہ ہودج میں ہیں یا نہیں حالانکہ وہ رفع حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ اُن کو وہاں کسی قدر دیر اس وجہ سے لگی کہ وہ اپنی ہمشیرہ کا ایک ہار پہنے ہوئے تھیں، اتفاقاً اُس ہار کا ڈورا کسی جھاڑی میں اُلجھ کر ٹوٹ گیا اور موتی بکھر گئے۔ چونکہ پرائی چیز تھی اس لیے اور بھی زیادہ اس کا خیال ہوا۔ زمین پر سے موتیوں کے چننے میں وقت زیادہ صرف ہو گیا۔ لشکر اس عرصہ میں روانہ ہو گیا۔ آپؓ واپس تشریف لائیں تو قیام گاہ کو خالی پایا۔ بہت پریشان ہوئیں۔ اسی عرصہ میں صفوان بن معطلؓ اپنا اونٹ لیے ہوئے پیچھے سے آتے ہوئے نظر آئے۔ صفوان بن معطلؓ کے سپرد یہ خدمت تھی کہ وہ سب سے پیچھے قیام کریں اور قافلہ کی روانگی کے بعد سب سے بعد میں قیام گاہ کا معائنہ کرتے ہوئے روانہ ہوں کہ اگر کسی کی کوئی چیز رہ گئی ہے تو اُس کو اُٹھاتے لائیں۔ اور اس طرح کسی کا کوئی نقصان نہ ہونے پائے۔ حسبِ دستور صفوانؓ قیام گاہ کا معائنہ کرتے ہوئے آئے اور انہوں نے ام المؤمنینؓ کو دیکھا تو متاسف و ششدر رہ گئے۔ فوراً اپنے اونٹ سے اُترے، ام المؤمنینؓ کو اونٹ پر بٹھایا۔ اور اس کی مہار پکڑ کر روانہ ہوئے اور لشکر سے جا ملے۔ جب اپنے لشکر میں اس طرح پہنچے اور لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ سب متاسف ہوئے لیکن منافقین کو بڑا اچھا موقع باتیں بنانے اور بہتان باندھنے کا مل گیا۔ منافقوں نے طرح طرح کی باتیں کر کے لشکر میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ آنحضرتؐ بہت متردّد اور خاموش تھے۔

غرض منافقوں نے اس مرتبہ شریکِ لشکر اسلام ہو کر مسلمانوں کو اپنی شرارتوں سے پریشان کرنے کا خوب موقع پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقوں نے جو بہتان باندھا اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عائشہؓ قریباً ڈیڑھ ماہ اپنے والد کے یہاں رہیں اور مسلمانوں کو عام طور پر حضرت صدیقہؓ کی عصمت وعفت اور مظلومی کا یقین ہو گیا۔ ایک مہینے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کی پاک دامنی و بے گناہی کا حکم نازل ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے عائشہ صدّیقہؓ کے صدیقہ ہونے کی گواہی دی۔ اس سے پیشتر ایک اور صدیقہ یعنی حضرت مریم پر بھی اسی قسم کا بہتان لوگوں نے باندھا تھا۔ وہ بھی خائب و خاسر ہوئے اور اس صدیقہ پر بہتان باندھنے والوں کا انجام بھی خسران و ہلاکت ہی ہوا۔

اس سفر میں منافقوں نے جو جو شرارتیں کیں، اُن کا علم آنحضرت ﷺ کو ہوتا رہا۔ ابھی مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوئے تھے کہ ایک صحابی نے عبداللہ بن اُبی منافق کی بدکلامیوں کا ذکر کر کے استدعا کی کہ اس منافق کے قتل کا حکم صادر فرمایا جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی چونکہ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس لیے اگر اس کو قتل کیا گیا تو لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگے۔ عبداللہ بن ابی کا بیٹا جن کا نام بھی عبداللہ تھا ایک سچے مسلمان تھے۔ عبداللہ بن عبداللہ کو جب معلوم ہوا کہ ان کے باپ کی مکاری ثابت ہو چکی ہے تو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عبداللہ بن اُبی یعنی باپ کے قتل کی خدمت میرے سپرد کی جائے تاکہ میں اُس

کا سر کاٹ کر لاؤں اور یہ ثابت ہو جائے کہ اسلام باپ سے زیادہ قیمتی ہے۔آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے وقت عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے خود باپ کو مدینہ کے اندر داخل ہونے سے روک دیا اور کہا کہ تو منافق ہے اس لیے تجھ کو مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا۔آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے متعلق حکم دیا کہ اس کو مدینہ میں آنے دو۔

بنی المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی جویریہؓ ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئیں۔ حارث چند روز بعد خود مدینے میں آئے۔ اور اپنی بیٹی کو آزاد کرانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ ﷺ نے جویریہؓ کو خود فدیہ دے کر رہا کرا دیا۔ جویریہؓ نے باپ کے ہمراہ جانے کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ آپ ﷺ نے جویریہؓ کی منشا کے موافق اور حارث کی رضامندی سے جویریہؓ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے بنی المصطلق کے تمام اسیروں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ جو قبیلہ آنحضرت ﷺ کا رشتہ دار بن گیا ہے ہم اس کو قیدی یا غلام نہیں رکھ سکتے۔ ساتھ ہی تمام مال غنیمت بھی واپس کر دیا۔ اس طرح یہودیوں کے ایک قبیلہ کے ساتھ اس نکاح کی وجہ سے دشمنی کی جگہ محبت پیدا ہو گئی۔

7.6 فرہنگ

منافق: دل میں کینہ رکھ کر دوستی کا اظہار کرنے والا (Hyppocrite)   اسیر: قیدی   استدعا: Request

7.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- جنگ بدر کو قرآن کریم نے یوم الفرقان کے نام سے ذکر کیا ہے۔ جنگ بدر نے دنیا کو یہ بھی بتایا کہ افراد کی کثرت و قلت کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔ بلکہ ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال چند افرد بھی بڑے سے بڑے گروہ کو ریزہ ریزہ کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔
- جنگ بدر مسلمانوں اور کفار کے درمیان پہلی جنگ تھی جس نے مسلمانوں کے حوصلوں کو بڑھایا اور کفار کی ہمتوں کو پست کیا جس سے مکہ اور مدینہ کے ارد گرد مذہب اسلام لاثانی طاقت کی حیثیت سے ابھرا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔
- جنگ احد میں مسلمانوں کو اپنے درمیان رہنے والے منافقین کی پہچان ہوئی جو بظاہر مسلمان تھے لیکن حقیقت میں کفران کے رگ وپے میں بسا ہوا تھا۔ جنگ احد میں مسلمانوں کو یہ احساس ہوا کہ نبیؐ کے حکم کی نافرمانی مصیبت اور پریشانی کا سبب بنتی ہے جس سے جیتی ہوئی لڑائی میں بھی ہار ہو جاتی ہے۔ جنگ احد میں مسلمانوں کے ایمان و یقین کا بھی امتحان ہو گیا۔
- غزوہ احزاب کا نام غزوہ خندق بھی ہے۔ احزاب حزب کی جمع ہے بمعنی جماعت چوں کہ اس غزوہ میں بہت سی جماعتیں مسلمانوں کے خلاف جمع ہو گئی تھیں اس لیے اس کا نام احزاب ہے۔ خندق گڈھے اور کھائی کو کہتے ہیں چوں کہ اس غزوہ میں مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی اس لیے اس کا نام خندق بھی ہے۔ بنو قریظہ نے مسلمانوں کے حلیف ہونے کے باوجود غداری کی تھی۔

- شعبان 5ھ میں خبر پہنچی کہ بنوالمصطلق کا سردار حارث بن ضرار مدینہ کے اطراف کے دوسرے قبائل کے ہمراہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ نبی ﷺ نے معاملہ کی تحقیق کی اور مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ پہلے حضرت عمرؓ نے اسلام کی دعوت دی اور ان کی مزاحمت کے بعد حملہ ہوا۔

7.8 نمونۂ امتحانی سوالات

7.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. غزوہ بدر میں لشکر کفار کی کمان کس کے ہاتھوں میں تھی؟

(a). ابوسفیان (b). ابوجہل (c). عتبہ (d). ولید

2. بدر کس کا نام تھا؟

(a). شہر کا (b). گاؤں کا (c). پہاڑ کا (d). وادی کا

3. جنگ احد کب ہوئی تھی؟

(a). 2ھ (b). 3ھ (c) 4ھ (d). 5ھ

4. عبداللہ بن ابی جنگ احد سے اپنے جن ساتھیوں کے ساتھ واپس ہوا ان کی تعداد کتنی تھی؟

(a). 200 (b). 300 (c). 400 (d). 500

5. احد کی گھاٹی پر آپ ﷺ نے جن 50 تیزاندازوں کو مقرر کیا تھا، ان کے سردار کون تھے؟

(a). عبداللہ بن جبیر (b). عبداللہ بن عباس (c). عبداللہ بن مسعود (d). ابی ابن کعب

6. وہ غزوۃ جن میں جنگ یا قتال کی نوبت نہیں آئی؟

(a). غزوۃ سویق (b). غزوۃ ذات الرقاق (c). دومۃ الجندل (d). سب صحیح

7. غزوہ احزاب کے موقع پر کفار کے فرار ہونے کی خبر کس نے لایا تھا؟

(a). حذیفہؓ ابن الیمان (b). عبداللہؓ بن مسعود (c). عبداللہؓ بن مسعود (d). عامر بن فہیرہ

8. غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟

(a). سلمان فارسیؓ (b). عبداللہؓ بن رواحہ (c). صہیب رومیؓ (d). اخنسؓ ابن شریک

9. غزوہ احزاب میں کھودی گئی خندق کی گہرائی کتنی تھی؟

(a). 3 گز (b). 5 گز (c). 6 گز (d). 7 گز

10. خندق کھودنے والے صحابہ کی تعداد تھی:

(a). ایک ہزار　　(b). دو ہزار　　(c). تین ہزار　　(d). چار ہزار

7.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. غزوۂ بدر کے اسباب بیان کیجیے۔
2. غزوۂ سویق پر اپنی معلومات قلمبند کیجیے۔
3. غزوۂ بنو مصطلق پر نوٹ لکھیے۔
4. غزوۂ اُحد میں تیر اندازوں کا کیا کردار تھا؟ بیان کیجیے۔
5. غزوہ احزاب کے اسباب بیان کیجیے۔

7.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. غزوۂ بدر پر ایک مفصل نوٹ لکھیے۔
2. غزوۂ احد کب اور کن حالات میں پیش آیا؟ مفصلاً تحریر کیجیے۔
3. غزوۂ احزاب کا واقعہ تحریر کیجیے۔

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. سیرۃ النبی (جلد اول) : علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
2. تاریخ اسلام (جلد اول) : شاہ اکبر خاں صاحب نجیب آبادی
3. سیرۃ المصطفیٰ (جلد دوم) : مولانا محمد ادریس کاندھلوی
4. رحمۃ اللعالمین : موالانا ابوالحسن علی ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

1.B	2.B	3. A	4. B	5. A
6. D	7.A	8. A	9. B	10. C

اکائی 8: اہم واقعات: صلح حدیبیہ، فتح مکہ، حجۃ الوداع

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید
8.1 مقاصد
8.2 صلح حدیبیہ (6ھ مطابق 628ء)
8.3 فتح مکہ (8ھ مطابق 630ء)
8.4 حجۃ الوداع
8.4.1 خطبہ حجۃ الوداع
8.5 فرہنگ
8.6 اکتسابی نتائج
8.7 نمونۂ امتحانی سوالات
8.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
8.7.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات
8.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

اس اکائی میں اسلام کے مشہور غزوات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس کا مشاہدہ کریں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بیشتر حصہ دشمنان اسلام، کفار، یہود و نصاری اور منافقین سے جنگ وجدال میں صرف ہوا، یہ غزوات کیوں اور کن حالات میں پیش آئے، نیز صلح حدیبیہ میں کیسے دشمن کی منہ مانگی شرائط کو تسلیم کرکے دس سال کے لیے صلح کرلی، خیبر کے یہودی جو کہ اپنی سازشوں اور شرارتوں سے مسلمانوں کو پریشان کرر کھا تھا، ان کو اپنی طاقت و قوت پر بے جا فخر تھا اور وہ یہ اندازہ کیے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو آسانی سے

زیر کردیں گے لیکن جب جنگ ہوئی تو مسلمانوں نے کیسے خیبر کو فتح کیا،اسی طرح غزوہ موتہ دراصل مسلمانوں کے صبر واستقلال، نظم وضبط اور ایمان کی پختگی کاامتحان تھااور یہ جنگ کیسے عیسائی ممالک کی فتوحات کاسبب بنیں، جیساکہ فتح مکہ مسلمانوں کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ ثابت ہوئی، مکہ جہاں سے مسلمانوں کے اوپر ظلم وستم کی ساری حدوں کو عبور کیا گیاان کو مجبور کیا گیا کہ وہ مکہ چھوڑدیں یااسلام سے منحرف ہو جائیں، لیکن آج اسی جگہ پر فاتحانہ اوراللہ کاشکر بجالاتے ہوئے پوری آب وتاب کے ساتھ داخل ہورہے تھے۔ان ساری تفصیلات کو پڑھیں گے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کوپڑھنے کامقصد یہ ہے کہ آپ

- آپ ﷺ نے جنگ کے میدان میں جو حکمت عملی اختیار کی مثلاً لشکر کی ترتیب، حساس مراکز پر تعیناتی، جنگی پلاننگ وغیرہ کیاطریقہ کاراپنایا،اوران کے کیانتائج سامنے آئے،ان کاجائزہ لے سکیں گے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگی اصول متعین کیے ان کا گیہرائی سے آج کے جنگی اصولوں کے تناظر میں سمجھ سکیں
- نبی ﷺ کے دور کے اہم معاہدے صلح حدیبیہ کی حیثیت قرآن میں فتح مبین کیوں قرار دی ہے اس پر گفتگو کرسکیں
- اہم غزوۃ فتح مکہ کے اسباب ونتائج کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔
- خطبہ حجۃالوداع کوکس طرح عالمی انسانی منشور کی حیثیت حاصل ہے،اس پر تبادلہ خیال کرسکیں۔

8.2 صلح حدیبیہ (6ھ مطابق 628ء)

کعبۃ اللہ اسلام کا مرکز تھا، دین ابراہیمی کی یادگار تھااور اہل عرب کا عام قبلہ تھا، تمام ہی اہل عرب اسے اپنا مشترک ورثہ سمجھتے تھے، قبائل عرب سال بھرآپس میں لڑتے رہتے تھے کیوں کہ ان کے یہاں اب لڑائی کسی مقصد کے لیے نہیں بلکہ لڑائی ہی خود ایک مقصد بن گئی تھی، ذریعہ معاش کی کمی، ضروریات زندگی میں پریشانی اور کسی قاعدے وقانون کے نہ ہونے سے اہل عرب میں جنگ کی عادت اس قدر راسخ ہوگئی تھی کہ عرب اس قتل وغارت گری اور لوٹ مار کواپنے مفاخر میں شمار کرنے لگے تھے، لیکن اشہر حرم (وہ چار مہینے جن میں لڑائی نہ کرتے تھے) کے آتے ہی لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں، قبائل عرب دور دور سے آکران مہینوں میں عبادت کیا کرتے تھے۔ مسلمان کفار قریش کے مظالم سے پریشان ہو کر مکہ سے چلے تو گئے تھے لیکن بہر حال ان کامحبوب وطن تو تھااور کعبہ پر بھی ان کا کم سے کم اور قبائل کے برابر توحق تھاہی جوان کورہ رہ کریادآتارہتا تھا۔

شوال 6ھ میں اللہ کے رسولؐ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہورہے ہیں اس خواب نے خانہ کعبہ کی زیارت کی اس آرزو کواور تحریک دی کیوں کہ مسلمان چھ سال سے اس کی زیارت سے محروم تھے چنانچہ آپ ﷺ چودہ سو صحابہ کی رفاقت میں عمرہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ سے 9 میل پہلے مقام حدیبیہ میں پڑاؤڈالا (یہاں ایک کنواں تھاجس کو حدیبیہ کہتے تھے اس کنویں کے نام پر اس گاؤں کانام حدیبیہ ہوااور چوں کہ معاہد صلح بھی اس جگہ لکھا گیااس لیے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں)

اور حضرت عثمان غنیؓ کے ذریعہ اہل مکہ تک پیغام بھجوایا کہ مسلمان عمرہ کرنا چاہتے ہیں لڑنے کی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ قریش نے حضرت عثمان غنیؓ کو نظر بند کر لیا ادھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا، اس خبر نے مسلمانوں کو صدمہ میں ڈال دیا تب اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے گا اور آپ ﷺ نے ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی، تمام ہی صحابہ نے انتہائی جوش و جذبہ کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ بیعت رضوان کے عنوان سے مذکور ہے جو قرآن کریم کی سورہ فتح میں اس طرح سے بیان ہوا ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً ۔ وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً۔ (الفتح: 1918) ترجمہ: تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح کا نزدیک۔ اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

بدیل بن ورقہ خزاعی بنی خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مسلمانوں کے طرفدار ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ذریعہ قریش کو یہ خبر بھجوائی کہ ہم لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں بلکہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ بدیل بن ورقہ نے قریش کے پاس آکر حضورؐ سے سنی ہوئی ساری بات بتادی۔ جواب میں عروہ بن مسعود نے کہا کہ ہمیں خود جا کر محمدؐ سے اس کی غرض اور منشا معلوم کرنی چاہئے۔ عروہ نے کافی تفصیل سے حضورؐ سے بات کی۔ اس نے کافی قریب سے حضورؐ کے اصحاب کا طرزِ عمل دیکھا اور حضورؐ کے تئیں صحابہؓ کی عقیدت و وارفتگی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ قریش کے پاس واپس آکر اس نے کہا کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں اور ان کے آداب بھی دیکھے ہیں، لیکن بخدا جس قدر محمدؐ کے دوست محمدؐ کی تعظیم کرتے ہیں ویسی تعظیم کہیں نہیں دیکھی کہ وضو کے پانی کے زمین پر گرنے سے پہلے ہی محمدؐ کے دوست اس کو اچک لیتے ہیں اور اس پانی کو اپنے ہاتھ چہرہ اور جسم پر ملتے ہیں۔ اگر کوئی بات محمدؐ کی زبان سے نکلتی ہے تو اس کو پورا کرنے کے لیے سب دوڑ پڑتے ہیں۔ اے قریش! محمدؐ نے جو بات کہی ہے اس کو مان لو اور اُنہیں عمرہ کرنے دو۔ پھر قریش نے حُلیس کو بھیجا۔ حلیس نے واپس آکر قریش سے کہا کہ کیا خدا کے گھر سے اس شخص کو روکا جائے گا جو اس کی تعظیم کے لیے آیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں حلیس کی جان ہے تم محمدؐ کو موقع دو کہ وہ جو کرنا چاہتے ہیں کریں۔

اس تاریخی بیعت نے کفار مکہ کے قلوب میں وہ ہیبت طاری کر دی کہ انہوں نے سہیل بن عمرو (ابو یزید) کو اپنا قاصد بنا کر اس مقصد سے مسلمانوں کے پاس بھیجا کہ وہ مصالحت کر لیں (سہیل بن عمرو نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے، لوگوں نے ان کو خطیب قریش کا خطاب دے رکھا تھا) چنانچہ سہیل بن عمرو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دیر تک شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی، حضورؐ نے اس سے کہا کہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اور کعبۃ اللہ کے درمیان تم لوگ رکاوٹ نہ بنو۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ اگر ہم نے اجازت دی تو سارا عرب یہ کہے گا کہ ہم تم سے ڈر گئے اس لیے تم لوگ آئندہ سال آکر طواف کر سکتے ہو۔ بالآخر چند شرائط پر اتفاق ہوا اور اللہ کے رسول نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ لکھ دیں۔

شرائط صلح

1. مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
2. اگلے سال آئیں اور صرف تین روز قیام کر کے عمرہ ادا کریں گے۔
3. ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں ہو گی۔
4. صلح کی میعاد دس سال ہو گی۔ اس عرصہ میں کوئی فریق دوسرے فریق کی جان ومال سے قطعاً متعرض نہ ہو گا۔
5. عرب کی ہر ایک قوم اور قبیلے کو اختیار ہو گا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہے ہم عہد ہو جائے، ان ہم عہد قبائل پر بھی اس صلح نامہ کی شرائط کا نفاذ ہو گا۔
6. اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو قریش کی طرف واپس کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آجائے گا تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

معاہدہ صلح کی شرائط مسلمانوں کے خلاف تھی جس کی وجہ سے یہ صحابہ کرام کو سخت ناگوار و گراں معلوم ہو رہی تھیں مزید برآں یہ ہوا کہ ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ خود سہیل کا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو گیے تھے اور یہ کفار کے نزدیک بڑا جرم تھا جس کی وجہ سے کفار نے ان کو سخت جسمانی ایذائیں دیں تھیں جن کے نشان بھی ان کے جسم پر موجود تھے وہ اللہ کے رسول کے پاس کفار کی قید سے نکل کر آگئے اور مدینہ چلنے کی فریاد کرنے لگے سہیل نے کہا کہ شرائط معاہدہ کے مطابق ابو جندل کو واپس کیا جائے، اللہ کے رسولؐ نے سہیل کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ بالآخر ابو جندلؓ ان کے والد کو واپس کر دیئے گئے اور والد نے ان کو وہیں سے مارنا شروع کر دیا، اس نظارہ کو دیکھ کر صحابہ بے تاب ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نبی بر حق نہیں، کیا ہم مسلمان نہیں؟ کیا وہ لوگ مشرک نہیں پھر ہم دین کے معاملہ میں ایسی ذلت کیوں برداشت کریں گے اللہ کے رسولؐ نے عمر کے ہر سوال کا جواب دینے کے بعد فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں بد عہدی نہیں کر سکتا اس کے بعد حضرت عمرؓ کا غصہ فرو ہو گیا اور زندگی بھر اپنی اس جرات و گستاخی پر پشیمان رہے۔

صلح حدیبیہ کی صلح بظاہر دب کر کی گئی تھی اسی وجہ سے مسلمان اپنے کو کمزور اور دبا ہوا محسوس کر رہے تھے لیکن نبی کریمؐ کی نگاہِ بصیرت نے یہ دیکھ لیا تھا کہ یہ صلح فتح مبین کی تمہید ہے اور مسلمان نے بھی دیکھ لیا کہ وہ کمزور شرائط ہی بہت جلد مفید شرائط نظر آنے لگیں کیوں کہ اس صلح کا سب سے خوشگوار پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں کو دشمنوں کے درمیان رہتے ہوئے اپنے اخلاق و کردار کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ کا موقع ملا اور اس طرح زبان و بیان کے ذریعہ دین کی اشاعت کا ایک وسیع میدان صحابہ کرام کو مل گیا اس لیے کہ کوئی بھی فرقہ، تنظیم و جماعت یا مذہب جس قدر امن وامان کی حالت میں اپنا دائرہ وسیع کر سکتا ہے اتنا لڑائی اور جنگ وجدال کی حالت میں نہیں کر سکتا چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد صرف دو برس کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد دوگنی ہو گئی تھی اس لیے کہا گیا کہ یہ صلح فتح مبین کی تمہید ہے۔ جس کا اعلان قرآن کریم میں ان الفاظ میں ہے: اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحاً مُبِيۡناً۔

عصر حاضر میں اس صلح کی معنویت اس طرح سے ہے کہ صلح حدیبیہ در حقیقت نبی کریمؐ کے خواب کی عملی شکل کی راہ میں پیش آنے والا ایسا انقلابی واقعہ ہے جس نے تاریخ اسلام میں ایک سنہرے دور کا آغاز کیا اور دنیائے انسانیت کو ایک ایسا درس دیا جس میں بظاہر شکست کی شکل میں فتح کا راز مضمر تھا، جس نے لوگوں کو جذبات کے بجائے دانش مندانہ اور حکمت سے بھرپور طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دی۔

صلح کی تمام شرطوں کے لکھے جانے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہؓ سے کہا کہ اونٹ کی قربانی پیش کرو اور حلق کراؤ لیکن صحابہؓ کے غصہ کا یہ عالم تھا کہ کسی نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ پھر بالآخر حضورؐ نے خود نحر اور حلق کرایا تو صحابہؓ نے بھی آپ ﷺ کی تقلید کی اور حلق کرایا اور پھر مدینہ کی طرف مسلمان لوٹ گئے۔ راستہ میں مسلمانوں کو فتح مبین کی بشارت سنا کر ان کا غصہ اور غم ہلکا کیا گیا۔

صلح حدیبیہ جو بظاہر شکست کی شکل میں تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے اس صلح کے ذریعہ اپنی بے بسی اور کمزوری کا اعتراف کر لیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس صلح سے فتوحات اسلامی کا آغاز ہوا اور بعثت رسولؐ کے عظیم مقصد کی تکمیل ہوئی جس کا اظہار اللہ نے ان الفاظ میں کیا: هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ۔ (الصّف: 9) ترجمہ: وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول اللہؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔

اس صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ دس سال تک آپس میں جنگ نہیں ہوگی، اس شرط کا مثبت اثر یہ ہوا کہ کفار مکہ تردد اور خوف کے بغیر مدینہ آنے لگے، اس طرح قریب سے اُنہیں مسلمانوں کے اخلاق و کردار اور عادات و اطوار کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا جو ان کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔

اس جنگ بندی کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اب تک قریش کے ساتھ جنگی الجھنوں میں پھنسنے کی وجہ سے مکہ اور مدینہ کے علاوہ دوسرے علاقوں اور ملکوں کی طرف آنحضرتؐ کو توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ جب قریش کی طرف سے اطمینان ہوا تو آپ ﷺ نے مختلف ملکوں کے سربراہوں اور بادشاہوں کو دعوتی خطوط ارسال کئے، چنانچہ دعوتی مشن کے تحت آپ ﷺ نے قیصر روم کے نام حضرت دحیہ کلبیؓ کے ذریعہ، کسریٰ کے نام حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے ذریعہ، بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کے پاس حضرت علاء بن حضرمیؓ کے ذریعہ، شاہ مصر مقوقس کے پاس حاطب ابن ابی بلتعہؓ کے ذریعہ اور شاہ حبش نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ الضمری کے ذریعہ دعوتی خطوط بھجوائے۔ ان سب کے علاوہ آپ ﷺ نے امیر بُصری، امیر دمشق، شاہ یمامہ اور دوسرے سربراہوں کو بھی دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور اُنہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا مثلاً شاہ حبش اور منذر بن ساوی وغیرہ نے اپنی قوم کے ساتھ اسلام قبول کر لیا اور بعض نے اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا اور بعض نے علی الاعلان دشمنی ظاہر کی جیسا کہ کسریٰ کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ان دعوتی خطوط کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عرب کی سرحد سے باہر بھی اسلام متعارف ہو گیا اور ایک دین کی حیثیت سے اسے تسلیم کیا جانے لگا۔ یہ بعثت رسولؐ کے مقصد کی تکمیل کی طرف بڑا قدم تھا کیوں کہ اسلام صرف عرب کے لیے نہیں بلکہ پورے عالم پر چھا جانے کے لیے آیا تھا۔ عملی طور پر اس کا اثر بھی نظر آنے لگا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد صرف دو سال کے عرصہ میں اس قدر مسلمان ہوئے جتنے کہ ابتدائے اسلام سے سولہ سال کے عرصہ میں ہوئے تھے۔ اسی لیے اللہ نے اس صلح کو فتح

سے تعبیر کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ شکست جیسی صلح کو فتح سمجھنا انسانی عقل سے بالاتر بات تھی اسی لیے حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے دریافت فرمایا: اوفتح ھٰذا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں یہ فتح ہے۔

صلح کی ایک شق یہ بھی تھی کہ جو شخص یا قبیلہ مسلمانوں سے دوستی کرنا چاہئے وہ مسلمانوں سے دوستی کر سکتا ہے اور جو چاہے قریش سے دوستی کر سکتا ہے اور اس طرح وہ لوگ بھی اس صلح کا حصہ ہوں گے۔

چنانچہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں کی مصاحبت اختیار کی جب کہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ جانا بہتر سمجھا۔ لیکن بنو بکر نے صلح سے انحراف کرتے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور کئی لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس عہد شکنی میں قریش نے بنو بکر کا ساتھ دیا۔ اس طرح صلح حدیبیہ کی قریش نے صریح خلاف ورزی کی اور جنگ بندی کا معاہدہ توڑ دیا۔ اس کے نتیجے میں فتح مکہ کی راہ ہموار ہو گئی۔

اگر بار یک بینی نظر سے صلح حدیبیہ کی شرطوں اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات صاف ہو جائے گی کہ حضورؐ کی نظر نے پہلے ہی اس کے مفید اثرات کو بھانپ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے اختلاف اور غصہ کے باوجود آپ ﷺ نے قریش مکہ کے ساتھ مصالحت کی راہ اختیار کی۔ اور بالآخر وہ پورا مکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا جس کے ایک حصے کعبۃ اللہ میں جانے سے مسلمانوں کو روکا گیا تھا۔

آج جب کہ پورے عالم میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف دشمن طاقتیں نبرد آزما ہیں طرح طرح کی سازشوں میں مصروف ہیں اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتی ہیں، صلح حدیبیہ ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ تشدد اور جبر و اکراہ اور جذبات کے بجائے حکمت و دانشمندی اور عقل مندانہ طرزِ عمل کے ذریعہ ہی عالم کے قلوب کو مسخر کیا جا سکتا ہے۔

غزوہ خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ کو مشرکین کی جانب سے تو اطمینان حاصل ہو گیا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ خیبر کے علاقے میں مسلمانوں کے استیصال کی تیاریاں ہو رہی ہیں، مدینہ سے جلاوطن ہونے والے قبیلہ بنو نضیر و قریظہ اس جگہ آکر مقیم ہوئے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف عداوت و دشمنی کے انگارے بھڑک رہے تھے اس لیے انہوں نے یہاں کے مقامی یہود کو بھی مسلمانوں کے خلاف تیار کر لیا جس کی وجہ سے خیبر اب مکہ کے بعد مسلمانوں کی عداوت کا سب سے بڑا مرکز بن کر ابھرا، قبیلہ غطفان کو انہوں نے اس شرط کے ساتھ اپنے ساتھ شریک کر لیا تھا کہ مدینہ کی نصف پیداوار تم کو دی جائے گی۔ ایسے ہی انہوں نے مدینہ میں رہے منافقین کو اپنا شریک و سہیم بنا لیا تھا جس سے یہ دور بیٹھے ہوئے بھی مسلمانوں کی ہر ہر حرکت سے باخبر تھے۔ اللہ کے ﷺ نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ کے وقت موجود تھے وہی لوگ اس جنگ میں شریک ہوں گے اور اس کے مال غنیمت میں وہی لوگ حصہ دار ہوں گے جو حدیبیہ میں شامل تھے، قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا۔ (سورہ فتح :15) ترجمہ: (جب تم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو یہ پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ تم سے ضرور کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں۔ تم ان سے صاف کہہ دینا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ پہلے

ہی فرما چکا ہے۔ یہ کہیں کہ نہیں تم لوگ حسد کر رہے ہو بلکہ یہ لوگ صحیح بات کو کم ہی سمجھتے ہیں)۔

اللہ کے رسولؐ کو جب یہود کی ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو آپؐ چودہ سو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ یہود نے میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے مقابلہ دشوار سمجھا اور قلعوں میں بند ہو جانے کو اختیار کیا۔ لشکر اسلام نے سب سے اول قلعہ ناعم پر حملہ کیا اور سخت کوشش و مقابلہ کے بعد یہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا اور اس کے بعد دیگر قلعے بھی ماتحتی میں آ گئے اگرچہ دو کا محاصرہ تقریباً دس روز جاری رہا بالآخر حضرت علیؓ کے ہاتھوں مرحب کا قلعہ بھی لشکر اسلام کے زیر نگیں آ گیا۔ اہل خیبر اپنے اہل و عیال کے ساتھ خیبر چھوڑ کر چلے جانے پر راضی ہو گئے تھے۔ مگر پھر گفت و شنید کے بعد اس شرط پر رہنے کے مجاز قرار پائے کہ زراعت و باغات کی نصف پیداوار وہ مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے تب یہ حضرت عمر فاروقؓ کے آخر عہد خلافت تک خیبر میں رہے۔ خیبر کے اس غزوہ میں 15 مسلمان شہید ہوئے 4 مہاجر، 11 انصار جب کہ 92 یہودی مارے گئے۔

غزوہ خیبر کے بعد 8ھ میں غزوۂ موتہ بھی پیش آیا، ہم تسلسل کے پیش نظر مختصراً اس غزوہ کا جائزہ لیں گے۔

غزوہ موتہ

اللہ کے رسولؐ نے ان تمام سلاطین کے نام دعوتی خطوط لکھے تھے جن کی سلطنتیں عرب کے ارد گرد واقع تھیں، ان دعوتی خطوط نے اکثر شہنشاہوں کے درباروں میں بہت ہی اچھا اثر کیا لیکن کچھ حکماء جو دشمنوں کی سازش اور مذموم کوششوں سے زیادہ متاثر تھے انہوں نے بجائے دعوت پر صلح و سلامتی کے کان رکھنے کے اور زیادہ مخالفت و عداوت پر مستعد ہو گئے انہیں بدبختوں میں سے ایک شرحبیل بن عمرو غسانی بھی تھا جو علاقہ بلقاء کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا۔

آنحضرتؐ نے حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھوں ایک خط قیصر روم کے پاس روانہ کیا ابھی یہ قاصد صحابی شام کے قریب مقام موتہ میں پہنچے تھے یہاں کے اس بدبخت حاکم (شرحبیل بن عمرو) جو قیصر روم کی طرف سے اس علاقے کا صوبہ دار تھا ان صحابی رسول کو گرفتار کر لیا اور یہ معلوم کرنے پر کہ آپ ﷺ کا خط لے جا رہے ہیں ان کو شہید کر دیا۔ یہ خبر جب مدینہ پہنچی تو مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا تب اللہ کے رسول نے اس کے قصاص کے لیے تین ہزار صحابہ کی فوج تیار کر کے اس سردار کی سرکوبی کے لیے زید بن حارثہؓ کی قیادت میں روانہ کی۔ چوں کہ دعوت اسلام ہی نبی ﷺ کا اصل مقصد تھا یہ بھی حکم دیا تھا کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دینا اگر قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔

جب صحابہ کی یہ فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو منافقوں نے شرحبیل کو اس کی اطلاع دے دی اور اس نے مقابلے کے لیے کم و بیش ایک لاکھ کی فوج تیار کی اور دوسری طرف خود قیصر روم بے شمار فوج لے کر بلقاء کے مقام تاب میں مقیم تھا۔ میدان موتہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا ایک طرف ایک لاکھ کا لشکر تھا اور دوسری طرف تین ہزار غازیان اسلام تھے۔ حضرت سپہ سالار زید بن حارثہ شہید ہو گئے ان کے بعد پے در پے حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جن کو مسلمانوں نے اللہ کے رسول کی وصیت کے مطابق سپہ سالار مقرر کیا تھا وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ لشکر اسلام نے خالد بن ولید کو اپنا سردار مقرر کیا، یہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی قبول اسلام کے بعد اسلام کے لیے پہلی جنگ تھی آپ نے دشمنوں کے اس عظیم لشکر پر کئی سمت سے حملے کیے اور اس جوانمردی سے مقابلہ کیا اور شام ہوتے ہوتے رومی فوج پسپا ہو

گئی۔ مسلمانوں نے کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔

8.3 فتح مکہ (8ھ مطابق 630ء)

صلح حدیبیہ کی بنا پر حلیف بننے کی جو آزادی ملی تھی اس میں قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا اور ان کے حریف یعنی بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کر لیا تھا ان دووں حریفوں میں مدت دراز سے مخاصمت تھی مگر ظہور اسلام سے وہ لڑائیاں رک گئی تھی کیوں کہ ظہور اسلام کے وقت سارا زور شمع اسلام کو بجھانے پر تھا اور جب صلح حدیبیہ نے لوگوں کو سکون کی سانس لینے کا موقع دیا تو بنو بکر کو پھر اپنی پُرانی دشمنی یاد آگئی اور وہ مسلمانوں کے حلیف یعنی بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے جس میں رؤسائے قریش نے ان کو علانیہ مدد دی، یہاں تک کہ حدود حرم میں بھی بنو خزاعہ کے لوگوں کا خون بہایا گیا تب قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے اللہ کے رسول سے مدد کی فریاد کی تب آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے وہ تین شرطیں یہ تھیں:

1. بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔
2. قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
3. اعلان کر دیا جائے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے تیسری شرط مانی یعنی صلح حدیبیہ کا جو معاہدہ تھا وہ ختم کیا جاتا ہے۔ تب اللہ کے رسولؐ نے مکہ جانے کی تیاری شروع کی اور اتحادی قبائل کے پاس بھی قاصد روانہ کیے اور 10، رمضان 8ھ کو 10 ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع مرالظہران میں پڑاؤ ڈالا اور یہ فوج دور دور تک پھیل گئی اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق تمام افواج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام وادی روشن ہو گئی، اب جب لشکر اسلام آگے بڑھا مکہ کی طرف تو اللہ کے رسول نے حضرت عباس سے فرمایا کہ ابوسفیان سردار مکہ کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو تا کہ اسلامی لشکر کا جلال اپنی آنکھ سے دیکھ لے۔ مکہ میں داخل ہو کر آپ نے یہ منادی کرا دی کہ ہر شخص رسول ﷺ کے عفو عام کا مستحق بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنا دروازہ بند کر لے یا بیت اللہ میں داخل ہو جائے یا پھر ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے۔ نبی اکرمؐ کی خاص عنایت و مہربانی کے باوجود بعض کفار اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور قریش کے ایک گروہ نے مقابلے کا قصد کیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ والے دستہ پر تیر برسائے جس سے تین صحابہ شہید ہو گئے تب حضرت خالد بن ولید نے جوابی حملہ کیا اور تیرہ لوگوں کو قتل کیا تب ان کو اس ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد اللہ کے رسولؐ مہاجرین و انصار کی اس جماعت کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ نماز کے بعد اللہ کے رسول مقام صفا میں ایک بلند مقام پر بیٹھے اور جو اسلام قبول کرنے آرہے تھے ان سے بیعت کی۔ باہر خانہ کعبہ کے صحن میں اسلام کے وہ سخت مخالفین جمع تھے جنہوں نے ابتداء اسلام میں مسلمانوں کو سخت سے سخت تکالیف سے دوچار کیا تھا آج وہ عفو و کرم کے منتظر بن کر کھڑے تھے۔ تاریخ و سیرت کتب شاہد ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے انتقامی جذبہ سے خالی ہو کر سوائے چند اشخاص کے عام معافی کا پروانہ دیا۔ فتح مکہ دین اسلام کے لیے ایک عظیم معرکہ ثابت ہوا، اس لیے کہ عرب کے دوسرے قبائل جو قریش مکہ پر ٹکٹکی باندھے ہوئے تھے لیکن مسلمانوں کی اس کامیابی اور ان کا

حسن واخلاق دیکھ کر مخالفت چھوڑ بیٹھے۔ فتح مکہ کے بعد کافی تیزی کے ساتھ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ غرض اس غزوہ نے بت کدوں کی مکمل طاقت کو نست و نابود کر کے رکھ دیا۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے پندرہ روز یہاں قیام فرمایا، اس فتح کے بعد سارا عرب اسلام کے قبضہ میں آگیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بیت اللہ کا طواف کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کمان تھی جس سے وہ بتوں کو گراتے جاتے اور یہ فرماتے رہے: ''جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا'' (اسراء: 81)(حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے)۔ خانہ کعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی قریش مکہ سے خطاب فرمایا:

''لوگو! اللہ نے جس دن آسمان کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام (حرمت والا شہر) ٹھہرایا۔ اس لیے وہ اللہ کی حرمت کے سبب قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی لیکن تمہیں اجازت نہیں دی ہے۔ اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا۔ پھر آج اس کی حرمت اسی طرح پلٹ آئی، جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ اب چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ پہنچادے۔''

بالآخر مکہ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اسلامی فوج بغیر کسی نقصان کے وادی مکہ پر قابض ہو گئی۔ اور اسلام کی قبولیت عام ہو گئی ، جس کے نتیجہ میں مختلف علاقوں نے بلا احتجاج اسلام میں داخل ہونے کو ترجیح دی وہیں کچھ قبائل نے مسلمانوں پر حملے کی کوشش کی جن میں غزوہ حنین نہایت اہم ہے۔

غزوہ حنین (8ھ مطابق 630ء)

غزوہ حنیں فتح مکہ کے فوراً بعد اور اسلام اور مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے ارادہ سے پیش آئی۔ جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا اور فتح مکہ اس کا سب سے بڑا سبب بنا کیوں کہ اس کے بعد بہت سے قبائل نے خود ہی پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا لیکن قبیلہ ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا ہی اثر ہوا اور انہوں نے سوچا کہ اب ہمارا نمبر ہے یہ دونوں قبیلے نہایت جنگ جو اور فنون جنگ سے زبردست واقف تھے انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ ایک عام حملہ مسلمانوں پر کیا جائے انتہائی جوش اور جذبہ کے ساتھ اس کی تیاری کی اور اپنا سب کچھ ساتھ لے کر نکلے تاکہ پیچھے ان کی حفاظت کا خیال ہی دل میں نہ آئے اور جوانمردی وجذبات سے مقابلہ کیا جا سکے۔

اللہ کے رسولؐ جب ان کی جنگی تیاریوں سے واقف ہوئے تو آپ ﷺ بھی بارہ ہزار کی جمعیت ساتھ لے کر حنین کی طرف بڑھے۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس سے قبل اتنی تعداد میں مسلمان کبھی کسی معرکہ کو سر کرنے کے لیے نہیں نکلے تھے اس لیے عام صحابہ اس تعداد پر نازاں ہوئے اور ان کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ 'آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے'۔ اللہ رب العزت کو مسلمانوں کی یہ ادا پسند نہ آئی اور اس پر ان کا مواخذہ ہوا اس طور پر کہ اول وہلہ میں مسلمانوں کی صفوں میں انتشار وبد نظمی پھیل گئی۔ جس سے دو ہزار نو مسلم بھاگ گئے، ان کو بھاگتا ہوا دیکھ کر مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ اور تنہا اللہ کے رسول ﷺ ہی میدان میں جمے رہے، لیکن جلد ہی اللہ کے رسول کی تحریک پر حضرت عباس متحرک ہوئے اور الگ الگ قبائل کا نام لے کر پکارا پھر ان کی

ترغیب پر مسلمانوں میں جو ہمت وجذبہ پیدا ہوا اس سے وہ اس جوش و خروش اور بہادری سے لڑے کہ میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مسلمان اس میں فتحیاب ہوئے۔

غزوہ تبوک (9ھ مطابق 630ء)

جنگ موتہ کی ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے غسانی بادشاہ نے ایک لشکرِ عظیم فراہم کر کے ہرقل روم سے امداد طلب کی۔ ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکرِ جرار غسانی بادشاہ کے پاس بھیجا اور خود بھی عظیم الشان فوج لے کر عقب سے روانہ ہونے کا قصد کیا۔ ابو عامر راہب مکہ سے قیصرِ روم کے پاس چلا گیا تھا۔ اس کا کام اور مقصد یہی تھا کہ قیصر کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسائے۔ ادھر اس نے منافقینِ مدینہ سے برابر خفیہ پیام کا سلسلہ جاری رکھا اسی کے دیئے ہوئے مشورہ کے مطابق منافقین نے مسجد ضرار کی تعمیر شروع کی تھی۔ غرض سرحدِ شام پر عیسائی فوجوں کے اجتماع اور قیصر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبریں متواتر مدینہ میں پہنچنی شروع ہوئیں۔ آپ ﷺ نے اس عیسائی حملہ کو ملکِ شام کی سرحد پر روکنا ضروری سمجھا کیونکہ ملکِ عرب کے اندر ہرقل روم کی فوجوں کے داخل ہونے سے یک لخت تمام ملک عرب میں بدامنی پیدا ہونے کا قوی احتمال تھا۔ نیز سرحد پر ایسے لشکرِ عظیم کا اجتماع کوئی ایسی بات نہ تھی کہ آپ ﷺ اس کو معمولی سی بات سمجھ کر خاموش رہتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عام طور پر قبائل کو اطلاع دی کہ ہرقل کی فوجوں کے مقابلے کے واسطے آ آکر شریکِ لشکر ہونا چاہئے۔ مسلمان اطرافِ ملک سے آ آکر مدینہ منورہ میں جمع ہونے شروع ہوئے۔

ماہ رجب 9ھ میں آپ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا تھا اور فرمایا کہ تم میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ بعض صحابی جو کسی وجہ سے آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ نہ ہو سکے تھے۔ آپ ﷺ کی روانگی کے بعد مدینے سے روانہ ہوئے اور راستے کی منزلوں میں شریکِ لشکر ہوتے گئے۔ بعض منافقین جو مسلمانوں کو بددل کرنے کے لیے شریکِ لشکر تھے، وہ راستہ کی مختلف منزلوں سے جدا ہو کر واپس ہوتے رہے۔ آپ ﷺ نے کسی کے حال سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔

جب لشکرِ اسلام چشمہَ تبوک پر سرحد شام میں پہنچ گیا تو وہاں قیام کیا۔ ہرقل آپ ﷺ کو پیغمبرِ حق سمجھتا تھا اس نے جب آپ ﷺ کے آنے کی خبر سنی توڈر کے مارے پیچھے ہٹ جانے میں بہتری سمجھی۔ عیسائی لشکر اور غسانی بادشاہ سب لشکرِ اسلام کی خبر سن کر ادھر ادھر چلے گئے اور میدان خالی چھوڑ گئے۔ تبوک مدینے سے چودہ پندرہ منزل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں آپ ﷺ نے بیس روز کے قریب قیام کیا۔ اسی عرصہ میں کئی قبائل کے سرداران آئے اور جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔

سرحد شام کے حاکموں اور رئیسوں سے اطاعت اور امن وامان رکھنے کا اقرار لے کر صحابہ کرامؓ سے آپ ﷺ نے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ اب اور زیادہ قیام اور انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہرقل اور اس کی فوجیں مرعوب ہو چکی ہیں۔ اگر ان میں ہمت ہوتی تو مقابلے پر آجاتے۔ آخر کار آپ ﷺ تبوک سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ ماہ رمضان 9ھ میں داخلِ مدینہ ہوئے۔

8.4 حجۃ الوداع

اذا جاء نصر الله والفتح ۔ ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا۔ فسبح بحمد ربك واستغفره انه كان تو ابا۔اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس سورہ کی تشریح چاہی، توعبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ "یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وفات کا اعلان ہے۔استغفار موت کے لئے مخصوص ہے۔"اس سورہ کے نزول سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وقت کم بچا ہے۔اس لئے یہ ضروری سمجھا کہ دنیاوالوں کے سامنے شریعت اور اخلاق سے متعلق تمام امور کا اعلان کر دیا جائے۔ مکہ سے ہجرت کے بعد آپ یہ فریضہ ادا نہیں کر سکے تھے کیوں کہ اہل مکہ والے رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا تو مصلحتاً یہ فرض ادا نہ ہو سکا۔10/ہجری ذی قعدہ میں اعلان کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔اس خبر کے پھیلتے ہی آپؐ کے ساتھ حج کرنے کے لئے ایک جم غفیر تیار ہو گیا۔26/ذوقعدہ کو آپ نے غسل کر کے چادر اور تہبند باندھی۔ ظہر کی نماز ادا کی اور باہر نکلے،ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ چھ میل کی دوری پر ذوالحلیفہ نامی جگہ ہے جو مدینہ والوں کی میقات ہے۔رات بھر اس مقام پر ٹھہرے اور دوسرے دن دوبارہ غسل کیا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھوں سے آپؐ کو خوشبو لگائی۔دو رکعت نماز ادا کی اور اونٹنی سوار ہو کر احرام باندھا اور یہ الفاظ فرمائے:لبیک اللهم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک۔ترجمہ:اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں ،اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت میں تیرا کوئی شریک نہیں۔

حضرت جابرؓ جنہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا(کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔

مکہ فتح کرنے کی غرض سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تھے تو جن جگہوں پر آپ نے نماز ادا کی تھی وہاں پر برکت کے خیال کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں آباد کر دی تھی۔ان مساجد میں آپؐ نماز ادا کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ سرف پہنچ کر غسل کیا اور ذی الحجہ کی چار تاریخ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ مدینے سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں مکمل ہوا۔بنو ہاشم کے بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا سن کر باہر نکل آئے تو آپؐ نے ان میں سے کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے اونٹ پر بیٹھا لیا۔کعبہ پر جب نظر پڑی تو آپؐ نے کہا:"اے خدا!اس کو گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے"۔کعبہ کا طواف کیا اور طواف کے بعد مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا اور قرآن کی یہ آیت پڑھی۔واتخذ من مقام ابراہیم مصلی(سورہ بقرہ:125)ترجمہ:مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔ان الصفا و المروۃ من شعائر الله(سورہ بقرہ:158)۔صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں۔صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر گئے اور یہاں بھی دعا و تہلیل کی۔ عرب کے لوگ حج کے دنوں میں عمرہ کو جائزہ نہیں سمجھتے تھے۔صفا و مردہ کے طواف وسعی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے ان لوگوں کو آپؐ نے عمرہ مکمل کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا۔کچھ صحابہ نے پرانی رسوم مالوفہ کی وجہ سے اس

حکم میں تاخیر کی تو آنحصرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :"اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا"۔اس سفر سے کچھ پہلے حضرت علیؓ یمن بھیجے گئے اسی دوران وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر پہنچ گئے اور ان کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے تو احرام نہیں اتارا۔ بروز جمعرات آٹھویں تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منی میں قیام کیا اور نویں ذی الحجہ کو صبح کی نماز پڑھ کر منی سے روانہ ہو گئے۔(سیرت النبی، شبلی نعمانی ج1ص464تا466)

8.4.1 خطبہ حجۃ الوداع

نویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے اور ناقہ پر سوار ہو کر مشہور وآخری خطبہ دیا جس کو اسلامی تاریخ میں خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے جانا جاتا ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنے کتاب "رحمت للعالمین" میں اس خطبے کو صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔ لوگو! تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمہیں عنقریب اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا، میں چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیا میٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں، وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔ وہ سب کا سب معاف ہے۔ لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور اللہ کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہے) نہ آنے دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔

لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور نہ کوئی جدید امت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور پنج گانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہایت خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجالاؤ اور اپنے اولیائے امور و حکام کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہو گے۔ لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا مجھے ذر بتلادو کہ تم کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا: ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دئے۔ آپ نے رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کھوٹے، کھرے کی بابت اچھی طرح بتلادیا۔(اس وقت) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا۔ آسمان کی طرف انگلی کو اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے۔(فرماتے تھے) اے اللہ! سن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں) اے اللہ گواہ رہنا(کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں۔ اے اللہ! شاہد رہ(کہ یہ سب کیسا صاف اقرار

کر رہے ہیں)۔ دیکھو! جو لوگ موجود ہیں، وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے۔"(رحمت للعالمین ج 1، ص 230-231)

8.5 فرہنگ

نبرد آزما ہونا: لڑنا، مقابلہ کرنا	شکست کھانا: ہارنا	کھوٹا: عیب دار

8.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- صلح حدیبیہ فتح مبین کی تمہید کے طور پر تھی۔ جس کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کا بہترین موقع ملا۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹنے کی وجہ بنو بکر کا بنو خزاعہ پر حملہ کرنا تھا۔
- جنگ موتہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہونے والی پہلی جنگ تھی۔ ملک شام کے حدود میں ہونے والی لڑائیوں میں قابل تذکرہ یہ پہلی لڑائی تھی اور حضرت خالد بن ولید کے اسلام لانے کے بعد یہ ان کی پہلی جنگ تھی۔
- فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول نے ان دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جن کی وجہ سے ہجرت کے لیے مجبور ہونا پڑا تھا۔
- خطبۂ حجۃ الوداع دراصل اسلام کا عالمی انسانی منشور ہے، جس میں عدل، برابری، خواتین کے حقوق، معاشرتی انصاف اور روحانی ہدایت کے اصول بیان کیے گئے۔ یہ خطبہ آج بھی پوری انسانیت کے لیے رہنمائی کا چراغ ہے۔

8.7 نمونۂ امتحانی سوالات

8.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. خطیبِ قریش کس کو کہا جاتا ہے؟

(a). سہیل بن عمرو (b). حی ابن اخطب (c). ابوسفیان (d). عتبہ بن ربیعہ

2. جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا اس وقت مکہ سے مسلمان ہو کر کون آئے تھے؟

(a). ابو جندل (b). ابو البصیر (c). مغیرہ بن شعبہ (d). تمام غلط

3. جب مسلمان رسول اللہ کے ساتھ مقام حدیبیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے کسے اپنا قاصد بنا کر مکہ بھیجا تھا؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

4. جنگ موتہ میں اسلامی لشکر کے پہلے سپہ سالار کون تھے؟

(a). زید بن حارثہؓ (b). اسامہ بن زیدؓ (c). مغیرہ بن شعبہؓ (d). ثابت بن اقرمؓ

5. فتح مکہ کا واقعہ کس سن ہجرہ میں پیش آیا؟

(a).5ہجری (b).6ہجری (c).8ہجری (d).9ہجری

8.7.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

1. صلح حدیبیہ کی شرائط لکھیے۔
2. بیعت رضوان پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. فتح مکہ کے اسباب پر اپنی معلومات قلمبند کیجیے۔
4. غزوہ خیبر کے اسباب ونتائج پر روشنی ڈالیے۔
5. غزوہ حنین پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

8.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. صلح حدیبیہ ''فتح مبین'' کیسے ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔
2. فتح مکہ کا واقعہ مفصلاً تحریر کیجیے۔
3. خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت وافدیت پر ایک تجزیاتی نوٹ لکھیں۔

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. سیرۃ النبی (جلد اول) : علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
2. تاریخ اسلام (جلد اول) : شاہ اکبر خاں صاحب نجیب آبادی
3. سیرۃ المصطفیٰ (جلد دوم) : مولانا محمد ادریس کاندھلوی
4. الرحیق المختوم : مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
5. رحمت للعالمین : قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

معروضی سوالات کے جوابات

1.A	2.A	3. C	4. A	5. C

اکائی 9: شخصیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 ولادت سے نبوت تک

9.3 شخصیت رسولؐ کی کاملیت

9.4 شخصیت رسولؐ کی جامعیت

9.5 شخصیت رسولؐ کی تاریخیت

9.6 ازواج مطہرات اور اولاد

9.7 فرہنگ

9.8 اکتسابی نتائج

9.9 نمونۂ امتحانی سوالات

9.9.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات

9.9.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

9.9.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

9.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

اس اکائی میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس طور پر کہ آپؐ کی نبوت سے پہلے کی جو چالیس سالہ مکی زندگی ہے اس کا نقشہ پورے طور پر سامنے آجائے، نیز اللہ کے رسولؐ کی شخصیت کے متعدد پہلوؤں کو اس اکائی میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ

- ایک آئیڈیل شخصیت کے لیے تاریخیت، کاملیت جامعیت اور عملیت جیسی جن شرائط کا ہونا ضروری ہوتا ہے، وہ سرکارِ دوعالمؐ میں کامل اور مکمل طور پر پائی جاتی ہیں، اس سے واقف ہو سکیں۔
- آپ ﷺ کی شخصیت ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، اس کے بارے میں جان سکیں۔
- نبی کریم ﷺ کی ازواج واولاد کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں

9.2 ولادت سے نبوت تک

تمام سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش واقعہ اصحابِ فیل کے باون یا پچپن روز کے بعد ہوئی۔آپ ﷺ عربی تاریخ کے مطابق بارہ ربیع الاول بروز پیر بوقت صبح صادق اور انگریزی تاریخ کے حساب سے 20، اپریل 571ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، اس حالت میں کہ آپ ﷺ کے سر پر والد کا سایہ نہیں تھا۔ پیدائش کے بعد اس زمانے کے دستور کے مطابق ولادت کے چند روز بعد قبیلہ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں، ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں، انہیں آپ ﷺ کو دودھ پلانے کا شرف حاصل ہوا۔ ولادت کے چوتھے یا پانچویں سال میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو حلیمہ سعدیہ گھبرا گئیں اور آپ ﷺ کو حضرت آمنہ کے حوالہ کر دیا۔ تقریباً چار سال حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس رہ کر مکہ واپس آئے۔

نبی ﷺ عمر کے چھٹے سال آپ کی والدہ آپ ﷺ کو لے کر مدینہ منورہ گئیں اور واپسی میں مقام ''ابواء'' میں وفات پا گئیں، یعنی چھ سال کی عمر میں والدہ محترمہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ مقام ''ابوا'' سے ام ایمن کے ساتھ مکہ واپس آئے اور دادا عبد المطلب کی کفالت میں آگئے۔ دادا آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے، ہر وقت آپ ﷺ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ایک قلیل عرصہ ہی ان کی کفالت میں گذرا تھا کہ ابھی آپ ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال ہے اور دادا بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تاریخ میں ہے کہ جب عبد المطلب کا جنازہ اٹھ رہا تھا تو آپ ﷺ فرطِ محبت سے روتے جا رہے تھے۔

عبد المطلب نے اپنے مرض الوفات میں اپنے بیٹے ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد کرتے وقت وصیت کی تھی کہ اپنے اس بھتیجے کی خبر گیری میں کوئی کوتاہی نہ کرنا، چنانچہ ایک طویل مدت تک چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کی سرپرستی کا حق ادا کیا، اس طور پر کہ محمدؐ کو والدین سے محرومی کا احساس تک نہ ہونے۔ حضورؐ کو وہ اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر عزیز رکھتے تھے اور کبھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ جب آپؐ کی عمر مبارک پندرہ سال ہوئی تھی تب ایک جنگ میں شرکت کی جس میں آپؐ کے سپرد یہ خدمت تھی کہ آپؐ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے، یہ جنگ حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔ بیس سال کی عمر میں قریش کے چند قبائل کے درمیان واقع ہونے والے ایک معاہدہ میں شرکت کی جو عبد اللہ بن جدعان کے گھر پر ہوا تھا جس میں سبھی نے مظلوم کی حمایت و نصرت کا وعدہ کیا کہ

مظلوم خواہ اپنا ہو یا پرایا، دیسی ہو یا پردیسی حتی الوسع اس کی اعانت وامداد سے دریغ نہ کرینگے۔اللہ کے رسولؐ اس معاہدہ میں پیش پیش تھے۔اس معاہدہ کی بنیاد انصاف اور رحم پر تھی۔تاریخ میں یہ ''حلف الفضول'' کے عنوان سے درج ہے۔

شام کے دوسرے سفر سے واپسی کے بعد جب آپؐ کی عمر 25 سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے اور محمد بن اسحاق کے بقول حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ آپؐ کی تمام ہی اولادیں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئیں۔ تیس سال کی عمر سے آپؐ کو کشف والہام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور پینتیس سال کی عمر میں آپ نے ایک اہم مقدمہ کے لیے فیصل کا کردار ادا کیا جس میں قریش حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کو لے کر حالت جنگ میں آگئے تھے۔ چنانچہ جب سب نے فیصلہ کیے لیے آپؐ کی طرف رجوع کیا تو آپ نے اپنی فراست سے ایسا فیصلہ کیا سب راضی ہو گئے۔(تفصیل کے لیے دیکھیے: اکائی 3)۔

الغرض آپؐ کے چاہے ایام طفولیت کے شب و روز ہوں یا پھر عہد شباب، مکی زندگی کا نبوت سے پہلے کا دور بھی بے مثال ہے، یعنی اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہے کہ جن اوصاف حمیدہ واخلاقِ فاضلہ کی بنیاد پر ایک کامل انسان کا نقشہ سامنے آتا ہے وہ سب آپؐ کی زندگی میں وحی الٰہی کے باضابطہ آغاز سے قبل ہی نمایاں ہو جاتے ہیں، مشرکانہ عقائد واعمال سے اجتناب، غرباء ومساکین کے ساتھ حسن سلوک، یتیموں وبیواؤں سے ہمدردی، جھوٹ سے نفرت، ظلم وناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج، عدل وانصاف کے قیام کے لیے عملی اقدامات، بڑوں کی عزت وتکریم، چھوٹوں سے شفقت ومحبت وغیرہ وہ اخلاق فاضلہ ہیں جن کا تجربہ ومشاہدہ اپنوں کے ساتھ ساتھ غیروں کو بھی نبوت سے قبل مکی زندگی میں ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اعدائے اسلام نے نبوت سے پہلے ہی مکی زندگی میں آپؐ کو صادق اور امین کے القاب سے نوازا تھا گویا آپؐ کی زندگی تمام ہی غلاظتوں سے پاک تھی، ایسا اس لیے تھا کہ مشیت ایزدی میں آپؐ خاتم النبینؐ تھے اور مشیت الٰہی ہی کے مطابق آپؐ کی پرورش ہو رہی تھی تب ہی تو آپؐ نبوت سے قبل ہی ایسی صفات حسنہ واخلاق عالیہ سے آراستہ ہو جاتے ہیں کہ قوم آپؐ کو صادق اور امین کے القاب سے پکارتی ہے۔

9.3 شخصیت رسولؐ کی کاملیت

کسی کی زندگی چاہے کتنی بھی تاریخی ہو جب تک وہ کامل نہ ہو، دوسروں کے لیے نمونہ نہیں بن سکتی اور کسی کی زندگی کا کامل ہونا اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس کی زندگی کے تمام اجزاء ہمارے سامنے نہ ہوں۔ اللہ کے رسولؐ کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لیکر وفات تک صحابہ کے سامنے رہا جس کو بعد میں تحریر میں لے آیا گیا اور تاریخ عالم کے سامنے ہے، آپؐ کی زندگی کا مختصر سے مختصر گوشہ بھی آپؐ کے وطن کے اشخاص کی نظروں سے اوجھل نہیں تھا یعنی پیدائش، بچپن، جوانی، شادی، سفر شام وغیرہ جو نبوت سے قبل کے واقعات ہیں یا دعوت وتبلیغ، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوات ووفات یعنی نبوت کے بعد کے حالات میں سے کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس سے اہل سیر و تاریخ واقف نہ ہوں یہاں تک کہ نبوت کے بعد والی زندگی کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، دوستی، دشمنی، اوڑھنا، بچھونا، چلنا، پھرنا، سفر، حضر، خلوت، جلوت، دن کا روزہ، رات کی عبادت یہاں تک کہ قد وقامت اور خانگی تعلقات کے تمام احوال کتب سیر میں موجود ہیں۔

زوجہ سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کے رسولؐ پر سب سے اول آپؐ کی بیوی ہی ایمان لائی، حضرت خدیجہؓ نبوت سے قبل پندرہ برس تک آپؐ کی زوجیت میں رہ چکی تھیں اور آپ کے ہر حال اور ہر کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں، اس کے باوجود جب آپؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے سب سے پہلے اس دعویٰ کی سچائی کو تسلیم کیا۔ بڑے سے بڑا انسان یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی اہلیہ کو اجازت دیدے کہ تم میری ہر بات اور ہر حالت کو ظاہر کر سکتی ہو اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ ایک نہیں نو بیویاں تھیں اور ہر ایک کو یہ اجازت تھی کہ وہ جو خلوت میں دیکھے اُسے جلوت میں بیان کر دے، جو رات کی تاریکی میں دیکھے اُسے دن کے اُجالے میں لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے اس اخلاقی وثوق اور اعتماد کی مثال اللہ کے نبی کے علاوہ کیا کسی کی زندگی میں مل سکتی ہے نہیں ہر گز نہیں۔

مذکورہ بالا احوال اللہ کے رسولؐ کے ذاتی تھے یہی حال آپؐ کے معمولات، عبادات واخلاق اور معاملات کا ہے کہ آپؐ خواہ تنہائی میں ہوں یا مجمع میں، مسجد میں ہوں یا میدان جہاد میں، دن میں ہوں یا رات میں ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت و کیفیت ہو سب کو منظر عام پر لایا جائے۔

مسجد نبویؐ میں ایک چبوترہ ان عقیدت مندوں کے لیے تھا جن کے پاس رہنے کے لیے گھر نہ تھا وہ باری باری سے دن میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی روٹی حاصل کرتے، سارا وقت آپؐ کے ملفوظات سننے، آپؐ کے حالات دیکھنے اور آپؐ کی معیت میں گذارتے تھے ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی تھی، ان ہی میں سے حضرت ابوہریرہؓ ہیں جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایات نہیں ہیں، ان حضرات کا کام ہی یہ تھا کہ آپؐ کے حالات دیکھتے اور دوسروں سے ان کو بیان کرتے۔ دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام مسلمانوں کی آبادی مسلسل دس برس تک آپؐ کی ایک ایک حرکت کو دیکھتی رہی اور دیکھنے کے بعد نہ صرف ان کو بیان کی اجازت تھی بلکہ بیان کا تاکید اور حکم تھا۔

اللہ کے رسولؐ کی شخصیت ایسی کامل ہے جس کی کاملیت کا اعتراف دشمنوں کو بھی تھا جیسا کہ جب آپؐ مکہ میں رہے اور دعویٰ نبوت سے قبل چالیس سال ان لوگوں کے درمیان گذارے۔ جو ایک طویل زمانہ ہے جس میں بہت سے حالات آتے ہیں مگر آپؐ کو اس درمیان ان لوگوں کی طرف سے جن کے ساتھ رہ رہے ہیں، صادق اور امین کا خطاب ملتا ہے۔ جب آپؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو قریش نے غصہ ظاہر کیا، دشمنی کی، مخالفت کی، قتل کی سازش مگر آپؐ کے اخلاق واعمال پر ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکے جبکہ دعویٰ نبوت کو توڑنے کے لیے کفارِ قریش نے اپنی دولت لٹائی، جانیں گنوائیں، اولادیں قربان کیں لیکن یہ نہیں کر سکے کہ آپؐ کے اخلاق ومعاملات غلط ثابت کر سکیں جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ جو دوستوں کی نگاہوں میں تھے وہی دشمنوں کی نظروں میں بھی تھے پردہ میں کچھ نہ تھا۔ آپؐ نے اپنے حالات اور واقعات پر پردہ ڈالنے کی کبھی کوئی کوشش نہ کی، آپؐ جیسے تھے سب کے سامنے تھے اور اسی طرح آپ کے حالات وواقعات کتب حدیث میں موجود ہیں اور قیامت تک ایسے ہی رہیں گے۔

قرآن کریم نے اللہ کے رسولؐ کی زندگی کو مسلمانوں کے لیے نمونہ بتایا اور اس کی پیروی کو خدائی محبت کا ذریعہ بتایا جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: 4) (اے لوگوں اگر تم خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری

اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا)۔

یعنی آپ ؐ کی اتباع کو خدائی محبت کا معیار بتایا اس لیے کہ ہر چیز میں، ہر حالت میں، ہر کیفیت میں اتباع کرنا مشکل امتحان ہے، اس اتباع کے امتحان میں اولاً صحابہ کھرے اترے اور اسی جذبہ نے صحابہ وتابعین، تبع تابعین، محدثین، مؤرخین اور اربابِ سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا کہ وہ ایک ایک بات، ایک ایک چیز معلوم کریں اور آنے والی نسلوں کو بتائیں تاکہ اپنی کوشش بھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اللہ کے رسول ؐ کی زندگی مسلمانوں کی نگاہوں میں کامل ہے تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال کا معیار یقین کیا ہے۔

محمد عربی ﷺ کی شخصیت تمام کمالات کا مجموعہ تھی، کتب سیرت کے مطالعہ معلوم ہوتا ہے کہ آدم ؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کمالات فرداً فرداً عطا کئے گئے وہ سارے کمالات اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کی ذات میں جمع کردیئے تھے۔ آپ ﷺ کو آدم ؑ کا خلق، شیث ؑ کی معرفت، نوح ؑ کا جوش تبلیغ، ابراہیم ؑ کا ولولہ توحید، اسماعیل ؑ کا ایثار، صالح ؑ کی فصاحت، حضرت لوط ؑ کی حکمت، موسیٰ ؑ کا جمال، یعقوب ؑ کی تسلیم ورضا، داؤد ؑ کی آواز، ایوب ؑ کا صبر، یونس ؑ کی اطاعت، دانیال ؑ کی محبت یوسف ؑ کا حسن، یحییٰ ؑ کی پاک دامنی، عیسیٰ ؑ کا زہد جیسے تمام اوصاف یکجا جمع کردیئے گئے تھے جس سے بآسانی یہ کہا جاسکتا ہے کہ شخصیت رسول ؐ تمام ہی کمالات کا مجموعہ تھی۔

9.4 شخصیت رسول ؐ کی جامعیت

اللہ کی رسول ؐ کی سیرت انتہائی جامع ہے یعنی انسانوں کے تمام طبقات کے لیے آپ ؐ کی سیرت میں نصیحت اور سبق موجود ہے چاہے وہ سبق حاصل کرنے والا حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، مہمان ہوں یا میزبان ہر ایک کے لیے سیرت رسول ؐ میں درس عبرت ہے کیونکہ ایک حاکم کے لیے محکوم کی زندگی مثال نہیں بن سکتی ویسے ہی اس کا برعکس، ایک امیر کے لیے غریب کی زندگی نمونہ نہیں بن سکتی ایسے ہی غریب کے لیے امیر کا طرزِ عمل مثال نہیں بن سکتا، اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ پیغمبر کی سیرت جامع ہو ہر ایک کے لیے جو مختلف مناظر کے رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ ہو اور اللہ کے رسول ؐ کی سیرت میں زبردست جامعیت ہے یہاں تک کہ ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال جیسے اٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا، ہنسنا، رونا یعنی تمام افعالِ جسمانی کے لیے نمونوں کی ضرورت تھی اللہ کے رسول ؐ کی سیرت میں ان سب احوال کے لیے بھی رہنمائی موجود ہے۔

اللہ کے رسول ؐ کی شخصیت ایسی جامع ہے کہ ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی کے لیے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہے، اس لیے کہ اگر امیر ہو تو مکہ کے تاجر کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو اور اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر سے دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر وحنین کے سپہ سالار کو دیکھو اور اگر شکست کھائے ہو تو معرکہ احد درس عبرت رکھتا ہے، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے کو دیکھو اور اگر استاذ ہو تو صفہ کے معلم پر نظر کرو، اگر واعظ ومقرر ہو تو مسجد نبوی ؐ کے ممبر پر وعظ کرنے والے کی نصیحت پر کان رکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ وآمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر جوان ہو تو محمد عربی ؐ کا دورِ شباب پڑھو، اگر کسی معاملہ میں ثالث وفیصل بن رہے ہو تو حجر اسود کی تنصیب کا فیصلہ پڑھو، اگر

شوہر ہو تو حضرت خدیجہؓ وحضرت عائشہؓ کے شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے والد کا حال دیکھو، غرض تم جو کچھ بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو تمہارے لیے نمونہ موجود ہے اس لیے طبقۂ انسانی کے ہر طالب علم اور نورِ ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے آپؐ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

محمد عربی ﷺ کی شخصیت کے جامع ہونے کے پہلو کو ہم اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ دنیا میں جو دنیوی علوم کی تعلیم گاہیں ہیں ان میں سے کچھ وہ ہیں جہاں صرف ایک فن کی تعلیم دی جاتی ہے جس سے اس میں تعلیم حاصل کرنے والے اس فن کے حاذق وماہر ہو جاتے ہیں جیسے کہیں میڈیکل کالج ہے، کہیں انجینئرنگ کالج ہے، کہیں ایگریکلچر کالج ہے وغیرہ ان میں سے ہر تعلیم گاہ سے ایک ہی قسم کے طلبہ نکلیں گے یعنی میڈیکل سے صرف ڈاکٹر، انجینئرنگ کالج سے انجینئر اور ایگریکلچر کالج سے زراعت کے ماہرین علیٰ ھٰذالقیاس۔ دوسری قسم ان تعلیم گاہوں کی ہے جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتی ہیں۔ یعنی بڑی بڑی یونیورسٹیاں جن میں مختلف شعبہ جات ہوتے ہیں اور ایک ہی ادارہ سے ڈاکٹر بھی، انجینئر بھی، فلاسفہ، ادیب بھی، زراعت کے ماہرین بھی، قانون داں بھی سبھی نکلتے ہیں اب توجہ طلب امر یہ ہے کہ صرف ایک ہی تعلیم، ایک ہی پیشہ اور ایک ہی علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی، بلکہ ان سب کے مجموعہ سے سوسائٹی کمال کو پہنچتی ہے۔ اگر صرف ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے دنیا بھر جائے تو اس دنیا کا نظام درھم برہم ہو جائے گا۔ اب دیکھیے اس درسگاہ نبوت کو کہ کیا وہاں صرف ایک فن کی تعلیم ہو رہی تھی یا تمام علوم وفنون کی معدن یونیورسٹی تھی جہاں ذوق طبع واستعداد کے مطابق ہر قوم، قبیلہ وملک کے لوگ تعلیم حاصل کر کے دنیا وآخرت کو سنوارتے ہیں۔ نیز مقصد سامنے ہوتا ہے دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا کے نام کی اونچائی۔ تعلیم انسانی کی اگر ہم ان درسگاہوں پر نگاہ ڈالتے ہیں جن کے اساتذہ انبیاء علیہم السلام ہیں تو کہیں تعداد دس ہے، کہیں بیس ہے، کہیں تعداد سینکڑوں میں ہے اور کہیں ہزاروں میں ہے، لیکن جب مدرسہ نبوت کی آخری تعلیم گاہ کو دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم بیک وقت ہیں۔

مطالعہ فطرت کے بعد انسان کو اس بات کا کامل یقین ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کامل کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسولؐ کی جامع شخصیت کے علاوہ کوئی آخری، دائمی اور عالمگیر رہنما نہیں ہو سکتا ہے اسی لیے اعلان فرمایا گیا کہ ''اگر تم خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو'' اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، رعایا ہو تو میری پیروی کرو، معلم ہو تو میری پیروی کرو، امیر ہو تو میری پیروی کرو، غریب ہو تو میری پیروی کرو، مظلوم ہو تو میری اتباع کرو، عابد ہو تو میری پیروی کرو، قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو، غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لیے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو یعنی محمدؐ کی ذات والا صفات تمام انسانی کمالات اور صفاتِ حسنہ کا ایک جامع نمونہ ہے۔

9.5 شخصیت رسولؐ کی تاریخیت

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول عام اور سند یافتہ سیرت تمام شکوک وشبہات سے پاک ہے، یہ بات صرف مسلمانوں کے

درمیان ہی نہیں غیروں میں بھی مسلم ہے کہ مذہب اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی اللہ کے رسولؐ کی ذات سے تھا، اس کی اس طرح سے حفاظت کی ہے کہ دنیا حیرت میں ہے، ان حضرات کو جو آپؐ کے اقوال، افعال اور تقریرات کو تحریر اور تدوین کرنے کا فریضہ انجام دے رہے تھے راویانِ حدیث، محدثین اور اربابِ سیر کہتے ہیں جن میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد میں چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں۔ جب تمام سرمایہ روایت تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام ونشان، تاریخ، زندگی، اخلاق وعادات کو بھی ضبط تحریر میں لے آیا گیا جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعۂ احوال کا نام ''اسماء الرجال'' ہے۔ اگر دنیا میں تحریری سرمایہ ہی قابل وثوق ہو سکتا ہے تو خود عہد نبویؐ میں صحابہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو جمع کیا اور بعد والوں کے لیے یادگار چھوڑا اور پھر بعد والوں نے اس کو کتابوں میں تحریر کر لیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہؓ کی زندگی میں تابعین نے ان تمام روایات، واقعات اور حالات کو ایک ایک سے معلوم کر کے ہمارے لیے فراہم کر دیا تھا۔

سیرتِ مبارکہ کے اس تاریخی پہلو کا سب سے اہم اور سب سے مستند اور صحیح مآخذ خود قرآن کریم ہے جس کی صحت واعتبار میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اللہ کے رسولؐ کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبل نبوت کی زندگی، یتیمی، غریبی، اعلان نبوت، تبلیغ، معراج، ہجرت، غزوات سبھی اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر دوسری کوئی موجود نہیں ہے اس لیے کہ اللہ کے رسولؐ کی سیرت کو صرف زبانی اور تحریری یادداشت پر ہی محدثینِ سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی بلکہ اس فن کے بڑے بڑے اماموں نے تعلیم کی غرض سے حلقۂ درس قائم کیے اور اس وقت سے لے کر آج تک ہر ملک میں، ہر زبان میں آپؐ کے حالات، واقعات، ارشادات پر کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جارہی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کتاب دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کے مقابلے زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے، سیرت نبویؐ کی ابتدائی کتب ہر مصنف سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سن کر، پڑھ کر اور ہر ہر حرف کو سمجھ کر دوسروں کو پہنچایا ہے جس سے بآسانی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ کے رسولؐ کی شخصیت کو جو تاریخیت ملی ہے وہ کسی دوسرے نبی کے حصہ میں بھی نہیں آسکی ہے۔

جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسانات کیے ہیں وہ سب ہی شکریہ کے مستحق ہیں لیکن سب سے زیادہ جن شخصیات کے احسانات ہیں وہ انبیاء علیہم السلام ہیں جنہوں نے اپنے ادوار میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسب اخلاق عالیہ اور صفاتِ کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا کہ کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے جوش توحید، کسی نے تسلیم ورضا، کسی نے عفت وپاکدامنی اور کسی نے زہد غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پُرپیچ زندگی کے راستہ میں ایک ایک مینار قائم کر دیا ہے جو صراطِ مستقیم کا پتہ بتاتا ہے مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہبر اور رہنما کی جو اول سے آخر تک پوری راہ کو اپنی ہدایات اور عملی مثالوں سے واضح کر دے اور ہمارے ہاتھوں میں پوری عملی زندگی کی ایک رہبر کتاب دیدے جس سے ہر مسافر منزل مقصود راستہ تلاش کر سکے۔ یہ رہنما سلسلہ انبیاء کے آخری فرد جناب محمد عربیؐ ہیں۔

محمد عربیؐ کی شخصیت عالم میں خدا کی تعلیم وہدایت کی شاہد ہے، نیکوکاروں کو فلاح وسعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں اور جو غافل ہیں ان کے لیے نذیر ہیں، بھٹکنے والوں کے لیے اللہ کی طرف پکارنے والے داعی ہیں یعنی آپؐ کی ذات وہ روشنی ہے جو راہ کی

تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے ویسے تو خدا کا ہر پیغمبر شاہد، مبشر، داعی، نذیر اور سراج منیر بن کر اس دنیا میں آیا ہے مگر یہ تمام صفات سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں و نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں بہت سے خصوصیات کے ساتھ شاہد تھے، کچھ خصوصیت کے ساتھ نذیر تھے اور بعض خصوصیت کے ساتھ داعی حق تھے لیکن جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراج منیر سب کچھ بیک وقت تھے اور جس کی حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے وہ صرف اور صرف آپؐ کی شخصیت ہے۔

اللہ کے رسولؐ عملی یعنی اخلاقی اعتبار سے بھی اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جیسا کہ حضرت خدیجہؓ کے اسلام لانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کے دعویٰ نبوت سے قبل وہ آپؐ کی زوجیت میں پندرہ سال رہ چکی تھیں جو ایک طویل عرصہ ہے ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے تو آپؓ نے اس طرح سے آپؐ کو پہچان لیا تھا کہ ادھر زبان مبارک سے نبوت کی خبر نکلتی وہیں حضرت خدیجہؓ کا دل اس تصدیق پر فوراً آمادہ ہو جاتا ہے۔ آپؐ کی بلند اخلاقی کی شہادت باری تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں دی ہے یہ کہہ کر اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ (بیشک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے)۔

سرکارِ دو عالمؐ نے جو کہا وہ کر کے بھی دکھایا ہے یعنی آپؐ کے فرمودات خوشنما الفاظ کا مجموعہ نہیں تھے بلکہ آپؐ کے عزم صادق کا اظہار ہوتے تھے مثلاً آپؐ نے روزوں کا حکم لوگوں کو بتایا کہ عام مسلمانوں پر سال کے ایک ماہ کے روزے فرض ہیں مگر خود کی کیفیت یہ تھی کہ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں ہوتا تھا یا آپؐ نے لوگوں کو صدقات و خیرات کی طرف رغبت دلائی اور خود آپؐ نے زہد و قناعت اور ایثار کی تلقین کی اور ساتھ ہی ساتھ اس کا نمونہ بھی پیش کیا۔ یہی حال خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کا ہے کہ آپؐ ایک ایسی جاہل قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہ کرتے تھے مگر آپؐ نے کبھی اس کی پروانہ کی اور عین حرم میں جا کر توحید کی آواز بلند کی جس کے نتیجے میں تکلیف دینے کی جو بھی شکلیں اس وقت کے حساب سے ہو سکتی تھیں کفار نے ان تمام کو اختیار کیا مگر آپؐ کے قدم میں ذرہ بھی لغزش نہ ہوئی اگرچہ موقع ایسا بھی آیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے مگر خدا کی نصرت پر کامل اعتماد اور بھروسہ رکھنے والی آپؐ کی ذات پہاڑ کی طرح اپنی جگہ ثابت قدم رہی جیسا کہ میدان احد میں ہوا کہ اکثر مسلمان حواس باختہ ہو گئے تھے جس سے قدم پیچھے ہٹا لئے مگر آپؐ اپنی جگہ پر تھے پتھر کھائے، تیروں اور تلواروں کے حملے ہو رہے تھے، خود کی کڑیاں سر مبارک میں دھنس گئی تھیں، دندان مبارک شہید ہو گیا تھا یعنی چہرۂ اقدس زخمی ہو رہا تھا مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا بلکہ خدا ہی کی نصرت و مدد پر اعتماد رکھا کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری پر پورا یقین تھا۔

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی جو مثالیں آپؐ کی زندگی میں ملتی ہیں، ان کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ انسانی عاجز و قاصر ہے مثلاً ابوسفیان جو جنگ بدر، احد اور جنگ احزاب جیسی لڑائیوں کا سرغنہ ہوتا ہے یہاں تک کہ کئی مرتبہ وہ آپؐ کے قتل کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے، یعنی اس کا ہر قدم اسلام دشمنی کا غماز ہوتا ہے لیکن فتح مکہ میں جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپؐ کے سامنے آتا ہے گو کہ اس کا ہر جرم اس کے قتل کو دعوت دیتا ہے مگر آپؐ کا عفو عام ابوسفیان سے کہتا ہے ڈر کا مقام نہیں ہے محمد الرسول اللہؐ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں اور نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں بلکہ فرمایا جاتا ہے جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے لے گا وہ بھی امن میں ہے۔

وحشی جو حضرت حمزہؓ کا قاتل ہے فتح طائف کے وقت وہاں سے کہیں چلا جاتا ہے پھر جب وہ مقام بھی فتح ہو جاتا ہے اور اُسے کوئی جائے پناہ نظر نہیں آتی لوگ اس کو کہتے ہیں کہ تم نے محمدؐ کو پہچانا نہیں، تمہارے لیے ان کے آستانے سے بڑھ کر کوئی دوسری جگہ امن کی نہیں ہو سکتی، چنانچہ وحشی حاضر ہوتا ہے، آپؐ دیکھتے ہیں اور آنکھیں جھکا لیتے ہیں عزیز چچا کی شہادت کا منظر سامنے آجاتا ہے، آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، قاتل سامنے موجود ہے مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

سفر طائف کی وہ مشکلات جن کو بھلانا بھی آسان نہ تھا جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے نو برس کے بعد ایک دن معلوم کیا کہ یا رسول اللہؐ تمام عمر میں آپؐ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا آیا تب آپؐ نے اسی طائف کے سفر کا حوالہ دیا تھا مگر جب وہی عبد یالیل طائف کا وفد لے کر مدینہ میں حاضر ہوتا ہے تو آپؐ اس کو اپنی مقدس مسجد میں ہی ٹھہراتے ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر صحن حرم میں قریش کے باقی ماندہ تمام سردار مفتوحانہ انداز میں کھڑے ہیں ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں ہر طرح کا زور آزما چکے تھے، وہ بھی جو آپؐ کے ساتھ گستاخیاں کرتے تھے، جنھوں نے آپؐ کے قتل کے مشورے کیے تھے، جنھوں نے آپؐ کے عزیزوں کا ناحق خون کیا تھا، وہ بھی جو غریب مسلمانوں کو ستانے میں پیش پیش رہتے تھے وہ سب مجرمین سرنگوں تھے اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا جو آپؐ کے ایک اشارہ کا منتظر تھا مگر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: "تم سب آزاد ہو"۔

یہ ہے دشمنوں کو معاف کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک، یہ اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم جو صرف خوش بیانیوں تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

مذہبِ اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے نیز اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے، تمام دنیا میں یہ فخر صرف اور صرف پیغمبر اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے چنانچہ طریقۂ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے کہ: "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ بیوی، بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دی جاتی ہے: خیرکم خیرکم لاھلہٖ واناخیرکم لاھلی (تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لیے سب سے اچھا ہو اور میں اپنے بیوی بچوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں)۔

آپؐ نے مساوات، اخوت انسانی اور جنس انسانی کی برابری کی عملی مثال پیش کی، عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی و کمی کا حد درجہ لحاظ تھا لیکن زبان نبوت نے اعلان کیا کہ: "تم سب آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو اور وہ مٹی سے بنے تھے، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم میں افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔ تو اس تعلیم نے دفعتاً سب کو ایک فہرست میں لا کھڑا کیا اور خود آگے بڑھ کر اس کی مثالیں پیش کیں جن امثلہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آدمؑ سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر ایک نبی کی مصلحانہ زندگی کا نمونہ آپؐ کی شخصیت میں موجود ہے اسی لیے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب: 21) (لوگوں تمہارے لیے خدا کے رسولؐ کی زندگی میں بہتر پیروی ہے)۔

حیاتِ نبوی ﷺ

تمام اہل سنت والجماعت کااجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اورعبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے،اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات توعام مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ مردے سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے، مقتولینِ بدر سے آپ کا خطاب فرمانا صحیحین اور تمام کتب حدیث میں مذکور اور مشہور ہے۔

جس طرح انبیاء کرام اس حیات دنیویہ میں مشغول عبادت تھے اسی طرح اس حیات برزخیہ میں بھی مشغولِ عبادت ہیں، بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں آخری قید محط کلام ہوتی ہے لہٰذا ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون''میں مقصودِ کلام صلوٰۃ اور عبادت فی القبر کا بیان کرنا ہے،اصل حیات امر مفروع ہے 'یصلون' سے پہلے حیات کاذکر محض تمہید کے لیے ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجسامِ مطہرہ اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوگئے لیکن وہی اجسام حسب سابق مشغول عبادت ہیں اوراعمالِ حیات اور اشغال زندگی بدستور جاری ہیں اور اعمال واشغال میں نماز کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ ایمان کے بعد درجہ نماز کا ہے اور نماز انبیاء کرام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔غرض یہ کہ حضرات انبیاء کرامؑ کی حیات جسمانی ہے، محض روحانی نہیں،اس لیے مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع اور ادراک حضرات انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے تمام افراد اورآحاد بشر کے لیے ثابت ہے اور حدیث سے مقصود انبیاء کرام کی خصوصیت اوران کا امتیاز بیان کرنا ہے، حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارادرود میرے سامنے پیش کیا جاتاہے، صحابہؓ نے عرض کیا: 'ہمارا صلوٰۃ وسلام آپ پر کیسے پیش ہوگا حالانکہ وفات کے بعدآپ کا جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوچکاہوگا،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایاکہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔اس حدیث کوابوداؤدنے روایت کیا،امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے''۔

سنن ابن ماجہ میں ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز خاص طورپر مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو،جمعہ کادن یوم مشہود ہے جس میں ملائکہ بکثرت حاضر ہوتے ہیں۔جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا وہ مجھ پر پیش کیاجائے گا،ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''قال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق''۔(کیابعد موت کے بھی آپؐ پر ہمارادرود پیش ہوگا۔آپؐ نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیاہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔پس اللہ کاہر نبی قبر میں زندہ ہے اور اللہ کی طرف سے اس کورزق دیاجاتاہے)۔

شیخ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کایہی عمل تھا کہ آپؐ کے ادب اور تعظیم میں مسجد نبویؐ میں آواز بلند نہیں کرتے تھے(کماقال تعالیٰ ان الذین یغضون اصواتھم عندرسول اللہ اولئك الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ)۔

سیدالملائکہ سیدنا جبریل امین ایک مرتبہ حضور پر نورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بصد ادب آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر عرض کیا: یارسول اللہؐ اجازت ہو توآپ سے قریب ہوجاؤں،آپ نے اجازت دی، جبریل امینؑ نے حضور پر نورؐ کے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر آہستہ

آواز سے عرض معروض کی۔اور اسی طرح مرض الوفات میں جب ملک الموت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو بصد ادب و نیاز پست آواز سے قبض روح کی اجازت چاہی۔

ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"من صلی علی عندقبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته"۔(جو شخص میری قبر کے قریب سے مجھ پر درود پڑھتا ہے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور دراز سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ کو (بذریعہ فرشتوں کے) پہنچادیا جاتا ہے)۔اور ظاہر ہے کہ قریب اور بعد کا یہ فرق حیات جسمانی کے اعتبار سے ہے نہ کہ حیات روحانی کے اعتبار سے۔

اور مسند بزار میں بسند جید عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

9.6 ازواج مطہرات اور اولاد

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے خصوصی حکم کے تحت متعدد نکاح فرمائے،ان میں بعض نکاح ان لوگوں کی قربانی کا حق ادا کرنے کے لیے تھا، جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے لیے قربان کر دیا تھا، جیسے حضرت عائشہ بنت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ۔ بعض نکاح آپ ﷺ نے ان خواتین کی دل داری کے لیے فرمایا جنہوں نے اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا،اور وہ بے سہارا ہو گئی تھیں، جیسے حضرت (اُم حبیبہ) رملہ بنت ابی سفیان۔ بعض نکاح کا مقصد اس قبیلہ کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کرنا اور دعوتِ حق کے قریب کرنا تھا، جیسے حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ،اسی طرح حضرت زینب بنت حجشؓ کا نکاح متبنٰی کی قدیم رسم کو ختم کرنے کے لیے ہوا، کیوں کہ ان کے شوہر حضرت زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کے متبنٰی تصور کیے جاتے تھے،اور زمانہ جاہلیت میں لوگ متبنٰی کو صلبی بیٹے کا درجہ دیتے تھے۔ بحیثیتِ مجموعی ان ازواج مطہرات کے ذریعہ دین کی نشر واشاعت میں بے حد مدد ملی۔ تفسیر قرآن، روایتِ حدیث، احکام فقہیہ اور بالخصوص خواتین سے متعلق مسائل بیان کرنے میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُم سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ وغیرہ سے اُمت کو جو نفع پہنچا، وہ کسی اور سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔

آپ ﷺ کو چار صاحبزادیاں (حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت اُم کلثومؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ) اور تین صاحبزادے (حضرت قاسمؓ، حضرت عبداللہؓ، حضرت ابراہیمؓ) تھے۔تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے، حضرت ابراہیمؓ کے سوا آپ ﷺ کی تمام اولاد اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے ہیں، حضرت ابراہیم آپ کی باندی اور زوجہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

نمبر	اُم المومنین	اُم المومنین کی عمر بوقت نکاح	نبی ﷺ کی عمر بوقت نکاح
1۔	حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	40سال	25سال
2۔	حضرت سودہؓ	50سال	50سال

3۔	حضرت عائشہ صدیقہؓ	9سال	54سال
4۔	حضرت حفصہؓ	22سال	55سال
5۔	حضرت زینب بنت خزیمہؓ	30سال	55سال
6۔	حضرت اُم سلمہؓ	26سال	56سال
7۔	حضرت زینب بنت جحشؓ	26سال	57سال
8۔	حضرت جویریہؓ	20سال	57سال
9۔	حضرت ریحانہ بنت زیدؓ	--	57سال
10۔	حضرت اُم حبیبہؓ	26سال	57سال
11۔	حضرت ماریہ قبطیہؓ	--	58سال
12۔	حضرت صفیہؓ	17سال	59سال
13۔	حضرت میمونہؓ	36سال	59سال

9.7 فرہنگ

نظیر: مثال　　ملفوظات: الفاظ، تقریر　　داغِ مفارقت: جدائی کا غم

9.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اللہ کے رسولؐ کی نبوت سے قبل کی زندگی بھی بے مثال ہے اگر یہ کہا جائے کہ جن اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ فاضلہ کی بنیاد پر ایک کامل انسان کا نقشہ سامنے آتا ہے وہ سب آپؐ کی زندگی میں وحی الٰہی کے باقاعدہ آغاز سے پہلے ہی نمایاں ہو جاتے ہیں۔
- آپؐ کی دو تہائی زندگی مکہ میں گذری اس لیے اس کو جاننا ضروری ہے چاہے قبل از نبوت والی ہو یا بعد از نبوت والی ہو۔ نبوت کے بعد اللہ کے رسولؐ کی زندگی کتاب اللہ کی تفسیر قرار دے دی جاتی ہے۔
- اللہ کے رسولؐ کی شخصیت تاریخی ہے۔ اللہ کے رسولؐ کی شخصیت کامل اور جامع ہے۔ اللہ کے رسولؐ کی شخصیت اور آپؐ کا اسوہ عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے۔

9.9 نمونۂ امتحانی سوالات

9.9.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات

1. انگریزی تاریخ کے حساب سے آپ ﷺ کی ولادت کب ہوئی تھی؟

(a).20 جنوری 571ء (b).20 فروری 571ء (c).20 مارچ 571ء (d).20 اپریل 571ء

2. آپ ﷺ کی والدہ کا انتقال کہاں ہوا تھا؟

(a).مکہ میں (b).میدان عرفات میں (c).مقام ابوا میں (d).مدینہ میں

3. عبدالمطلب کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر کیا تھی؟

(a).6 سال (b).8 سال (c).10 سال (d).12 سال

4. حرف فجار کے وقت آپ ﷺ کی عمر کیا تھی؟

(a).12 سال (b).15 سال (c).17 سال (d).19 سال

5. عبداللہ بن جدعان کے گھر پر جس معاہدہ میں آپ ﷺ نے شرکت کی تھی اس کا نام کیا ہے؟

(a).واقعہ تحکیم (b).حلف الفضول (c).صلح حدیبیہ (d).بیعت رضوان

6. تعمیر کعبہ میں جب آپ ﷺ کو حکم بنایا گیا تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر کیا تھی؟

(a).25 سال (b).30 سال (c).35 سال (d).40 سال

7. مکہ میں اللہ کے رسولؐ کی کتنی زندگی گذری تھی؟

(a).ایک تہائی (b).دو تہائی (c).آدھی (d).سب غلط

8. صفہ کن کی جائے قیام تھی؟

(a).جن کے اپنے گھر نہ تھے (b).مدینہ والوں کی (c).مکہ والوں کی (d).مہمانوں کی

9. حضرت خدیجہؓ سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے وقت آپ ﷺ کی عمر کیا تھی؟

(a).20 سال (b).25 سال (c).30 سال (d).35 سال

10. حجر اسود کے لفظی معنی کیا ہیں؟

(a).کالا پتھر (b).سفید پتھر (c).جنت کا پتھر (d).جنت کی کیاری

9.9.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

1. آپ ﷺ کا سن ولادت لکھ کر بتایئے کہ شروعات کے چھ سالوں میں آپ ﷺ کس کس کے ساتھ رہے؟

2. آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے کفالت کا کیسا حق ادا کیا؟ بیان کیجیے۔
3. تعمیر کعبہ میں جب آپ ﷺ کو حکم بنایا گیا اس کے متعلق اپنی معلومات تحریر کریں۔
4. عبدالمطلب کی کفالت میں آپ ﷺ کتنے دن رہے اور اپنے مرض الوفات میں انہوں نے ابو طالب کو کیا وصیت کی تھی؟
5. حرب فجار کے وقت آپ ﷺ کی عمر کتنی تھی اور اس جنگ میں آپ نے کیا خدمت انجام دی؟

9.9.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

1. اللہ کے رسول ﷺ کی مکی زندگی کا حال مفصلاً لکھیے۔
2. اللہ کے رسول ﷺ کی شخصیت کامل اور جامع ہے، تفصیل سے تحریر کیجیے۔
3. اللہ کے رسول ﷺ کا اسوہ تاریخی اور نمونہ عمل ہے، مفصل نوٹ لکھیے۔

9.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. سیرۃ النبی (جلد اول) : علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
2. تاریخ اسلام (جلد اول) : مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی
3. سیرۃ المصطفیٰ (جلد دوم) : مولانا محمد ادریس کاندھلوی
4. رحمت للعالمین : قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

معروضی سوالات کے جوابات

1.D	2.C	3. B	4. B	5. B
6. C	7.B	8. A	9. B	10. A

اکائی 10: خلافت راشدہ، حضرت ابو بکرؓ

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 خلافت راشدہ: تفہیم اور ارتقاء

10.3 حضرت ابو بکر صدیقؓ: خلافت سے پہلے

10.3.1 واقعہ اسری کی تصدیق

10.3.2 حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ

10.3.3 مدینہ کی جانب ہجرت

10.3.4 ابو بکر صدیقؓ مدینے میں

10.3.5 غزاوت

10.3.6 صلح حدیبیہ

10.3.7 امارت حج

10.4 حضرت ابو بکرؓ کی بیعت و خلافت

10.4.1 لشکر اسامہؓ کی روانگی

10.4.2 مدعیان نبوت کی سرکوبی

10.4.3 مرتدین کی سرکوبی

10.4.4 منکرین زکوۃ

10.4.5 فتوحات

10.4.6 تدوین قرآن

10.4.7 وفات

10.5 فرہنگ

10.6 اکتسابی نتائج

10.7 نمونۂ امتحانی سوالات

10.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

10.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

10.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

اس اکائی میں خلافت راشدہ کی تعریف، اس کے مفہوم اور ارتقاء سے بحث کی جائے گی۔ بعد ازاں پہلے خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حیات، کس طرح حضرت ابو بکرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، صدیق کا لقب کس وجہ سے نوازا گیا، ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا لیکن پھر ابن الدغنہ کے کہنے پر ملتوی کر دیا، ہجرت مدینہ کے لیے تیاری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لیے انتظار، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صبر واستقامت، سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کے مسئلے کو خوش اسلوبی سے سلجھانا، اور بحیثیت خلیفہ ان کی خدمات مثلاً لشکر اسامہؓ کی روانگی، منکرین زکوۃ، مدعیان نبوت، فتوحات، جمع تدوین قرآن ان سب واقعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد:

- آپ کو خلافت راشدہ کے مفہوم اور اس کے تاریخی ارتقاء سے آگاہی حاصل ہو گی۔
- آپ خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حیات اور خدمات سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔
- آپ پڑھیں گے کہ کس طرح وہ رسول پاک کے ہر دعوے کی تصدیق بنا شک وشبہ کے کر دیتے تھے، کس طرح انہوں نے اپنے دو سالہ دور میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے اور لوگوں کو اس کی تلقین کی۔
- اس بات سے آگاہی ہو گی کہ حضرت ابو بکرؓ نے عوام اور حکمران کے حقوق کی نشاندہی کی، جو بعد کے خلفائے راشدین کے لیے سیاسی

نظام حکومت کو اتنا مضبوط رکھنے میں معاون بنے اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کو سے قائم رکھ سکے۔

10.2 خلافت راشدہ: تفہیم اور ارتقاء

''خلافت راشدہ'' عربی زبان کے دو الفاظ سے مل کر بنا ہے۔ پہلا لفظ 'خلافت' کے لغوی معنی نیابت یا جانشینی کے ہیں۔ قرآن مجید میں اگرچہ لفظ 'خلافت' نہیں آیا ہے لیکن اس مادہ کے دوسرے الفاظ بشمول 'خلیفہ' اور 'استخلاف' کے موجود ہیں۔ صاحب خلافت کو خلیفہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید ان الفاظ کو ایک خاص مفہوم بہ معنی نیابت الٰہی کے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ حکمراں بنانے کے لیے لفظ 'خلافت' اور 'خلیفہ' کا استعمال زیادہ صراحت کے ساتھ ہمیں احادیث کی کتابوں اور تاریخ اسلامی کے مآخذ میں ملتا ہے۔ مثلاً: رسول اللہؐ نے اپنے جانشینوں کے لیے خود خلفاء (واحد، خلیفہ) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں، 'علیکم بسنتی و سنة الخلفاءِ راشدین'، یعنی تمہیں میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ) دوسرا لفظ 'راشدہ' عربی کے لفظ 'رشد' سے ماخوذ ہے اور اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں: 'راہ حق پر چلنے والی'۔ لہٰذا دونوں الفاظ کا لفظی معنی 'رشد سے بہرہ ور اور راہ حق پر چلنے والی نیابت اور جانشینی'۔

اسلام کی سیاسی اصطلاح میں 'خلافت راشدہ' کے معنی رسول اللہؐ کے بعد یا ان کی غیر موجودگی میں آپ ہی کے مرتب کردہ اصولوں پر آپ کی جانشینی کرنا ہے۔ اسی کو امام کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اس سے صالحین کا وہ عہد حکومت مراد ہے جسے امت مسلمہ کی اجتماعی تائید حاصل رہی، اور جنھوں نے پیغمبر اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر حکومت کرتے ہوئے اسلام کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو پورا کیا۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خلفائے راشدین سے مراد خلفائے اربعہ: حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، اور حضرت علیؓ مراد ہیں۔ بعض علماء ان میں حضرت حسن بن علی اور آٹھویں اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز کو بھی شامل کرتے ہیں جو کہ مختلف فیہ ہے۔ اہل سنت مذکورہ بالا چاروں خلفاء کو بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کا جائز جانشین یقین کرتے ہیں۔ اس کا عہد 632ء سے 661ء تک ہے۔ اس کے بعد خلافت بنو امیہ میں منتقل ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے خلیفہ پر وہ سارے دینی اور دنیاوی فرائض عائد ہوتے ہیں جن کا ذمہ رسول اللہ ﷺ پر عائد کیا گیا تھا۔ اگر مختصراً بیان کیا جائے تو خلیفہ کا سب سے اہم فریضہ شریعت کا نفاذ، دین اسلام کا قیام اور اس کی حفاظت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ ریاست کا سربراہ اور فوج کا سپہ سالار اعظم، عدالت عالیہ میں قاضی القضاۃ، مالیات کا منتظم اعلیٰ اور دین کا امام ہوتا ہے۔ جن امور دین و دنیا میں قرآن و حدیث سے صراحتاً کوئی حکم موجود نہ ہو تو اس کا قول حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔ خلیفہ کے اختیارات بہت وسیع ہوتے ہیں۔ لیکن ریاست کے کاموں کو انجام دینے کے لیے قرآن و سنت کی ہدایت کی رو سے اسے مسلمانوں میں اصحاب علم و خرد سے مشورے لینا بھی لازمی ہے۔ حالانکہ وہ ان مشوروں کا پابند نہیں ہوتا۔ اسے پورا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی صواب دید کے اعتبار سے کسی مشورے کو چاہے تو قبول کرے یا پھر رد کر دے۔

شاہ ولی اللہ کے مطابق خلافت کے انعقاد کے چار طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ کہ علاقے کے سردار، امرا، علماء اور قضاۃ کسی ایسے شخص

کے ہاتھ پر بیعت کر لیں جو جامع شرائط خلافت ہو یعنی وہ مسلمان مرد ہو، عاقل بالغ ہو، مرد ہو، آزاد ہو، معذور نہ ہو، عادل ہو، مجتہد ہو اور قریشی ہو۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا انعقاد اسی پہلے طریقے پر ہوا تھا۔ انعقاد خلافت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ موجودہ خلیفہ مسلمانوں میں سے کسی ایسے شخص کو جو جامع شرائط خلافت ہو منتخب کر لے اور اپنے بعد لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کرے، تو لوگوں پر لازم ہو گا کہ اسی شخص کو خلیفہ تسلیم کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ پر ہوا تھا۔ انعقاد خلافت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ موجودہ خلیفہ مسلمانوں میں سے جامعین شرائط خلافت کی ایک جماعت منتخب کر لے اور خلافت کو ان میں دائر کر دے، پس مجلس شوری اس جماعت میں سے ایک شخص کو منتخب کر لے اور اسے خلیفہ مقرر کر دے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت اسی طریقہ پر منعقد ہوئی تھی۔ خلافت کے منعقد ہونے کا چوتھا طریقہ استیلا ہے۔ یعنی خلیفہ کی وفات کے بعد کوئی شخص لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ و جبر کے ذریعہ اپنے ساتھ کر کے خلیفہ ہو جائے تو شرعاً اس کی اطاعت واجب ہو گی۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اگر اس شخص میں خلافت کی شرائط موجود ہوں اور اس نے خلافت حاصل کرنے میں کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ کیا ہو تو اس کی خلافت ضرورت کے تحت جائز ہو گی۔ حضرت امیر معاویہ کی خلافت کا انعقاد اسی طرح ہوا تھا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ استیلا کرنے والا اگر خلافت کی شرطوں کا جامع نہ ہو اور اس نے اپنے مخالفین کو قتل کر کے یا حرام فعل کا ارتکاب کر کے خلافت حاصل کی تو ایسی خلافت جائز نہیں ہو گی اور اس فعل کا مرتکب گنہگار ہو گا۔ لیکن علما کا اس بات پر اتفاق ہے ایسے شخص کی ان امور میں پیروی کرنا واجب ہو گا جو شریعت کے موافق ہوں گے، اور اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہو گی۔

10.3 حضرت ابو بکر صدیقؓ: خلافت سے پہلے

حضرت ابو بکر کا سنہ ولادت 571 یا 572 عیسوی ہے۔ آپ قبیلہ تیم بن مرہ سے تعلق رکھتے تھے اور آٹھویں پشت میں آپ کا نسب رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ کا نام عبداللہ تھا لیکن اپنی کنیت 'ابو بکر' سے مشہور ہوئے۔ روایت یہ بھی ہے کہ اسلام سے پہلے آپ کا نام عبدالکعبہ تھا لیکن اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا تھا۔ آپ صدیق کے لقب سے مشہور ہوئے، ایک روایت کے مطابق عتیق بھی آپ کا لقب تھا۔ آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر اور کنیت ابو قحافہ تھی اسی لیے آپ کو ابن ابی قحافہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی والدہ ام الخیر سلمی تھیں اور ان کا تعلق بھی قبیلہ تیم سے تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اشناق کا منصب قبیلہ تیم کے ہی سپرد تھا، یعنی یہ لوگ خون بہا اور تاوان کی رقوم معین کرتے تھے۔ جب ابو بکرؓ جوان ہوئے تو یہ خدمت ان کے سپرد تھی۔ خون بہا اور دیت کی رقم بھی آپ کے پاس ہی رکھی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی زندگی میں چار شادیاں کیں۔ پہلی شادی آپ نے قتیلہ بنت عبد العزی سے کی۔ ان کے بطن سے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے۔ اسماء بعد میں 'ذات النطاقین' کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ قتیلہ کے بعد ام رومان بنت عامر بن عویمر ان کے نکاح میں آئیں۔ ام رومان سے عبد الرحمن اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ پیدا ہوئے۔ جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تو یہاں حبیبہؓ بنت خارجہ سے اور ان کے بعد اسماؓ بنت عمیس سے شادیاں کیں۔

قریش ایک تجارت پیشہ قوم تھی، وہ سال میں سردی اور گرمی کے موسموں میں دو مرتبہ تجارت کی غرض سے دور دراز سفر کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنی قوم کے دوسرے افراد کی طرح تجارت کو ذریعہ معاش بنایا تھا۔ ان کا شمار مکہ کے بڑے اور مالدار

تاجروں میں ہوتا تھا۔ تجارت کی کامیابی میں ان کی رحم دلی، بلند اخلاقی اور جاذب شخصیت کا بھی بڑا دخل تھا۔آپؓ کا شمار قریش کے ان چند نیک افراد میں ہوتا ہے جو زمانہ جاہلیت میں عربوں کے گمراہ کن اعتقادات اور بری رسومات سے دور تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جاہلیت اور اسلام، دونوں ہی زمانوں میں شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، حالانکہ اہل مکہ شراب کے عادی ہی نہیں بلکہ اس کے عاشق تھے۔ سیرت ابن ہشام میں ان الفاظ میں حضرت ابو بکرؓ کے کردار کا ذکر کیا گیا ہے: ''ابو بکرؓ اپنی قوم میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ علم الانساب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ قریش مکہ کے تمام خاندانوں کے نسب انہیں از بر تھے اور ہر قبیلے کے عیوب و نقائص اور محامد و فضائل سے بہ خوبی واقف تھے۔ اس وصف میں قریش کا کوئی فرد ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ وہ خلیق، ایمان دار اور ملنسار تاجر تھے۔ قوم کے تمام لوگ ان کے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ برتاؤ کے معترف تھے اور انہیں فضائل کے باعث ان سے بے حد محبت کرتے تھے''۔

حضرت ابو بکرؓ کا قیام مکہ میں اس جگہ تھا جہاں آپؐ حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنے کے بعد سکونت پذیر تھے۔ چونکہ آپ دونوں ہم پیشہ تھے اور طبیعت میں بھی یکسانیت تھی، لہٰذا اعلان نبوت سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپؓ کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بلا تردد سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اور پیغمبر اسلام کے سچے ساتھی بن کر اسلام کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ ابتدا ہی سے حضرت ابو بکرؓ کے اندر دین حق کی اشاعت کی خاطر ایک غیر معمولی جذبہ تھا۔ اوائل اسلام میں ان کی دعوت پر بہت سے ممتاز صحابہ ایمان لائے اور پھر انہوں نے یہ سلسلہ ساری زندگی جاری رکھا۔ عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ انہی کی دعوت پر مسلمان ہوئے تھے۔

شروعاتی دور میں اسلام کی تعلیم مساوات سے متاثر ہو کر بہت سے غلام دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ ایسی بات تھی جو ان کے بے دین سرداروں کے لیے ناگوار تھی۔ لہٰذا وہ ان غلام مسلمانوں پر سختیاں کرتے اور ان سے اسلام کو ترک کرنے کے لیے کہتے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت بلال حبشیؓ کے تعلق سے مشہور ہے۔ آپ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ حضرت بلالؓ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے امیہ بن خلف سخت ناراض ہوا اور طرح طرح کی اذیتیں دینے لگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا کہ امیہ نے حضرت بلالؓ کو دوپہر کے وقت شدید دھوپ میں ریت پر لٹا دیا ہے اور ان کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ کر اسلام سے پھیر دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس منظر کی تاب نہ لا کر فوراً ہی حضرت بلالؓ کو امیہ سے خرید لیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ حضرت بلالؓ کے علاوہ انہوں نے بیسیوں غلاموں کو جو صرف اسلام لانے کی وجہ سے اپنے آقاؤں کے ظلم کا شکار ہو رہے تھے، خرید کر آزاد کیا۔

جوں جوں اسلام کا دائرہ بڑھتا گیا، کفار مکہ کے مظالم بھی بڑھتے گئے۔ پہلے تو وہ صرف غلاموں اور مسکینوں پر ظلم کرتے تھے، لیکن بعد میں معزز ترین لوگ بھی ان کی ایذاء رسانیوں کا نشانہ بننے لگے۔ بت پرستی اور بتوں کی مذمت میں جب قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں تو مکہ کے بعض اوباشوں نے ایک مرتبہ پیغمبر اسلام کا راستہ روک کر ان پر حملہ کر دیا۔ ایک شخص نے آپ کی چادر کو اتنی زور سے کھینچا کہ آپ کا گلا گھٹنے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ جو وہاں سے گزر رہے تھے انہوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو بچانے کے لیے دوڑ پڑے اور آپؐ کو کفار کے نرغے سے چھڑایا۔ رسول اللہ ﷺ پر جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ آپؓ نے متعدد موقعوں پر اپنی جان جوکھم میں ڈال کر آپؐ کی جان بچائی اور کسی

کا خوف کیے بغیر آپ اکی حمایت میں کھڑے رہے۔

10.3.1 واقعہ اسری کی تصدیق

ہجرت مدینہ سے قبل ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے تمام مسلمانوں کو آزمائش میں ڈال دیا۔ لیکن اس موقع پر بھی ابو بکر صدیقؓ نے جس حیرت انگیز قوت ایمانی کا مظاہرہ کیا اس نے بہت سارے مسلمانوں کو ارتداد کے وبال سے بچالیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب معراج کا واقعہ پیش آیا اور رسول اللہ نے اس سفر کی تفصیل لوگوں کو بیان کرنی شروع کی تو مشرکین مکہ آپ کا مذاق اڑانے لگے کہ مکہ سے شام تک کا فاصلہ ایک مہینے کا ہے، پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ محمد بیت المقدس جائیں اور ایک ہی رات میں دو مہینے کی مسافت طے کر کے واپس آجائیں۔ یہ ایسی بات تھی کہ بعض مسلمانوں کو بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی اور ان کے دل تردد کا شکار تھے۔ ان لوگوں نے جا کر ابو بکر کو سارا ماجرا بیان کیا۔ اول تو ابو بکرؓ نے ان مسلمانوں سے کہا کہ رسول اللہؐ پر جھوٹ کی تہمت مت لگاؤ۔ تو ان مسلمانوں نے ابو بکر سے کہا کہ آپؐ نے ابھی یہ بات بیان فرمائی۔ یہ سن کر ابو بکرؓ نے جوابا وہ ایمان افروز جملہ کہا جس کی وجہ سے تاریخ میں آپ صدیق کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''اگر محمدؐ نے یہ بات کہی ہے تو بالکل سچ ہے۔ جب اللہ آسمان سے چند لمحوں میں وحی نازل فرما دیتا ہے تو اس کے لیے رات بھر میں آپ کو مکہ سے بیت المقدس لے جانا اور واپس لے آنا کیا مشکل ہے''۔ یہ کہہ کر آپ رسول اللہ کی تلاش میں نکلے، آپ نے رسول اللہ کو اس حال میں پایا کہ وہ معراج کے بارے میں لوگوں کو بتا رہے تھے۔ رسول اللہ کے قریب پہنچتے ہی آپ نے رسول اللہ کے بیان کی تصدیق کی کہ: ''اے اللہ کے رسول! آپ بالکل سچ فرماتے ہیں''۔

10.3.2 حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ

مسلمانوں پر جب قریش کے مظالم بہت زیادہ بڑھ گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ بعثت نبوت کے پانچویں اور چھٹے سال مسلمانوں نے بڑی تعداد میں حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ حضرت ابو بکرؓ اگرچہ ایک معزز قبیلے کے فرد اور بااثر شخص تھے، اس کے باوجود وہ کفار مکہ کے جور و ستم سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ جب حضرت طلحہ بن عبد اللہ ابو بکرؓ کی دعوت پر مسلمان ہوئے تو ان کے چچا نوفل بن خویلد نے غیض میں آکر طلحہؓ اور ابو بکرؓ دونوں کو باندھ کر مارا، لیکن ان کے قبیلے تیم نے ابو بکرؓ کی کچھ مدد نہ کی۔ لہٰذا انہوں نے بھی حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا اور رسول اللہ سے اجازت طلب کی۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ایک مقام پر جسے 'برک الغماد' کہتے ہیں، قبیلہ قارہ کا ایک سردار مالک بن دغنہ مل گیا۔ اس نے آپ کا راستہ روک کر دریافت کیا کہ کہاں جاتے ہیں؟ آپ نے اہل مکہ کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنا آبائی وطن چھوڑ کر حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، تاکہ اپنے دین پر بے روک ٹوک عمل کر سکوں۔ ابن دغنہ کہنے لگا: آپ جیسا آدمی نہ شہر سے نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے۔ آپ دوسروں کا بار اٹھاتے ہیں، مہمانان حرم کی مہمان نوازی کرتے ہیں، خود کما کر مفلسوں اور محتاجوں کی مالی امداد کرتے ہیں، حق کے کاموں میں سب کی مدد و اعانت کرتے ہیں، آپ میرے ساتھ واپس مکہ چلیئے۔ ابن دغنہ آپ کو واپس مکہ لے آیا اور یہ اعلان کر دیا کہ ابو بکرؓ میری امان میں ہیں۔ قریش نے ابن دغنہ کی امان کو تسلیم تو کر لیا لیکن ایک شرط یہ لگا دی کہ ابو بکرؓ جس طرح چاہیں اپنے گھر کے اندر خدا کی عبادت کریں اور قرآن پڑھیں لیکن گھر سے باہر پڑھنے کی انہیں

اجازت نہیں ہو گی۔ کچھ دن تو ابو بکرؓ نے ایسا ہی کیا لیکن آپ کے جذبہ ایمانی کو چھپ چھپ کر عبادت کرنا گوارا نہیں ہوا۔ لہٰذا آپ نے اپنے گھر کے صحن میں ہی مسجد بنالی اور اعلانیہ خدا کی عبادت کرنے لگے۔ کفار مکہ نے اس کی شکایت ابن دغنہ سے کی اور اس سے کہا کہ یا تو ابو بکرؓ اعلانیہ عبادت کرنے سے باز آجائیں یا تم اپنی امان واپس لے لو۔ ان کو یہ خوف تھا کہ ابو بکرؓ کو عبادت کرتا ہوا دیکھ کر دوسرے لوگ متاثر ہوں گے۔ ابن دغنہ نے ابو بکرؓ کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر ابن دغنہ کی امان واپس کر دی کہ میرے لیے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔

10.3.3 مدینہ کی جانب ہجرت

اس واقعے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کلیۃً ترک کر دیا۔ لیکن قریش کے مظالم میں کسی طرح کمی نہیں آئی۔ انہوں نے تین سال تک بنو ہاشم کا مقاطعہ کر کے انہیں شعب ابی طالب میں رہنے پر مجبور کر دیا۔ اسی دوران عقبہ کی گھاٹی میں مدینہ منورہ سے آئے ہوئے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ حضرات داعی کی حیثیت سے اپنے وطن واپس لوٹے اور مدینہ میں اسلام کی دعوت میں مشغول ہو گئے۔ کچھ ہی وقت میں مدینہ کی سرزمین نور اسلام سے منور ہو گئی۔ مسلمانان مدینہ نے، جو تاریخ میں انصار مدینہ کے نام سے مشہور ہیں، نہایت خلوص کے ساتھ مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دی۔ اس زمانے میں مکہ سے جو مسلمان مدینہ آکر آباد ہوئے انہیں تاریخ اسلام میں مہاجرین کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا اور رسول اللہؐ سے اجازت چاہی۔ لیکن بارگاہ نبوت سے حکم ہوا کہ ابھی انتظار کرو، امید ہے کہ اللہ کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہو گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ کی معیت میں ہجرت کی اجازت چاہی۔ رسول اللہؐ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ ابو بکرؓ نے ہجرت کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اگلے چار مہینوں تک رسول اللہ ﷺ کے حکم کے منتظر رہے۔

مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کے لوگوں کے عہد و پیمان اور مدینہ کی طرف ہجرت کے واقعات نے قریش مکہ کو برانگیختہ کر دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان وہاں جا کر نہ صرف یہ کہ ان کے جور و ستم سے محفوظ ہو جائیں گے بلکہ انہیں ایک مضبوط طاقت بن کر ابھرنے کے مواقع بھی میسر آئیں گے اور پھر وہ قریش کے مقابلے میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ شام کی طرف تجارتی شاہراہ مدینہ کی جانب سے ہو کر گزرتی تھی، لہٰذا مسلمان اس میں بھی رکاوٹیں ڈال کر ان کے راستے مسدود کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ قریش نے مسلمانوں کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے، ان کی جائدادیں ضبط کیں، مدینہ والوں کو دھمکی بھرے پیغام بھیجے لیکن وہ مدینہ کی جانب مسلمانوں کو ہجرت کرنے سے نہیں روک سکے۔ چونکہ یہ ایک سنگین مسئلہ تھا، سرداران مکہ اس کے حل کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے 'دارالندوہ'، جو ایک طرح کا پنچایت گھر تھا، میں جمع ہوئے۔ جس تجویز پر سب نے اتفاق کیا وہ رسول اللہؐ کے قتل کی تجویز تھی۔ اس سے پہلے کہ قریش کوئی اقدام کرتے اللہ تعالی نے جبرئیل کے ذریعہ رسول اللہ کو مطلع فرما دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ہجرت کر جائیں۔ آپؐ ابو بکرؓ کے گھر گئے اور فرمایا کہ انہیں ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ ابو بکرؓ پچھلے چار مہینوں سے اسی لمحے کے منتظر تھے۔ ابو بکرؓ نے سفر کیلئے پہلے ہی سے دو انٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ ایک اونٹنی آپؐ کو پیش کی اور دوسری پر خود سوار ہوئے۔ اس قافلے کی پہلی منزل غار ثور تھی۔ اس دوران ہدایت کے

مطابق ابو بکر کے بیٹے عبداللہ رات کے وقت مکہ کے تمام حالات سے آکر انہیں آگاہ کرتے رہے اور اسی طرح عامر بن فہیرہ جو ابو بکرؓ کے غلام تھے بکریاں چراتے ہوئے غار ثور تک آتے اور بکریوں کا تازہ دودھ ان کی خدمت میں پیش کرتے۔ تین دن اور تین رات اسی حالت میں بسر ہوئے۔ قریش کو رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ کے مدینہ کی جانب ہجرت کی خبر مل چکی تھی۔ انہوں نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ اس مختصر سے قافلے کو مدینہ پہنچنے سے نہ روک سکے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب کچھ لوگ آپ دونوں کو تلاش کرتے ہوئے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔ وہ اتنے قریب تھے کہ ابو بکرؓ نے رسالتمآب سے عرض کیا کہ اگر انہوں نے ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کی تو وہ ہم لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ ابو بکرؓ کو خوف زدہ دیکھ کر رسول اللہؐ نے انہیں تشفی دیتے ہوئے فرمایا: 'غمزدہ مت ہو، ہم صرف دو نہیں ہیں، خدا بھی ہمارے ساتھ ہے'۔ آپ کے اس جملے سے ابو بکرؓ کو کچھ اطمینان ہوا۔ اور انہوں نے دیکھا کہ کفار ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

غرض چوتھے روز پیغمبر اسلام، صدیق اکبر، ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ، اور ابن اریقط، جسے راہ بتانے کی خدمت پر اجرت پر رکھا گیا تھا، پر مشتمل یہ قافلہ غار ثور سے نکلا اور قریش کے ہر کارواں سے بچتا بچاتا 12، ربیع الاول کو بعثت کے چودھویں سال مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں مہاجرین و انصار پہلے ہی سے رسول اللہ کے منتظر تھے۔ انہوں نے آپؐ کا استقبال کیا اور مدینہ سے قریب مقام قباء میں آپ نے چند روز قیام فرمایا اور پھر مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ ابو ایوب انصاریؓ کے یہاں جبکہ ابو بکرؓ، خارجہ بن زیدؓ کے مہمان ہوئے۔ مہاجرین کے لیے مدینہ کی آب و ہوا عموماً ساز گار ثابت نہیں ہوئی۔ خاص طور پر ابو بکرؓ کے لیے کیوں کہ مدینہ میں تشریف آوری کے کچھ ہی عرصے بعد ہی آپ سخت بخار میں مبتلا ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خدائے تعالی سے دعا کی کہ وہ مدینہ کی آب و ہوا کو مہاجرین کی طبیعت کے موافق بنادے۔ اس دعا کی برکت سے ابو بکرؓ کو شفا حاصل ہوئی اور مدینہ کا ماحول بھی انصار کی طرح مہاجرین کی طبیعت کے موافق ہو گیا۔

10.3.4 ابو بکر صدیقؓ مدینے میں

مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والوں کو مہاجرین کے نام سے جانا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ کے ساتھ ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔ رسول اللہؐ کے اس اہم کارنامے کو تاریخ میں 'مواخات' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مواخات میں طرفین کے لوگوں کے اعزاز و مرتبہ کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کو خارجہ بن زہیرؓ کا بھائی بنایا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز فرد تھے۔

مدینہ میں آکر مسلمانوں کو پہلی مرتبہ آزادی سے سانس لینے اور اپنے رب کی عبادت کا موقع ملا۔ اب وہ اجتماعی طور پر بھی اللہ کی عبادت کا فریضہ انجام دے سکتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قیام فرمانے کے بعد سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ دی، نہ صرف اس لیے کہ مسلمان اس میں نماز ادا کر سکیں، بلکہ اس لیے بھی کہ مسجد مسلمانوں کی آزادی و خود مختاری کا علامتی نشان تھی۔ رسول اللہؐ نے مسجد کی زمین دو یتیم بچوں سے خریدی اور ابو بکرؓ سے اس کی قیمت ادا کروائی۔ یہ مسجد 'مسجد نبوی' کے نام سے مشہور ہوئی۔

10.3.5 غزاوت

مدینہ کا ماحول مسلمانوں کے لیے نہایت ہی ساز گار ثابت ہوا تھا۔ یہاں انہیں ایک آزاد قوم اور متحد قوت کے طور پر ابھرنے کا موقع ملا۔ جو کفار مکہ کو کسی طرح برداشت نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہجرت مدینہ کے بعد سے فتح مکہ تک مسلمانوں پر متعدد حملے کئے۔ حضرت

ابو بکرؓ ان تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ ان غزوات میں مشکل سے مشکل حالات میں بھی انہوں نے آپ ؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آپ کی جاں نثاری کے چند واقعات درج ذیل ہیں۔

مسلمانوں کے سامنے پہلا سب سے اہم غزوہ بدر کا تھا۔ یہ غزوہ 2ھ کو بدر کے میدان میں پیش آیا۔ اس میں کفار کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اس جنگ میں حضرت ابو بکرؓ کا کردار بہت اہم تھا۔ اس موقع پر آپؓ ہاتھ میں تلوار لیے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور رہے، تاآنکہ جنگ ختم ہو گئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گئی۔

اس جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ ستر افراد قید ہوئے۔ ان قیدیوں کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے الگ الگ رائیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ انہیں قتل کر دیا جانا چاہئے۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے، جو نسبتاً رحم دل تھے اور اپنے سخت سے سخت ترین دشمن کو بھی قابو پانے کے بعد معاف کر دیا کرتے تھے، فرمایا کہ انہیں فدیہ دے کر چھوڑ دیا جانا چاہئے۔ رسول اللہ ؐ نے آپ کی رائے کو پسند کیا اور فدیہ کی رقم لے کر ان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

دوسرا اہم غزوہ جس میں مسلمان آزمائش میں پڑے، احد کا تھا۔ یہ غزوہ بدر کے آئندہ سال 3ھ میں احد کے پہاڑ پر واقع ہوا۔ اس جنگ کی شروعات میں تو مسلمان غالب رہے، لیکن بعض مسلمانوں کی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی اور رسول اللہ ؐ کو بھی چوٹ آئی۔ مسلمان فوج میں ایسی ابتری پھیلی کہ بہت سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لیکن ابو بکرؓ ان مسلمانوں میں سے تھے جو پہاڑ کی طرح رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے ثابت قدم رہے۔

10.3.6 صلح حدیبیہ

ہجرت کے چھ سال بعد رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا اور مہاجرین وانصار کی ایک جماعت لے کر مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کی آمد کی قریش کو جب خبر ملی تو ان لوگوں نے تہیہ کر لیا کہ کسی بھی صورت میں مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا، اور کفار کے پاس قاصد بھیجا کہ مسلمان جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ پھر آپسی گفت وشنید کے بعد ان کے درمیان ایک معاہدہ طے ہوا، لیکن اس معاہدہ میں بعض شرطیں ایسی تھیں جو مسلمانوں کو سخت ناگوار تھیں۔ حضرت عمرؓ جیسے کبار صحابہ ان شرائط کو مسلمانوں کی ہتک گردانتے تھے، اور اس سلسلہ میں اپنی ہچکچاہٹ اور جھنجھلاہٹ کا بھی اظہار کر چکے تھے۔ صحابہ کی جماعت میں صرف حضرت ابو بکرؓ کی ذات ایسی تھی جس نے پورے خلوص دل سے رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے کو قبول کیا تھا۔ انہوں نے اس موقع پر ایک بار پھر اپنے عمل سے اپنے صدیق ہونے کا ثبوت دیا۔ بعد میں سورہ فتح نازل ہوئی اور مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ یہ صلح ایک فتح مبین ہے جو اللہ اور اس کے رسول ؐ نے انہیں عطا فرمائی ہے۔

10.3.7 امارت حج

صلح حدیبیہ اور پھر 8ھ میں فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ساری رکاوٹیں ہٹتی چلی گئیں۔ جزیرہ عرب میں

مسلمانوں کی مخالف ساری طاقتیں یکے بعد دیگرے ٹوٹتی چلی گئیں۔ ہجرت کے نویں سال اطراف وجوانب سے لوگ اسلام میں داخل ہونے کے لیے جوق در جوق مدینہ آنے لگے۔ چنانچہ آنحضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو اس سال امیر الحج مقرر کیا، اور حضرت ابو بکرؓ تین سو مسلمانوں کو ساتھ لیکر مکہ روانہ ہوئے اور حج کے فرائض انجام دیئے۔ اسی حج کے موقع پر حضرت علیؓ نے اور بعض روایات کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نے یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد مشرکین حج نہیں کریں گے اور وہ مکہ چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں چلے جائیں، اور اس کے لیے انہیں چار مہینوں کی مہلت دی گئی۔

10ھ میں حجۃ الوداع سے واپس تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے۔ روز بروز مرض میں شدت آتی گئی اور آپ مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنی جگہ امامت کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ حضرت ابو بکرؓ نرم دل کے تھے، اس لیے حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کی کہ آپؐ حضرت ابو بکرؓ کی جگہ حضرت عمرؓ کو امامت کے لیے مامور فرمادیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اصرار کے ساتھ ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ لہٰذا رسول اللہؐ کی علالت کے دوران حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کی امامت کی۔ جب آپ کے مرض میں کچھ افاقہ معلوم ہوا، تو حضرت ابو بکرؓ آپؐ سے اجازت لے کر مقام سنخ اپنی زوجہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ اسی روز آپؐ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ جب حضرت ابو بکرؓ مدینہ واپس لوٹے تو رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے جا چکے تھے۔

رسول اللہؐ کی وفات کی خبر سے مسلمانوں کو گہرا صدمہ پہنچا۔ بعض اصحاب رسول تو اپنے حواس قابو میں نہ رکھ سکے۔ ابو بکرؓ جب کاشانہ نبوی پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ قسمیں کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے انتقال سے انکار کر رہے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اگر لوگ محمد کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مر گئے اور اگر خدا کی عبادت کرتے ہیں تو بے شک وہ کبھی نہیں مرے گا''۔ اس تقریر کے بعد صحابہ کو قلبی اطمینان وسکون حاصل ہوا۔

10.4 حضرت ابو بکرؓ کی بیعت وخلافت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ہی آپ کی جانشینی کا اہم مسئلہ سامنے آیا۔ انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ جب یہ خبر حضرت عمرؓ تک پہنچی تو حضرت ابو بکرؓ کو لے کر وہاں پہنچے۔ انصار کا یہ دعوی تھا کہ چونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کی مدد کی اور مصیبت میں ان کے کام آئے تھے اس لیے وہ رسول اللہؐ کی جانشینی کے حقدار ہیں۔ جبکہ کامہاجرین یہ کہنا تھا کہ چونکہ اسلام لانے میں انہیں انصار پر سبقت حاصل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قریبی خاندانی رشتہ بھی رکھتے ہیں، اس لیے وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اہل عرب انصار کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے اور آپؓ نے رسول اللہؐ کی حدیث پیش کی کہ امیر قریش سے ہوں گے۔ آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ امیر مہاجرین میں سے ہوں گے اور وزیر انصار میں سے۔ پھر آپؓ نے عمرؓ اور ابو عبیدہؓ کے نام خلیفہ کے لیے تجویز فرمائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے آپ کے ہاتھ میں

اپنا ہاتھ دے کر کہا کہ ہم آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیوں کہ آپؓ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آپؓ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ چونکہ حضرت ابو بکرؓ اس مجمع میں سب سے زیادہ معزز اور معمر صحابی تھے، تمام حاضرین نے اس انتخاب کو پسند کیا اور آپؓ کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دئے۔ دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی۔

10.4.1 لشکر اسامہؓ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا بار سنبھالتے ہی حضرت ابو بکرؓ کے سامنے مسائل و مشکلات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد مختلف محاذوں پر اسلام دشمن طاقتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ایک طرف مدعیان نبوت کی جماعت تھی تو دوسری طرف مرتدین کی جماعت، پھر تیسری جانب مانعین زکوٰۃ کی جماعت تھی۔ ان مشکل حالات میں مدینہ سے باہر حضرت اسامہ بن زیدؓ کا لشکر شام پر حملہ آور ہونے کے لیے خلیفہ کی اجازت کا منتظر تھا۔ اس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے خود تیار کیا تھا، لیکن آنحضور کی علالت اور پھر سانحہ ارتحال کے باعث یہ لشکر رک گئی تھی۔

مدینہ پر چاروں طرف سے یورش ہونے کے خطرات کے پیش نظر صحابہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ میں فوج کا رہنا نہایت ضروری ہے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ شام پر فوج کشی کو ملتوی کر دیا جائے اور پہلے مرتدین اور کذاب مدعیان نبوت سے نبٹا جائے۔ لیکن ابو بکر صدیقؓ نے اس لشکر کو جسے رسول اللہ ﷺ نے خود تیار کیا تھا، روکنا نہیں چاہتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے بھی یہی مشورہ دیا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، 'اگر جنگل کے کتے اور بھیڑیے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھالے جائیں تو بھی میں وہ کام کرنے سے باز نہ آوں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے'۔ چنانچہ آپؓ نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کیا، اور یہ لشکر حدود شام میں اپنا مقصد پورا کر کے واپس لوٹا۔

ان واقعات کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے منہج خلافت کے حوالے سے جو بات کھل کر واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے منہج نبوی کی پیروی میں خلافت کے فرائض انجام دیئے اور اس سے ذرا بھی منحرف نہ ہوئے۔ متعدد مرتبہ لوگوں نے مصلحت کے پیش نظر آپ کو مشورے دیئے، لیکن اگر قرآن و سنت کا کوئی حکم اس بابت موجود ہوتا تو آپؓ اسی کی پیروی کرتے تھے۔ لشکر اسامہؓ کو روانگی کا حکم دینے اور منکرین زکوۃ سے جنگ کرنے جیسے واقعات سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔

10.4.2 مدعیان نبوت کی سرکوبی

مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں اور اسود عنسی نے یمن میں رسول اللہؐ کے آخری زمانے میں نبوت کا دعوی کیا تھا۔ مسیلمہ نے تو آپ کے پاس ایک خط بھی روانہ کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ ''میں نبوت میں آپ کا شریک ہوں۔ نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف دنیا میری''۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں لکھا: ''محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ اما بعد، دنیا خدا کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا اسے اس کا وارث بنائے گا۔ اور بہتر انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد مدعیان نبوت کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ان میں طلیحہ بن خویلد تھا، بنی غطفان اس کے پیرو اور

حامی تھے۔ ایک عورت، سجاح بنت حارث نے بھی نہایت زور وشور سے نبوت کا دعوی کیا تھا۔ سجاح نے اپنی طاقت بڑھانے کے لیے بعد میں مسیلمہ سے شادی کرلی۔ ان جھوٹے مدعیان نبوت کی جمعیت وطاقت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ لہٰذا اسلام کی بقاکے لیے ان کی سرکوبی نہایت ضروری ہوگئی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی۔ حضرت خالد بن ولید کا نام ان جنگوں کے لیے پیش کیا گیا۔ لہٰذا خالد بن ولید مہاجرین وانصار کی ایک جمعیت لے کر طلیحہ بن خویلد سے نبرد آزما ہوئے۔ جلد ہی اس کی طاقت ٹوٹ گئی اور اس کے بہت سے متبعین جنگ میں کام آئے۔ خود طلیحہ نے شام کی جانب راہ فرار اختیار کی۔ بعد میں وہ تائب ہو کر دوبارہ داخل اسلام ہو گیا۔

مدعیان نبوت کے خلاف سب سے سخت معرکہ مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں یمامہ میں برپا ہوا۔ مسیلمہ سے جنگ کے لیے حضرت شرحبیل بن حسنہؓ ایک فوج لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی فوجیں بھی ان کی اعانت کے لیے پہنچیں۔ مسیلمہ اور اس کے متبعین کے ساتھ مسلمانوں کی ایک شدید جنگ ہوئی۔ بہت سارے مسلمان شہید ہوئے، لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ اور مسیلمہ حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی بیوی سجاح جو خود بھی نبوت کی دعویدار تھی، بصرہ کی جانب بھاگ گئی اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔

اسود عنسی کے گرد متبعین کی کثیر تعداد جمع ہو گئی تھی اور اس نے بہت طاقت حاصل کر لی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں آتا، اس کے دو پیروکاروں، قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی نے نشہ کی حالت میں اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے ساتھ ہی مدعیان نبوت کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

10.4.3 مرتدین کی سرکوبی

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد بعض قبائل اسلام سے مرتد ہوگئے تھے۔ چنانچہ بحرین میں نعمان بن منذر، عمان میں لقلیط بن مالک اور کندہ میں بادشاہوں کی ایک جماعت مرتدین کی قیادت کر رہی تھی۔ مدعیان نبوت سے نپٹنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین کی جانب توجہ کی، اور علاء بن حضرمی کو بحرین، حذیفہ بن محصن کو عمان اور زیاد بن لبید کو کندہ بھیج کر اس فتنے کی بھی بیخ کنی کر ڈالی۔

10.4.4 منکرین زکوۃ

جزیرہ عرب میں ایک تیسرا گروہ جس کے خلاف حضرت ابو بکرؓ کو جنگ کرنی پڑی منکرین زکوۃ کا تھا۔ یہ لوگ اسلام کا دعوی تو کرتے تھے لیکن مدینے کی حکومت اور غلبہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ لوگ ادائے زکوۃ کو جزیہ سمجھتے تھے جو ریاست مدینہ نے ان پر لگا رکھا تھا۔ جن قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار کیا ان میں عبس، ذبیان، غطفان اور ان سے متعلق خاندان قبائل شامل تھے۔

منکرین زکوۃ سے جنگ کرنے کے حوالے سے صحابہ مختلف الرائے تھے۔ ان میں حضرت عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہ کی یہ رائے تھی کہ جو لوگ کلمہ گو ہیں ان سے ہم جنگ کیسے کر سکتے ہیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ''جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا میں اس سے ضرور جنگ کروں گا۔ کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام قبول کرنے والے لوگوں کے ذمے جو حقوق ہوں گے ان کی ادائیگی کا مطالبہ ان سے بہر صورت کیا جائے گا''۔

جو قبائل زکوۃ کے منکر تھے ان میں سے بعض لوگوں نے مدینہ میں حاضر ہو کر خود کو زکوۃ کی ادائیگی سے معاف رکھے جانے کی بات کہی۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ اسلام کے ایک رکن کے انکار کو پورے اسلام کا انکار تصور کرتے تھے، لہٰذا انہوں نے ان لوگوں کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ ان سرداروں نے مدینہ کو فوج سے خالی دیکھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ بنالیا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کی ایک مختصر جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ منکرین زکوۃ شکست کھا کر ربذہ اور ذوی القصہ بھاگ گئے۔ ان دونوں مقاموں پر حضرت ابو بکرؓ نے ان سے جنگ کی۔ ذی القصہ کی جنگ کے بعد منکرین زکوۃ کی طاقت ٹوٹ گئی۔ ان میں سے کچھ افراد بھاگ کر طلیحہ بن خویلد کی جمعیت میں شامل ہو گئے۔ جب ان میں جنگ کرنے کی ہمت نہ رہی تو زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تیار ہو گئے۔

10.4.5 فتوحات

جزیرہ عرب کی سرحدوں پر صدیوں سے دو عظیم الشان سلطنتیں حکومت کرتی آرہی تھیں۔ شام کی جانب جزیرہ نمائے عرب کی سرحدیں سلطنت رومہ کا حصہ تھیں۔ مسلمانوں سے رومی فوجوں کا مقابلہ پہلے کئی بار ہو چکا تھا، پہلی بار جنگ موتہ، دوسری مرتبہ 9ھ میں غزوہ تبوک، اور پھر تیسری مرتبہ حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں نے رومیوں کے خلاف فوج کشی کی تھی۔ رومیوں کے مقابلے میں ایران میں موجود ساسانی حکمراں جزیرہ عرب میں ایک زمانے میں یمن کے اندر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ عراق میں حیرہ کا علاقہ بھی ان کا باج گزار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سلطنتوں کے حکمرانوں کو اسلام کا پیغام بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے کوئی مثبت جواب نہیں دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جزیرہ عرب میں پنپتی ہوئی ایک نئی سلطنت ان دونوں حکومتوں کے لیے خطرہ تھی، جسے وہ کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس حقیقت سے پیغمبر اسلامؐ بھی آگاہ تھے اور حضرت ابو بکرؓ بھی اس خطرے کو بھانپ رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اندرونی انتشار و فساد سے فراغت پاتے ہی اپنی توجہ عراق اور شام کے محاذوں کی طرف مبذول کی۔

مہم عراق

جس زمانے میں مسلمانوں نے ایرانی حکومت کی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کی، وہ انقلاب حکومت اور طوائف الملوکی کا شکار تھی اور اپنی سابقہ شان و شوکت کھو چکی تھی۔ ایران میں ایک نیا بادشاہ، یزدگرد سریر آرائے سلطنت تھا، جو نابالغ تھا اور ایک عورت توران بخت اس کی طرف سے سلطنت کی ذمہ داریاں انجام دے رہی تھی۔ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر سرحدوں پر موجود عربی قبائل نے بغاوت کر دی۔ قبیلہ وائل کے ایک سردار مثنیٰ شیبانی جو مسلمان تھے، انہوں نے دار الخلافہ میں حاضر ہو کر حالات سے حضرت ابو بکرؓ کو مطلع فرمایا اور ان سے فوج کشی کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے کے بعد مثنیٰ نے اپنے قبیلے کے ساتھ ایران کی سرحد پر حملہ کر دیا۔ اس وقت تک حضرت خالدؓ بن ولید مدعیان نبوت کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے انہیں مثنیٰ شیبانی کی مدد کے لیے ایران کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ حضرت خالدؓ کے پہنچتے ہی جنگ کی صورت حال بدل گئی۔ حضرت خالدؓ کی کے زیر کمان مسلم فوج نے حیرہ کے بادشاہ نعمان کو مدائن بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ آگے بڑھ کر خورنق پر حملہ آور ہوئے۔ اہل خورنق نے مصلحت اندیشی سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی اور اسلامی ریاست کے باج گذار بن گئے۔ اس طرح عہد صدیقی میں حیرہ کا پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر اقتدار آگیا۔

مہم شام

مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ شام کی سرحدوں پر بھی جنگ کے آثار نظر آنے لگے۔ حضرت ابو بکرؓ نے 13ھ میں صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کے بعد شام کی طرف رومیوں کے خلاف کئی لشکر بھیجے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ کو حمص کی جانب، یزید بن ابی سفیان کو دمشق، شرحبیلؓ بن حسنہ کو اردن، اور عمروؓ بن عاص کو فلسطین کی مہموں پر روانہ کیا۔ مجاہدین اسلام کی مجموعی تعداد 72000 تھی۔ اسلامی حکومت کی سرحدوں سے نکلنے کے بعد مسلمانوں کو قدم قدم پر رومیوں سے متعدد جنگیں لڑنی پڑیں۔

رومی فوجوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے مسلم سپہ سالاروں نے ان کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر لڑنے کا فیصلہ کیا، اور دارالخلافہ سے دشمن فوجوں کی کثرت کے بارے میں لکھ کر انہوں نے مزید امداد کی درخواست کی۔ اس زمانے میں مدینہ میں کوئی فوج موجود نہ تھی، لہٰذا حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو لکھا کہ وہ عراق کی مہم کی کمان مثنیٰ شیبانی کے سپرد کر کے مسلمان فوجوں کی کمک کیلئے شام کی جانب روانہ ہوں۔ شام کی جانب بڑھتے ہوئے خالدؓ بن ولید کو عین التمر، تدمر اور حوران میں دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ساری مہموں میں انہیں فتح و کامیابی حاصل ہوئی۔ بالآخر وہ شام میں اسلامی فوجوں سے ملے۔ مسلمانوں کی متحدہ فوجوں نے بصریٰ اور فحل کو مسخر کیا۔ اجنادین کے مقام پر مسلمانوں کو رومیوں کے خلاف سخت جنگ کرنی پڑی، جس میں بہت سے مسلمان شہید بھی ہوئے۔ لیکن جمادی الاولی 13ھ کو مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اجنادین کے بعد مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان ابھی دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ خلیفہ اول کا آخری وقت آگیا۔ لہٰذا دمشق خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فتح ہوا۔

10.4.6 تدوین قرآن

خلافت صدیقی کے اہم کارناموں میں سے ایک قرآن مجید کی جمع و تدوین ہے۔ تدوین قرآن کی تاریخ میں جنگ یمامہ کی حیثیت اس اعتبار سے ہے کہ اسی جنگ کے بعد بعض مسلمانوں کو قرآن کے جمع کرنے کا خیال آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں اگرچہ مسیلمہ کذاب کو شکست ہوئی تھی اور وہ مارا گیا تھا، لیکن اس جنگ میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے تھے جن میں کبار صحابہ اور حفاظ قرآن کی ایک کثیر تعداد تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان مرتدین کے علاوہ مختلف محاذوں پر قیصر و کسریٰ کی فوجوں سے برسرپیکار تھے۔ لہٰذا مزید حفاظ قرآن کی شہادت بھی یقینی بات تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اگر آئندہ جنگوں میں حفاظ کی شہادتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو اندیشہ ہے کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں، تاکہ پورا قرآن ایک جگہ محفوظ ہو جائے''۔ چونکہ ابو بکرؓ کی توجہ ابھی اس جانب نہیں تھی، لہٰذا فوری طور پر تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو جواباً یہ کہہ دیا کہ میں وہ کام کیسے کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔

اس کے بعد اس مسئلے پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کو اس کی بھلائی کا یقین دلاتے رہے، اور بالآخر حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کی بات کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو، جو عہد نبوت میں کاتب وحی تھے، طلب فرمایا اور انہیں حضرت عمرؓ کے ارادہ سے آگاہ کیا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ کی طرح انہوں نے بھی شروع میں تردد کا اظہار کیا لیکن

بعد میں اس کام کی اہمیت اور حکمت ان پر واضح ہو گئی۔ اور پھر انہوں نے بحسن وخوبی اس عظیم کام کو انجام دیا اور قرآن کے متفرق حصوں کو لکڑی، پتھر کے ٹکڑے، آدمیوں کے سینوں اور مختلف چیزوں سے ایک جگہ جمع کیا۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ قرآن مجید کی جمع وتدوین کے حوالے سے لوگوں میں ایک غلط فہمی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں میں کوئی جمع وترتیب نہیں تھی اور نہ ہی سورتوں کے کوئی مخصوص نام تھے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خود آیتوں اور سورتوں کی ترتیب اور ان کے نام صحابہ کرام کو بتائے اور لکھوادیئے تھے، اور اسی ترتیب سے وہ قرآن کریم حفظ بھی کرتے تھے، البتہ وہ لکھی ہوئی آیتیں اور سورتیں مختلف چیزوں میں تھیں، اور وہ منتشر تھیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ان آیتوں اور سورتوں کو ایک جگہ جمع کروادیا تھا۔

زیدؓ نے قرآن کا جو نسخہ مرتب کیا تھا وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس رہا، ان کے انتقال کے بعد وہ حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے ام المومنین حضرت حفصہؓ کو سونپ دیا۔ البتہ لوگ اس نسخے سے قرآن کو نقل کرنے یا اپنے نسخے کی تصحیح کے لیے ان کے پاس آتے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں اسی نسخے سے چند نسخے نقل کروائے اور انہیں مملکت کے مختلف مقامات پر بھیجے تھے۔ لیکن اصل نسخہ حضرت حفصہؓ کے پاس ان کی ساری زندگی رہا۔ ان کے انتقال کے بعد وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قبضہ میں آیا۔ اموی حکمراں مروان نے عبد اللہ بن عمرؓ سے یہ نسخہ لیکر ضائع کروادیا۔

10.4.7 وفات

حضرت ابو بکرؓ کی وفات 13ھ کو ہوئی اور خلافت کی مدت کل سوا دو برس رہی۔ اس قلیل عرصہ میں آپ نے ارتداد، منکرین زکوۃ، اور جھوٹے نبیوں کے فتنوں کی سرکوبی کی اور دو طرفہ فتوحات کا سلسلہ شروع کیا، جس کی تکمیل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی۔ آپؓ کی وفات کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن جبکہ موسم نہایت سرد تھا آپ نے غسل فرمایا۔ اس کے بعد آپ کو بخار آگیا۔ پندرہ دن اسی حالت میں گزر گئے، یہاں تک کہ مسجد جانے سے بھی معذور ہو گئے۔ آپ نے اپنی جگہ عمر فاروقؓ کو امامت کے فرائض انجام دینے پر مامور کیا۔ جب مایوسی ہونے لگی تو آپؓ نے صحابہ کرام سے اپنی جانشینی کے متعلق مشورے کیے اور عمر فاروقؓ کا نام پیش کیا۔ دین کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کے سخت رویہ سے سب واقف تھے، لہٰذا صحابہ کو اعتراض ہوا، تو آپؓ نے یہ کہہ کر کہ ''جب خلافت کا بار ان پر پڑیگا تو خود نرم پڑ جائیں گے''، لوگوں کو تسلی دی۔ صحابہ سے مشورہ کر لینے کے بعد آپؓ نے حضرت عثمانؓ سے عہد نامہ خلافت لکھوایا، اور اپنے غلام کو بھیج کر مجمع عام میں اسے پڑھوایا۔ سارے لوگوں نے اسے تسلیم کر لیا۔ ان کے پاس بیت المال سے ایک خادمہ اور دو اونٹنیاں تھیں جسے انہوں نے اپنی وفات کے بعد بیت المال کو واپس کرنے کی وصیت کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ وصیت بھی فرمائی کہ جو کپڑا آپ نے پہنا ہوا ہے اسے ہی دھو کر کفن کے لیے استعمال کیا جائے۔

آپ کی وفات ترسٹھ برس کی عمر میں جمادی الآخر کے اواخر میں 13ھ کو ہوئی۔ آپ کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس نے غسل دیا اور حضرت عمرؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ عثمان، طلحہ، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عمر رضی اللہ عنہم نے انہیں قبر میں اتارا۔ حضرت ابو بکرؓ کو نبیؐ کے پہلو

میں دفن کیا گیا۔

10.5 فرہنگ

تدوین: ایک جگہ جمع کرنا(Compilation)	وصیت: Will
نسخہ: Copy	طوائف الملوکی: Anarchy

10.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درجہ ذیل نکات سیکھے:

- خلافت راشدہ کا معنی 'رشد سے بہرہ ور اور راہ حق پر چلنے والی جانشینی ہے'۔
- سلامی سیاسیات کی اصطلاح میں خلافت کے معنی دین و دنیا سے متعلق امور میں رسول اللہ کی نیابت ہے۔
- خلافت راشدہ کی کل مدت 632 عیسوی سے 661 عیسوی تک ہے۔
- موٗرخین کے نزدیک متفقہ طور پر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ، خلیفہ راشد ہیں۔ بعض حضرات حضرت حسن اور اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو بھی خلفائے راشدین کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔
- حضرت ابو بکرؓ پہلے شخص تھے جنھوں نے بلا تردد رسول اللہؐ کی دعوت قبول کی اور ساری زندگی ان کی حمایت میں سر گرداں رہے۔
- ابو بکر پہلے شخص تھے جنھوں نے واقعہ اسریٰ کی تصدیق کی، جس کی وجہ آپؓ کو صدیق کے لقب سے نوازا گیا۔
- ہجرت مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہونے اور غار ثور میں آپؐ کی معیت کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کو یار غار کا لقب ملا تھا۔
- مسجد نبوی کی زمین کی قیمت حضرت ابو بکرؓ نے ادا کی تھی۔
- 9ہجری کو آپؓ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔
- رسول اللہ ﷺ کی علالت کے ایام میں ابو بکرؓ نے مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیئے تھے۔
- حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مدعیان نبوت، ارتداد اور منکرین زکوٰۃ کا فتنہ رونما ہوا، جس کی آپ نے کامیابی کے ساتھ بیخ کنی کی۔
- حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں صحابہ کی کثیر تعداد جنگوں میں شہید ہو جانے کی وجہ سے تدوین قرآن کا عظیم کارنامہ انجام دیا گیا۔
- حضرت ابو بکرؓ کے وصال کے وقت بیت المال سے آپ کے پاس سفر کے لیے اونٹیاں اور خدمت کے لیے ایک خادمہ تھی جسے آپ نے بیت المال کو لوٹانے کی وصیت کی۔

10.7 نمونۂ امتحانی سوالات

10.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. خلافت کے لیے بیعت کس مقام پر ہوئی؟

(c). مسجد نبوی ﷺ (b). ثقیفہ بنو ساعدہ (c). احد کے پہاڑ پر (d). سب غلط

2. حضرت ابو بکرؓ کی وفات کس سن میں ہوئی؟

(a). 11ھ (b). 12ھ (c). 13ھ (d). 14ھ

3. حضرت ابو بکرؓ کا دور خلافت کتنے برس کا ہے؟

(a). چار برس (b). دس برس (c). دو برس تین ماہ (d). چھ برس

4. یار غار کس کا لقب تھا؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

5. حضرت ابو بکر کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

(a). حضرت طلحہؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت ابو عبیدہؓ (d). حضرت علیؓ

6. اجنادین کس کے خلیفہ کے زمانے میں فتح ہوا؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

7. دمشق کس خلیفہ کے دور حکومت میں فتح ہوا؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

8. حضرت ابو بکرؓ نے تدوین قرآن کے کام پر کس صحابی کو مامور کیا؟

(a). حضرت عبداللہ بن عباسؓ (b). حضرت عبداللہ بن عمرؓ (c). حضرت زیدؓ بن ثابت (d). سب صحیح

9. حضرت ابو بکرؓ کا تعلق کس قبیلہ سے تھا؟

(a). بنو ہاشم (b). بنو امیہ (c). بنو تیم (d). بنو مخزوم

10. جھوٹے نبیوں کا فتنہ کس خلیفہ کے دور خلافت میں رو نما ہوا؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

10.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. خلافت راشدہ کے ارتقاء پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

2. خلافت سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کی خدمات پر تبصرہ کیجیے۔

3. حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بحیثیت خلیفہ خدمات پر روشنی ڈالیے۔

4. دور خلافت صدیقی کی فتوحات پر روشنی ڈالیے۔

5. تدوین قرآن پر ایک مختصر تبصرہ تحریر کیجیے۔

10.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت ابو بکرؓ کی حیات و خدمات پر ایک طویل مضمون لکھیے۔

2. عہد خلافت صدیق میں سرحد ایران اور ملک شام میں ہونے والی اسلامی فتوحات پر تفصیل سے لکھیے۔

3. خلیفہ بنتے ہی ابو بکر صدیقؓ کو کن اہم چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا؟ جائزہ لیجیے اور اس کی روشنی میں خلافت صدیق کی اہمیت کو واضح کیجیے۔

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ الخلفا : جلال الدین سیوطی

2. ابو بکر، صدیق اکبر : محمد حسین ہیکل، اردو ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی

3. ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا : شاہ ولی اللہ دہلوی

4. خلفائے راشدین : شاہ معین الدین احمد ندوی

5. اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ (جلد 1 اور 8)

معروضی سوالات کے جوابات

1.B	2.C	3. C	4. A	5. B
6. A	7.A	8. C	9. C	10. A

اکائی 11: حضرت عمرؓ بن الخطاب: حیات اور کارنامے

اکائی کے اجزا:

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 ذاتی احوال

11.2.1 قبول اسلام اور ہجرت

11.3 عہد خلافت

11.3.1 فتوحات

11.4 حدود سلطنت کی توسیع

11.5 حکومت کا نظم و نسق

11.5.1 طرز حکومت

11.5.2 عدل وانصاف

11.6 فضائل و کمالات

11.7 فرہنگ

11.8 اکتسابی نتائج

11.9 نمونہ امتحانی سوالات

11.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

11.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

11.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

11.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

اس اکائی میں اسلام کے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ان کی ولادت، تعلیم و تربیت، قبول اسلام، ہجرت مدینہ دور خلافت اور طرز زندگی کو احاطہ تحریر میں لایا جائے گا اور ان کی فتوحات کا اجمالی تعارف پیش کیا جائے گا۔

11.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد:

- آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیات و خدمات سے واقف ہو سکیں گے۔
- انہوں نے اسلامی سلطنت کو جو مضبوطی بخشی اور اس کا دائرہ وسیع کیا اس کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔
- قیادت اور انتظام کے شعبے میں حضرت عمر کے نظریات اقدامات کے بے نظیر ہونے کا پر تبصرہ کر سکیں گے۔

11.2 ذاتی احوال

حضرت عمرؓ کا پیدائشی نام 'عمر'؛ کنیت 'ابو حفص' اور لقب 'فاروق' تھا۔ حضرت عمرؓ کے قبل اسلام کی زندگی کے بارے میں کم معلومات ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں بھی بہت اختلاف ہے۔ تاہم علامہ شبلی نعمانی کے مطابق اللہ کے رسولؐ کی ہجرت مدینہ سے 40 سال قبل ان کی ولادت ہوئی۔ چونکہ 622ء ہجرت کا واقعہ پیش آیا تھا اس لحاظ سے 582ء ان کا سال ولادت شمار ہوگا۔

نام و نسب

حضرت عمرؓ کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام خنتمہ تھا۔ قبیلہ 'بنو عدی' کہلاتا ہے۔ عدی کے بھائی مرۃ رسول اللہؐ کے اجداد میں شامل ہیں اس مناسبت سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ آٹھویں پشت میں رسول اللہؐ سے جاملتا ہے اور 23 واسطوں سے حضرت اسماعیلؑ سے متصل ہو جاتا ہے۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن ذراع بن عدی بن کعب بن فہر بن مالک۔ فہر بن مالک کی گیارہویں پشت میں عدنان ہیں جن کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملا ہوا ہے۔

بچپن اور جوانی کے ایام

عرب میں چونکہ اونٹ اور بکریاں پالنے کا رواج تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے والد خطاب نے اونٹ چرانے کا کام ان کے سپرد کیا۔ حضرت عمرؓ پابندی اور محنت سے اونٹ چرانے کے لیے ضجنان کے میدان میں جایا کرتے تھے۔

عرب میں اس زمانے میں باقاعدہ علم و ادب کی تدریس کا رواج نہیں تھا، جو شرفا اور معززین ہوتے ان کے بچے عام طور پر علم

انساب، سپہ گری، کشتی اور تیر اندازی کا علم حاصل کرتے تھے۔ شعر وادب کا ذوق طبعی اور موروثی تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان سبھی علوم وفنون پر مہارت حاصل کی۔ زمانہ جاہلیت میں ہر سال عکاظ میں میلہ لگتا تھا جس میں مختلف فنون کے ماہرین شریک ہوتے اور اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی وقت کے بڑے بڑے پہلوانوں سے مقابلہ کیا اور انہیں مات دی تھی۔ شہسواری میں بھی طاق تھے، جب کبھی گھوڑ سواری کا مقابلہ ہوتا تو اس میں حضرت عمرؓ ہی فاتح ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ قریش میں بہادر، معزز اور شریف لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی شخصیت بارعب اور معاملہ فہم بھی تھی، اس لیے سفارت کا معزز منصب انہیں دیا گیا تھا۔

ذریعہ معاش

حضرت عمرؓ نے تاجر تھے اور اس میں خوب ترقی کی تھی۔ سامان تجارت کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں مختلف شہروں اور ملکوں کا دورہ کرتے رہتے تھے۔ ان اسفار سے انہیں کافی تجربات حاصل ہوئے اور ذہن وفکر میں پختگی پیدا ہوئی۔ تاہم افسوس ہے کہ ان اسفار کی تفصیل نہیں ملتی۔ قریش نے ان کی بہادری اور فراست کو عکاظ کے میلوں اور تجارت کے معاملوں میں دیکھا تھا اور ان کی صلاحیت کے معترف تھے، اسی لیے جب قبیلے میں کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو حضرت عمرؓ سے رجوع کیا جاتا اور اس کے حل کے لیے انہیں سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔

11.2.1 قبول اسلام اور ہجرت

جب اللہ کے رسولؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اہل عرب کو اسلام کی دعوت دی تو بہت سے لوگ مخالف ہوگئے۔ ان میں حضرت عمرؓ بھی پیش پیش تھے۔ اسلام سے پہلے آپؐ کے خاندان میں زید نامی ایک شخص تھے جو توحید کے قائل تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد انہیں زید کے بیٹے سعیدؓ نے اسلام قبول کر لیا، اور سعیدؓ کا نکاح چونکہ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا۔ لہٰذا سعیدؓ کے ساتھ ساتھ ان کی بہن نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم حضرت عمرؓ کو ابھی اس کی خبر نہیں تھی۔ حضرت عمرؓ صاحب جاہ وجلال تھے۔ جن لوگوں کے اسلام لانے کی خبر ان کو ملتی ان کے دشمن ہو جاتے اور ان کو طرح طرح سے اذیت پہنچاتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ انتہائی غصہ کے عالم میں ننگی تلوار لیے گھر سے اس ارادہ سے نکلے کہ رسول اللہؐ کو ہی قتل کر دیں، تاکہ روز روز کا یہ مسئلہ ختم ہو۔ راستہ میں نعیمؓ بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی، اس حالت میں عمرؓ کو دیکھ کر کہا: پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کے گھر کا رخ کیا۔ وہاں اپنے بہنوئی کو خوب مارا، اور جب بہن بچانے آئی تو اسے بھی مارا، اور دونوں کو لہولہان کر دیا۔ انہوں نے کہا: عمرؓ! تم کچھ بھی کر لو، اسلام دل میں گھر کر چکا ہے اور ہم اس سے پلٹنے والے نہیں ہیں۔ عمرؓ نے اتنا سنا تو کہا: جو تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ جیسے ہی عمر کی نظر قرآن کی آیت پر پڑی، ان کے دل کی دنیا میں ایک انقلاب آگیا۔ وہاں سے سیدھے رسول اللہؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت امیر حمزہؓ اور چند صحابہ وہاں موجود تھے، انہیں عمرؓ کو تلوار لیے دیکھ کر تھوڑا تردد ہوا، لیکن امیر حمزہؓ نے کہا: اگر نیک ارادے سے آیا تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو رسول اللہؐ نے پوچھا: عمر! کس ارادے سے آئے ہو۔ عمرؓ نے جواب دیا: آپؐ پر ایمان لانے کے لیے۔ حضورؐ کی زبان مبارک سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا، اتنا سننا تھا کہ سارے صحابہ خوشی سے جھوم اٹھے اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ یہ واقعہ اعلان نبوت کے چھٹے سال کا ہے۔ عرب میں اس وقت دو لوگوں کا بہت رعب ودبدبہ تھا اور اسلام کے خلاف یہ دونوں بہت سرگرم تھے، ایک عمر اور دوسرا

ابو جہل۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہؐ نے دعا کی تھی کہ عمر یا ابن ہشام (ابو جہل) کے ایمان سے اسلام کو قوت عطا فرما۔ چنانچہ یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے اہل ایمان کو بہت تقویت ملی اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس وقت تک تقریباً پچاس آدمی ایمان لا چکے تھے، مگر ارکان اسلام کی ادائیگی اعلانیہ نہیں بلکہ خفیہ طور پر کی جاتی تھی۔ عمرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو انہوں نے اعلانیہ طور پر فرائض کی ادائیگی کی یہاں تک کہ خانہ کعبہ میں بھی نماز ادا کی گئی۔

مکہ میں جب اسلام پھیلنے لگا تو دشمنان اسلام نے مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا اور اسلام سے باز رکھنے کے لیے طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ تاہم جب تک ابو طالب زندہ رہے اس وقت تک کھل کر مقابلے میں آنے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ لیکن جب ان کا انتقال ہو گیا تو کفار مکہ کا ظلم و ستم بھی حد سے بڑھنے لگا اور اسلام سے باز رکھنے کے لیے کفار مکہ نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ مگر اسلام کی روحانی قوت اور ایمانی جذبہ نے انہیں اسلام سے پھرنے نہ دیا۔ اس درمیان مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور یہاں کے معززین نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے اس جانب ہجرت کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ بھی بیس صحابہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ پہنچ کر رفاعہ بن عبدالمنذر کے مکان پر قیام کیا۔ 622ء میں رسول اللہؐ بھی ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر تمام مہاجرین اور انصار میں بھائی بھائی کا رشتہ قائم کیا گیا اور اہل مدینہ نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنا حقیقی بھائیوں کا درجہ دیا۔ حضرت عمرؓ کو قبیلہ بنو سالم کے سردار عتبان بن مالکؓ کا اسلامی بھائی بنایا گیا، جو آپؓ ان کے ساتھ مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر قبا میں رہنے لگے۔ یہاں سے ہر دوسرے دن رسول اللہؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور مسلسل خدمت میں مصروف رہتے تھے۔

فراست و شجاعت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاملہ فہم اور صائب الرائے تھے۔ فہم و فراست اور شجاعت و بہادری میں ممتاز تھے۔ جب مدینہ میں اسلام کی بنیاد مضبوط ہو گئی اور رسول اللہؐ تشریف لے آئے تب ارکان اسلام کی ادائیگی کی جانب توجہ دی گئی۔ سب سے پہلے جو مسئلہ سامنے آیا وہ تھا اوقات نماز کے اعلان کا تھا۔ اس زمانے میں دیگر مذاہب کے لوگ ناقوس (ایک قسم کا آلہ جس میں پھونکنے سے تیز آواز آتی ہے) بجا کر عبادت کا وقت بتاتے تھے۔ چنانچہ کئی صحابہ نے اسی کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ دیا، مگر اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کی رائے مختلف تھی۔ انہوں نے کہا: ایک آدمی کو اعلان نماز کے لیے مقرر کیا جائے، لہٰذا ان کی رائے رسول اللہؐ نے پسند کی اور اسی پر اتفاق ہوا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کے لیے منتخب کیا گیا اور یہیں سے اذان کی روایت قائم ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کہ ان کی رائے کے مطابق اسلام کے سب سے اہم رکن نماز کے اعلان کا طریقہ اذان کی صورت میں وجود میں آیا۔

حضرت عمرؓ نے قبول اسلام کے بعد ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں پیش پیش رہے، چنانچہ جب اسلام کے خلاف محاذ قائم ہوا اور جنگ کی نوبت آئی تو اس میں بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ شرکت کی۔ ہجرت مدینہ کے دو سال بعد بدر کا معرکہ پیش آیا، جس میں حضرت عمرؓ رسول اللہؐ کے دست و بازو بنے رہے۔ حضرت عمرؓ نے اسلام کو اپنے عزیز و اقارب سے بلند رکھا اور اسلامی امور میں رشتے داری کا کوئی پاس و لحاظ

نہیں رکھا۔ اس کا مظاہرہ بھی جنگ بدر میں انہوں نے کیا اور اپنے ایک ماموں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیا جو اس جنگ میں کفار مکہ کے ساتھ تھا۔ اس جنگ میں ستر افراد قید ہو کر آئے، جن کے معاملے میں صحابہ کی مختلف رائے تھیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم میں سے جو شخص جس قیدی کا رشتہ دار ہے وہ اسے قتل کر دے۔ جب کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا: فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہؐ چونکہ رحمت بن کر آئے تھے، اس لیے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کے مطابق فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔

معرکہ خیبر میں فتح کے بعد وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ اس کا ایک حصہ حضرت عمرؓ کو بھی ملا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسے خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو قبیلہ ہوازن کے مقابلے کے لیے تیس آدمیوں کے ہمراہ بھیجا گیا، مگر حضرت عمرؓ کا نام سنتے ہی ہیبت سے وہ لوگ بھاگ گئے۔

3 ہجری میں ان کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا سے حضورؐ نے نکاح فرمایا۔ 6 ہجری میں رسول اللہؐ نے خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے، تاکہ قریش کو جنگ کا شبہ نہ ہو۔ کچھ دور جا کر حضرت عمرؓ کو خیال آیا کہ اس طرح جانا مناسب نہیں ہے اس لیے آپؐ کو مدینہ سے ہتھیار منگوانے کا مشورہ دیا، جسے قبول کیا گیا اور مدینہ سے ہتھیار منگوا لیے گئے۔ اسی سفر میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور کفار مکہ کے ساتھ چند امور پر معاہدہ طے ہوا اور جب معاہدہ تیار ہوا تو اس پر اکابرین صحابہ کے ساتھ حضرت عمرؓ نے بھی دستخط کیے۔

8 ہجری میں جب مکہ فتح ہوا، اس وقت صفا کے مقام پر حضورؐ نے مردوں سے بیعت لی، اور پھر جب عورتوں کی بیعت کی باری آئی تو رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں پر بیعت لیں۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھوں پر حضورؐ کی جانب سے بیعت لی۔ سنہ 9 ہجری میں جب قیصر روم کے حملے کی خبر آئی تو مدینہ میں زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ چونکہ اس وقت مالی دشواری بھی در پیش تھی اس لیے تمام صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اپنا حصہ پیش کیا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے اپنے مال کے دو حصے کیے اور ایک حصہ حضورؐ کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو رسول اللہؐ سے بے انتہا محبت تھی، جس کا عملی اظہار متعدد مواقع پر ہوا۔

حضورؐ کی جب وفات ہوئی تو حضرت عمرؓ اس قدر غمزدہ ہوئے کہ آپے سے باہر ہو گئے اور مسجد نبوی میں جا کر کہا کہ "جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اس کو قتل کر دوں گا"۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد فتنوں نے بڑی تیزی سے سر اٹھایا، لیکن حضرت عمرؓ کی حکمت و دانائی اور مصلحت و دور اندیشی نے ان فتنوں کا سر بہت جلد کچل کر رکھ دیا۔

11.3 عہد خلافت

حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور تقریباً سوا دو سال اس عہدہ پر فائز رہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عہد نبویؐ میں، اور اس سے پہلے اور پھر اپنے دور خلافت میں بھی حضرت عمرؓ کی فہم و فراست کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ اس لیے ان کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ خلافت کے لیے حضرت عمرؓ سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے

اکابر صحابہ سے اس سلسلہ میں رائے لی، جن میں زیادہ تر ان کی اہلیت کے قائل تھے، مگر ان کی طبیعت میں سختی کو لے کر کچھ تردد میں تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ جب خلافت کا بوجھ ان پر آئے گا تو خود نرم ہو جائیں گے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ابھی آپؓ کی موجودگی میں ان میں اتنا غیض وغضب ہے تو آپؓ کے بعد کیا ہوگا، آپؓ خدا کو کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے اس شخص کو خلیفہ مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے بہتر تھا۔ پھر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور عہد نامہ لکھوایا کہ میں اپنے بعد عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ پھر باہر آکر مجمع سے مخاطب ہو کر کہا: کیا تم لوگ عمرؓ کی خلافت پر راضی ہو؟ جواب میں لوگوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔

11.3.1 فتوحات

حضرت عمرؓ نے جب خلافت کا بار سنبھالا، اس وقت اسلام کو ہر طرف سے مشکلات درپیش تھیں۔ ایسے دور میں جب ہر طرف منافقین ماحول خراب کرنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے، ایک نئی اسلامی سلطنت کو مستحکم کرنا بہت مشکل کام تھا۔ ایک ساتھ کئی مسائل کا سامنا تھا۔ کئی محاذ پر جنگ جاری تھی، ان کو مدد پہنچانا اور فتح سے ہم کنار کرانا ایک اہم مسئلہ تھا۔ پھر ان سب پر مقدم لوگوں سے بیعت لے کر انہیں متحد کرنا تھا۔ چنانچہ بیعت کے لیے گردونواح سے بڑی تعداد میں لوگ آتے رہے اور کئی دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

عراق کی فتح

چونکہ عراق میں جنگ جاری تھی اور انہیں فوجی مدد کی ضرورت تھی، اس لیے بیعت کے بعد حضرت عمرؓ نے جہاد کے موضوع پر وعظ کیا۔ حاضرین میں سے قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عبیدہ ثقفیؓ نے سب سے پہلے کھڑے ہو کر کہا 'میں اس کام کے لیے حاضر ہوں'۔ اتنا سننا تھا کہ مجمع میں جوش پیدا ہو گیا اور ہر طرف سے صدائیں بلند ہونے لگیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ ثقفیؓ کی سپہ سالاری میں ایک ہزار لوگوں کی فوج جمع کر کے عراق بھیجا، تا کہ وہ ایرانی فوج سے نبرد آزما ہوں۔ ابو عبیدہؓ اپنی قیادت میں پے درپے ان پر کئی حملے کیے اور بڑی بہادری سے مقابلہ کر کے فتوحات حاصل کرتے رہے، بالآخر ہاتھی پر سوار سردار پر حملہ آور ہوئے، ہاتھی نے آگے بڑھ کر ان کو زمین پر گرادیا اور سینے پر پیر رکھ کر مسل دیا۔ پھر ان کے بھائی نے علم اٹھایا وہ بھی شہید ہو گئے، اس طرح کئی لوگ علم اٹھاتے رہے اور شہید ہوتے رہے۔ بالآخر مثنی نے علم سنبھالا اور بچی کھچی فوج کو منظم کر کے ایرانی فوج پر حملہ آور ہوئے جس سے ایرانی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ اس جنگ میں اسلامی فوج کو بھاری نقصان ہوا۔

عراقی محاذ میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا تھا اس سے حضرت عمرؓ سخت نالاں تھے، چنانچہ انہوں نے ان کو شکست فاش دینے کے لیے زور وشور سے تیاری شروع کر دی۔ خطیبوں نے اپنے پر جوش تقریروں سے لوگوں میں جوش پیدا کر دیا اور ایک بڑی فوج تیار ہو گئی۔ لیکن چونکہ حج کا زمانہ آگیا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ حج کی تیاری میں لگ گئے۔ حج کے بعد ایک بڑے لشکر کے ساتھ حضرت عمرؓ نے خود سپہ سالار بن کر جانے کا ارادہ کیا اور حضرت علیؓ کو امور خلافت سپرد کر کے عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ اس واقعہ سے لوگوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا کہ خود امیر المومنین سپہ سالار بن کر جارہے ہیں۔ لیکن مدینہ چھوڑ کر ان کا جانا خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لیے فوج کو جمع کر کے ایک مقام پر رائے لی گئی۔ چنانچہ عام لوگوں نے سپہ سالار کی حیثیت سے شامل ہونے کو کہا۔ جب کہ اکابرین صحابہ نے اس کے خلاف مدینہ چھوڑ کر جانے

سے منع کیا۔ کیوں کہ امیر المومنین کی غیر موجودگی کا دوہرا نقصان ہو سکتا تھا۔ ایک یہ کہ غیر موجودگی میں منافقین بغاوت کر دیں اور دوسرا اگر جنگ میں شکست ہوئی اور امیر المومنین کو کچھ نقصان پہنچا تو اسلام کی کمر ٹوٹ جائے گی اور سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔ حضرت عمر نے اکابرین صحابہ کی رائے کو اہمیت دی اور اپنا ارادہ ترک کر کے مدینہ لوٹنے کا فیصلہ کیا اور سعد بن ابی وقاص ؓ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم بطور احتیاط فوج کی نقل و حمل اور جنگی معاملات کو اپنے اختیار میں رکھا اور وہاں کے حالات پر مستقل نظر رکھنے کے ساتھ جنگی احکام مسلسل جارے کرتے رہے۔

قادسیہ ایک سرسبز و شاداب مقام تھا، جہاں سے حضرت عمرؓ کا زمانۂ جاہلیت میں بارہا گزر تھا۔ اس لیے وہ یہاں کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہاں کا تازہ ترین نقشہ منگوا کر میدان جنگ کا نقشہ تیار کیا اور تفصیل سے لڑائی کے تمام پہلوؤں کو سمجھایا۔ عمرؓ نے خبر بھجوائی کہ جنگ سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ سفیران اسلام قادسیہ کے پایۂ تخت مدائن میں یزدگرد کے دربار میں حاضر ہوئے اور اسلام کی خوبیاں اس کے سامنے بیان کیں اور اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی۔ مگر اس نے اپنے غرور میں کسی طرح کی مصالحت سے انکار کر دیا اور ذلیل کرنے کے خیال سے ایک ٹوکری مٹی لا کر ان کے سر پر ڈال کر واپس کر دیا۔ مسلمانوں نے خوشی کا اظہار کیا کہ دشمنوں نے خود مٹی ان کے حوالے کر کے جیت کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ چنانچہ رستم کی قیادت میں یزدگرد کی فوج وہاں پہنچی۔ تاہم وہ لڑنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے کئی بار جنگ ٹالنے کے لیے صلح کی پیش کش کی، مگر مسلمانوں نے اپنی شرطوں پر صلح کرنا چاہا۔ اس لیے بات نہ بن سکی اور صلح کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ اس کے بعد جنگ کا اعلان ہوا۔ حضرت عمرؓ نے مجاہدین کا حوصلہ بڑھانے کے لیے جنگ کے دوران ہی خوب صورت عربی گھوڑے اور تلواریں بھیجیں اور لوگوں کو جوش دلایا۔ کئی دنوں تک گھماسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ مختلف اسلحوں سے لیس ایرانیوں کے بے شمار دستے تھے۔ مگر مسلمانوں نے جس بہادری سے ان کا مقابلہ کیا، اس کا جواب نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ نے فتح مسلمانوں کو عطا فرمائی اور مختصر عرصہ میں یکے بعد دیگرے پورا عراق فتح ہوتا چلا گیا۔

قادسیہ کی جنگ کو لے کر حضرت عمرؓ بہت متفکر رہا کرتے تھے اور ہر دم قاصدوں کے منتظر رہتے تھے۔ فتح کے بعد قادسیہ سے ایک قاصد اونٹ پر سوار آیا حضرت عمرؓ اس کے ساتھ پیدل چلتے رہے اور جنگ کی تفصیل جانتے رہے، جب مدینہ کے حدود میں داخل ہوئے تو لوگوں نے امیر المومنین کے لقب سے انہیں بلایا، قاصد یہ سن کر گھبرا گیا اور شرمندہ بھی ہوا۔ مگر حضرت عمرؓ نے کہا: تم اپنی گفتگو جاری رکھو۔ اس کے بعد لوگوں کو بلا کر ایک خطبہ دیا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ 'مسلمانوں میں تمہارا بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بناؤں، میں خدا کا غلام ہوں، البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر اسی طرح میں تمہارا کام کروں کہ تم چین سے سو سکو، تو میری سعادت ہے اور اگر میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر کھڑے رہو، تو یہ میری بدبختی ہے۔ میں تم کو اپنے عمل سے تعلیم دینا چاہتا ہوں نہ کہ محض زبانی'۔

شام کی فتح

ملک شام میں حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں ہی فوج کشی ہوئی تھی، اور انہیں کے زمانے میں دمشق کا بھی محاصرہ ہوا تھا، تاہم فتح حضرت عمر کے دور خلافت میں ہوئی۔ مجاہدین نے سردی و گرمی سے بے نیاز ہو کر بڑی دلیری اور جواں مردی سے دمشق کا مقابلہ کیا۔ دمشق اس زمانے میں بڑی اہمیت کا حامل شہر اور تجارت کا مرکز تھا۔ سنہ 14 ہجری مطابق 635ء میں یہ شہر فتح ہوا۔ اس شہر کی فتح سے شام کے دیگر

صوبوں کی فتح میں بہت مدد ملی اور رومیوں پر مسلمانوں کی ہیبت بھی بیٹھ گئی۔اس کا اثر یہ ہوا کہ بعد کی جنگوں میں انہوں نے لڑائی ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی اور کئی طرح کے لالچ دیئے کہ مسلمان واپس ہو جائیں۔ مگر مسلمان ان کی لالچ میں نہ آئے اور جنگ ہوئی۔ رومیوں نے اپنی پوری طاقت جھونک دی مگر مسلمانوں کے عزم وارادے کے آگے ٹک نہ سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فتح کی خوش خبری بھیجی اور مفتوحین کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا" رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین زمینداروں کے قبضے میں ہی رہنے دی جائے"۔

دمشق،اردن اور حمص میں شکست کے بعد رومیوں نے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کی اورآس پاس کے تمام ممالک سے مدد کا مطالبہ کیااس طرح ایک عظیم الشان لشکر تیار ہو گیااور جنگ یرموک کاآغاز ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں یرموک کے مقام پر رومیوں کے ساتھ ایک خونریز جنگ ہوئی۔ یہاں بھی بڑی بہادری اور جاں نثاری کے ساتھ مسلمانوں نے مقابلہ کیااور رومیوں کے پیر اکھڑ گئےاور فتح حاصل ہوئی۔ قیصر روم کو جب اس شکست کی خبر ملی تو وہ شام کوالوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا۔جب سے یہ جنگ شروع ہوئی تھی حضرت عمرؓ بہت پریشان تھے، لیکن جیسے ہی انہیں فتح کی خبر ملی سجدہ میں گر پڑے۔

ان سارے واقعات سے عیسائیوں کے دلوں میں ایک خوف بیٹھ گیا تھا۔اس لیے بیت المقدس کی طرف جب اسلامی فوج نے کوچ کیا، تو وہاں کے عیسائی نے پہلے ہی صلح کی درخواست کی اور شرائط تسلیم کر لیے۔ البتہ اتنی درخواست کی کہ حضرت عمرؓ خود آکر صلح نامہ تیار کر کے دستخط کریں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ مدینہ طیبہ میں حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئے۔ معاہدہ کے بعد بیت المقدس کے اندر داخل ہوئے، سجدۂ شکر ادا کیااور قرآن کی تلاوت کی۔ کئی دنوں تک یہاں قیام رہا۔اس دوران ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان دینے کی درخواست کی گئی۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے بیت المقدس میں پہلی اذان دی۔

11.4 حدود سلطنت کی توسیع

حضرت عمرؓ نے جس وقت خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا،اس وقت اسلامی سلطنت کا دائرہ بہت محدود اور غیر منظم تھا۔اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بہت کم وقت ملااور محض دو سال کی مدت میں انتقال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے کل دس سال چھ مہینے اور چار دن تک خلافت کی ذمہ داری اٹھائی اور اپنی بصیرت سے دنیا کا ایک بڑا حصہ فتح کر کے اسلامی حدود میں شامل کر دیا۔ چنانچہ ان کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ بائیس لاکھ اکیاون ہزار تیس (22,51030)مربع میل تک وسیع ہو گیا۔ شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق، عجم،آرمینیا،آذربائیجان،فارس، کرمان، خراسان اور مکران وغیرہ ان کی خلافت کے دوران یعنی ساڑھے دس سال میں اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ دنیا کا اتنا بڑا رقبہ اتنے کم عرصے میں فتح ہو جانا غیر معمولی بات تھی۔اس زمانے کی عظیم الشان سلطنتیں بھی جو قیصر و کسریٰ کے نام سے مشہور تھیں، مسلمانوں کے زیر نگیں آگئیں۔ اس کامیابی پر پوری دنیا حیرت میں تھی کہ اتنی قلیل مدت میں عرب کے بدّوؤں اور چرواہوں نے کیسے فتح کر لیا۔ مغربی مورخین نے فتح کے اسباب میں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ آپسی لڑائیوں کی بنا پر فارس اور روم کی

سلطنتیں کمزور ہو گئی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی فوجی طاقت کے مقابلے عرب بہت کمزور تھے۔ ان کے پاس جنگی آلات اور اسلحے کی فراوانی تھی، فوجوں کی کثرت تھی اور خوراک کی کوئی کمی نہیں تھی۔ جبکہ عرب کے پاس بہت مختصر فوج تھی اور اسلحے بھی بہت معمولی تھے، ان کی فوج تربیت یافتہ بھی نہیں تھی، یہ عوام تھی، جنہیں اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جمع کیا گیا تھا۔ لٰہذا یورپی مؤرخین کا یہ کہنا کہ وہ آپسی لڑائیوں کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے قابل قبول نہیں ہو گی۔ یہ دراصل حق اور باطل کی جنگ تھی اور مسلمان حق پر تھے۔ ان کے اندر ایمانی جوش و جذبہ کارفرما تھا، رسول اللہ ﷺ کی محبت تھی، اور ساتھ میں حضرت عمرؓ کی عقیدت و بصیرت نے ان میں مزید قوت پیدا کر دی تھی۔ اس لیے مسلمان جہاں بھی جاتے بڑی سے بڑی فوج کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ دوسری بات جس علاقے کو فتح کرتے، وہاں مکمل امن وامان اور عدل و انصاف کا نظام قائم کیا جاتا تھا۔ اس طرح رعایا کو بھی ظالم و جابر حکومت کے چنگل سے نجات مل جاتی تھی۔ مفتوحہ شہر یا ملک کی غیر مسلم عوام مسلمانوں کی ایمانداری، دیانت داری اور اخلاق حسنہ کے گرویدہ ہو جاتی اور ان کے دلوں میں محبت پیدا ہو جاتی تھی۔

شام اور عراق کی فتح نے عربوں کا خوف عیسائیوں کے دلوں میں بٹھا دیا تھا۔ تاہم ایرانی وقفہ وقفہ سے ان مفتوحہ علاقوں میں بغاوت کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔ ایران اس زمانہ میں بہت طاقتور سلطنت تھی۔ اس لیے اس کی جانب ہاتھ بڑھانا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ خود حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ایرانی ہم پر حملہ آور نہ ہوں اور ہمیں ان پر حملہ نہ کرنا پڑے۔ مگر ایرانیوں کی جب شورش بڑھی تو حضرت عمرؓ نے اسے تسخیر کرنے کا منصوبہ بنایا اور فارس کی فتح کے ساتھ ہی ایران پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ انہوں نے آذر بائیجان، اصفہان، طبرستان، آرمینیا، فارس، کرمان، سیستان، مکران اور خراسان کے علاوہ پورا عراق، شام، مصر اور اسکندریہ وغیرہ کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔

11.5 حکومت کا نظم ونسق

حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ ملکوں اور شہروں میں انتظامی امور اور حفاظتی تدابیر پر خاص توجہ دی۔ رعایا کی دیکھ بھال کے ساتھ ان کی زندگی کو بہتر بنانے اور امن وسلامتی قائم رکھنے کے لیے مختلف طریقے اپنائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی دور اندیشی سے سلطنت کو ہر نہج پر محفوظ اور مضبوط کرنا شروع کیا۔ اس کے لیے آٹھ بڑے شہروں میں انہوں نے فوجی چھاؤنیاں بنوائیں۔ یہاں ہر دم چار ہزار گھوڑ سوار تیار رہتے اور جہاں بھی بد نظمی ہوتی یا کسی قسم کی ضرورت پیش آتی فوراً یہاں سے مدد بھیجی جاتی۔ چنانچہ حمص میں جب عیسائیوں نے قیصر روم کے ساتھ دوبارہ چڑھائی کی تو مسلمانوں نے فوراً اپنی فوج اکٹھی کر لی اور ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں بھاگنا پڑا۔

18 ہجری میں 'عمواس' کی وبا پھیلی۔ یہ اتنی مہلک وبا تھی کہ اس سے ہزاروں جانوں کا نقصان ہوا۔ حضرت عمرؓ کو جب اس کی خبر ملی تو فوراً اس کی روک تھام کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ جن مقامات پر اس کی تباہی کے اثرات تھے وہاں خود جا کر حالات کا معائنہ کیا اور اس وبا سے حفاظت کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ حضرت عمرؓ نے ملکی انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے شام کا سفر کیا اور بیشتر شہروں میں چند دن قیام کر کے انتظامات کی دیکھ بھال کی۔ فوجوں کی تنخواہیں اور وبا میں ہلاک ہونے والوں کے وارثین کے درمیان وراثت تقسیم کی گئی۔ نیز خالی

عہدوں پر نئی تقرریاں کی گئیں اور سرحد کو محفوظ بنانے کے لیے چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔

11.5.1 طرز حکومت

اسلامی تاریخ میں حضرت عمرؓ کی شخصیت سیاسی بصیرت اور فہم و فراست کے اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اسلام سے پہلے عرب، ایران اور روم کی طاقت و قوت سے بہت خوف زدہ رہتے تھے، مگر اسلام کے بعد جب حضرت عمرؓ نے خلیفہ ثانی کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی تو قیصر و کسریٰ بھی اسلامی سلطنت کا محض ایک حصہ ہو کر رہ گئے۔ حضورؐ نے اپنے عہد میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت پر زور دیا۔ ان کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، جس میں منافقین اور اسلام سے پھرے ہوئے لوگوں سے نپٹنے کے بعد بیرون عرب مہمات کا آغاز ہوا اور اسلام کا دائرہ بڑھنے لگا۔ لیکن اس وقت تک کوئی بہت بڑی کامیابی نہیں ملی تھی اور نہ ہی کوئی واضح نظام وجود میں آیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دس سالہ دور حکومت میں اسلام کا دائرہ وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ نظام حکومت کے قیام پر توجہ دی، مختلف شعبے قائم کیے اور ایک آئیڈیل طرز حکومت کی بنیاد ڈالی۔

حضرت عمرؓ کا دور خلافت سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ دنیا کے تمام مورخین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں شخصی اور بادشاہی نظام قائم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے برخلاف حکومت کو عوام سے جوڑنے کی کوشش کی۔ اس کے لیے انہوں نے مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں لایا، جس میں انصار و مہاجرین کے مختلف قبیلوں کے نمائندے شامل تھے۔ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا، مسجد میں جمع ہونے کے لیے اعلان کر دیا جاتا، اور مسائل زیر بحث لائے جاتے۔ حضرت عمرؓ اس بات کے قائل تھے کہ بغیر مشورے کے خلافت کا وجود نہیں ہے۔ مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عوام کو بھی اجازت تھی کہ وہ کسی بھی اہم مسئلے کی جانب توجہ دلانے میں تامل نہ کریں اور انتظامی امور کو بہتر بنانے کے لیے اپنے مفید مشورے بھی دیں۔ کوفہ، بصرہ اور شام میں جب خراج وصول کرنے کے لیے حاکم بنانے کی بات آئی تو حضرت عمرؓ نے وہاں کی عوام کو اس کا اختیار دیا کہ وہ خود اپنے درمیان سے کسی قابل اور دیانت دار شخص کو منتخب کر لیں۔ اسی طرح اہل کوفہ کی شکایت پر وہاں کے گورنر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔

اسلامی سلطنت کا دائرہ جوں جوں بڑھتا گیا انتظامی امور کے مختلف شعبے قائم ہوتے گئے۔ حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ علاقوں کو مختلف صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک کے انتظامات کے لیے بہت سے عہدے ترتیب دیئے تاکہ ملکی نظام کو بہتر کیا جا سکے۔ مثلاً والی یا حاکم، قاضی، پولیس آفیسر، کلکٹر اور میر منشی وغیرہ کے عہدے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں ہی قائم کر دیئے۔ ان سب عہدوں پر قابل اور باصلاحیت لوگوں کو مامور کیا۔ البتہ اس سلسلہ میں لوگوں کی رایوں کا بھی مکمل خیال رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تمام عہدوں پر منتخب لوگوں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں اور خدمت کے عوض میں پیسے دینے کا رواج قائم کیا۔ ساتھ ہی اس اہتمام سے تقرری ہوتی تھی کہ باقاعدہ مرکز سے فرمان جاری ہوتا، جس میں عہدہ، فرائض اور اختیارات کا تفصیلی ذکر ہوتا اور جس کا جہاں تقرر ہوتا وہ پورا فرمان پڑھ کر مجمع کو سناتا۔ تاکہ لوگ ان دائرہ کار سے آگاہ ہو سکیں اور روگردانی کی صورت میں اس سے باز پرس کر سکیں۔

حضرت عمرؓ نے بار بار اپنے خطاب میں حاکموں کو نصیحت کی اور ان کے فرائض و حدود یاد دلایا۔ انہیں عوام پر حکومت کرنے کے

بجائے خدمت کرنے کے لیے کہا۔ حلف لیتے وقت عیش وآرام کی زندگی سے خاص طور پر علاحدہ رہنے پر زور دیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں چونکہ ترکی گھوڑے پر سوار ہونا، باریک کپڑے پہننا، چھنا ہوا آٹا کھانا اور دروازہ پر دربان رکھنا تعیش کی زندگی میں شمار ہوتا تھا، اس لیے ان باتوں سے دور رہنے کے لیے ہر عامل کو حلف دلایا جاتا تھا۔ عاملوں کی بد عنوانی سے باخبر رہنے کے لیے تقرری کے وقت ان کی جائداد اور مال واسباب کی فہرست بنالی جاتی اور جب اس عہدہ سے علاحدگی ہوتی تو فہرست میں موجود جائیداد اور مال واسباب سے زائد چیزوں کی چھان بین کی جاتی تھی۔ جب کسی پر بد عنوانی کا الزام ثابت ہو جاتا تو اس کے مال سے آدھا حصہ لے کر بیت المال میں جمع کر دیا جاتا۔ حج کے موقع پر تمام حاکموں اور عاملوں کو جمع ہونے کا حکم تھا۔ یہاں سبھی لوگ جمع ہوتے اور ان کی شکایتیں سنی جاتیں اور ان کا حل کیا جاتا۔ اگر کسی عامل کے خلاف کوئی شکایت آتی یا اس پر کوئی الزام لگایا جاتا تو پہلے اس کی تحقیق کی جاتی۔ اور اگر الزام ثابت ہو جاتا تو فوراً اسے سزا دی جاتی اور عہدے سے برطرف کر دیا جاتا۔ بیمار کی عیادت کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا اور عیش وآرام کی زندگی سے بچنا خاص ہدایت میں شامل تھی۔

حضرت عمرؓ نے ہی خراج وصول کرنے کا نظام رائج کیا۔ تاکہ معاشی نظام کو بہتر اور مضبوط کیا جاسکے۔ کاشت کاری اور زراعت کی ترقی پر بھی انہوں نے خاص توجہ دی۔ زراعت کی سیرابی اور پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے محکمہ آب پاشی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بصرہ میں نہر ابی موسی، نہر معقل جسے دجلہ سے کاٹ کر نکالا گیا تھا، نہر سعد اور نہر امیر المومنین 18 ہجری میں کھودی گئی۔ جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ کے حکم پر یہ نہر کھودی گئی جس سے عرب کو سیرابی ملی۔ یہ سب اسی سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے محکمہ قضا قائم کیا۔ اب تک اس کے لیے کوئی علاحدہ شعبہ نہیں تھا۔ پھر اس کے لیے قاضیوں کے انتخاب میں انتہائی احتیاط سے کام لیا جاتا، اور انہیں سخت امتحان سے گزرنا پڑتا تھا۔ قاضیوں کو رشوت سے بچانے کے لیے انہیں اچھی تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ لوگوں کو مسائل شرعیہ سے آگاہ کرانے اور ان کے مذہبی مسائل حل کرنے کے لیے محکمہ افتاء کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس محکمہ میں باقاعدہ حکومتی سطح پر مفتیوں کی تقرری کی جاتی تھی۔ جیل خانہ کا رواج حضرت عمرؓ نے شروع کیا۔ ان سے پہلے عرب میں اس کا تصور نہیں تھا۔ حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کے لیے جلاوطنی کی سزا کا آغاز بھی حضرت عمرؓ نے ہی کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو بھی مال غنیمت آتا اسے ضرورت مندوں اور حق داروں میں فوراً تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ مگر جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انہوں نے باقاعدہ بیت المال قائم کیا تاکہ معاشی نظام کو مضبوط و مستحکم کیا جاسکے۔

حضرت عمرؓ نے ملک کی حفاظت کے لیے فوجی نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا اور ہر مسلمان کو ایک فوجی کی حیثیت سے تیار کرنا شروع کیا۔ اس کے لیے مختلف جگہوں کو فوجی مراکز بنا کر ٹریننگ شروع کی گئی۔ گھوڑوں کی پیدائش اور افزائش، فوج کا دفتر، غلہ کی پیداوار میں اضافہ، فوجی چھاؤنیاں، تنخواہوں میں ترقی، خوراک کا بہتر انتظام، آب ہوا اور موسم کے لحاظ سے فوجوں کی تقسیم، پرچہ نویسوں اور کاتبوں کا انتظام، تیز رفتار قاصد کا اہتمام اور ذرائع نقل وحمل میں تیزی کے ساتھ ساتھ ایک بہتر سماج اور زندگی کے لیے تمام امکانات کو بروئے کار لایا گیا۔ تعلیم کو فروغ دینے کے لیے مکاتب کا قیام عمل میں آیا اور تدریسی فرائض انجام دینے کے لیے اساتذہ کی تقرری تنخواہوں کے ساتھ کی گئی۔

حضرت عمرؓ نے مساجد کے لیے اماموں اور موذنوں کا باقاعدہ تقرر کیا۔ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی توسیع بھی ان کی خدمات میں شامل

ہیں۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان چوکیاں اور چشمے قائم کیے اور شہروں کی آبادکاری پر توجہ دی۔ انہوں نے ہجری کیلنڈر کا باضابطہ اور منظم طریقہ رائج کیا۔ غلاموں کے قوانین میں نرمی پیدا کی شراب کے قوانین میں سختی برتی۔ ذمیوں کی حفاظت کو یقینی بنایا۔ حضرت عمرؓ نے جنگی اصول تیار کیے اور فاتح قوم کے لیے خصوصی ہدایات بھی جاری کیں۔ فتح کے بعد قتل عام کی ممانعت قرار دی گئی۔ جنگ کے دوران بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ہاتھ لگانے سے روکا گیا۔ اس کے علاوہ جانوروں کو مارنا اور درختوں کو کاٹنا سخت ممنوع قرار دیا گیا۔

11.5.2 عدل وانصاف

حضرت عمرؓ عدل وانصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔ بہت معمولی قسم کی بے انصافی بھی وہ درگزر نہیں فرماتے تھے۔ بیت المال کو وہ عوام کا مال سمجھتے تھے اور اس میں ذرہ برابر بھی خیانت برداشت نہیں کرتے تھے۔ کسی بھی حکومت کے لیے عوام وخواص اور حاکم ورعایاکے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے برابری کا قیام وبقاء، قانون اور مواقع کا سب کے لیے یکساں طور پر میسر ہونا سب سے اہم چیز ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ اس لحاظ انتہائی کامیاب دور تھا۔ آپؓ نے کئی موقعوں پر عوام سے بہت واضح انداز میں اپنے حقوق کے مطالبے کی بات کہی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر میں حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کروں تو عہدۂ خلافت سے اتار دینا۔ خلافت کا معاشی نظام بیت المال پر منحصر تھا اور بیت المال خلیفہ کے اختیار میں۔ مگر اس کے باوجود آپؓ نے اپنی ذات پر صرف اتنا ہی لیا، جو زندگی گذارنے کے لیے کافی ہو۔ لوگوں کے حقوق کا متعدد مرتبہ ذکر کیا اور لوگوں سے مواخذہ کرنے کی بھی بار بار درخواست کی، مال غنیمت کا نہ تو بیجا اسراف کیا اور نہ ہی لوگوں کے حقوق مار کر جمع خوری کی۔ کبھی کسی غیر کے خلاف بھی ناانصافی کا کوئی فیصلہ نہیں دیا اور نہ ہی اپنوں کے حق میں کسی غلطی کو روا رکھا۔ اس کی ایک اہم مثال حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی بھی ہے۔ حضرت خالدؓ اس وقت کے عظیم سپہ سالار تھے۔ ان کو صرف اس بنیاد پر ان کے عہدہ سے برطرف کر دیا کہ وہ آمدنی اور اخراجات کے حسابات خلیفہ کو نہیں بھیجتے تھے۔ یہ بات حضرت عمرؓ کو پسند نہیں تھی۔ اس لیے انہوں نے حساب بھیجنے کی تاکید کی، لیکن جب حضرت خالدؓ نے نہ بھیجے تو انہیں سپہ سالار کے عہدہ سے معزول کر کے حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔

حضرت عمرؓ انتہائی بارعب اور صاحب جاہ وجلال شخص تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے اپنی معزولی کے بعد جب تقریر کی تو کہا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ملک شام کی فتح سے پہلے مجھے وہاں کا افسر بنایا اور جب میں نے شام فتح کر لیا تو مجھے معزول کر دیا۔ اس جملے پر ایک سپاہی نے کہا: ایسی باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے فوراً جواب دیا: عمرؓ کے ہوتے ہوئے کسی فتنہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کے حقوق پر بھی خصوصی توجہ دی تھی۔ چنانچہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو اہل ذمہ کے حقوق کا خیال رکھنے کی خصوصی تلقین کی اور کہا کہ خلیفہ وقت کو چاہیے کہ انہیں تکلیف میں نہ ڈالے اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کو لازمی سمجھے۔

سادگی

حضرت عمرؓ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ امیر المومنین بننے کے بعد بھی نہایت عام اور سادہ لباس میں رہتے تھے۔ بیت المقدس کے معاہدہ

کے وقت مسلمانوں نے کسی قدر بہتر کپڑے پیش کئے، لیکن حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا خدا نے جو اسلام کی عزت دی ہے وہی کافی ہے، کسی ظاہری لباس کی کوئی ضرورت نہیں۔ وبا کے دنوں میں حضرت عمرؓ جب ملک شام گئے تو اس سفر کے دوران ان کا کرتا پھٹ گیا۔ اس کی مرمت کے لیے ایلہ کے پادری کو دیا گیا۔ اس نے پرانے کرتے پر پیوند لگانے کے ساتھ ساتھ ایک نیا کرتا بھی تیار کر کے حضرت عمرؓ کو پیش کیا۔ تاہم انہوں نے اپنا پرانا کرتا پہن لیا اور نئے کی جانب توجہ نہیں دی۔ مسلمانوں کے خلیفہ بننے کے بعد ایک بار اس میدان سے حضرت عمرؓ کا گزر ہوا جہاں وہ اونٹ چرایا کرتے تھے اور جب تھک کر آرام کرنے لگتے تو ان کے والد مارا کرتے تھے۔ اس وقت کو یاد کر کے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ''آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں''۔

عام طور پر جب لوگ تخت و تاج کے مالک ہوتے ہیں تو ان میں بادشاہت آجاتی ہے اور رعایا کی ساری ضروریات پر اپنے عیش و آرام کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا دور اسلامی سلطنت کا بہت خوش حال دور رہا ہے اور وہ پوری سلطنت کے مختار کل تھے۔ مگر اس کے باوجود ان کی پوری زندگی انتہائی سادگی میں گزری۔ انہوں نے خود کو کبھی حکمراں یا بادشاہ نہیں سمجھا، بلکہ اسلام کے خادم کی حیثیت سے انہوں نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے اپنی ذاتی زندگی پر اتنا ہی خرچ روا رکھا جتنا ایک عام انسان کے جینے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

امیر المومنین کا یہ عالم تھا کہ عام لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مدینہ کے بازاروں میں گشت کیا کرتے تھے اور حاجت مندوں کی حاجت پوری کرتے تھے۔ ان کے حدود سلطنت میں ہر شخص کو امیر المومنین سے حساب مانگنے کی اجازت تھی۔ بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ لوگوں میں کپڑے تقسیم ہوئے اور سب کو ایک ایک حصہ ملا۔ حضرت عمرؓ چونکہ طویل القامت تھے اس لیے ان کے لیے ایک کپڑا کافی نہیں ہوا، ان کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنا حصہ اپنے والد کو دے دیا، لیکن یہ بات عوام کو نہیں معلوم تھی۔ چنانچہ جب ان کے پاس دو حصے دیکھے گئے تو ایک شخص فوراً سوال کر دیا کہ آپ کے پاس دو حصے کہاں سے آئے۔ حضرت عمر نے خوشی خوشی اس کا جواب دیا اور انہیں کسی قسم کی ناراضگی بھی نہیں ہوئی۔ آپ نے زندگی میں سادگی کو اپنا زیور بنا لیا تھا اور اسی میں ان کو آرام ملتا تھا۔ غرض کہ حضرت عمرؓ نے دنیا کی تمام نعمتوں کی حصولیابی کے باوجود نہایت ہی سادگی سے زندگی بسر کی۔

وفات

حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ بھی بہت عجیب ہے۔ انتہائی معمولی بات پر ایک پارسی غلام نے دنیا کو فتح کرنے والے امیر المومنین پر حملہ کر دیا، جس کے زخموں کی تاب نہ لا کر بالآخر مالک حقیقی سے جا ملے۔ دراصل عرب میں رواج تھا کہ غلاموں کی کمائی پر آقا محصول یعنی ٹیکس وصول کرتا تھا۔ فیروز ایک پارسی غلام تھا۔ جس کا آقا مغیرہ بن شعبہ نے اس پر روزانہ دو درہم کا ٹیکس لگا رکھا تھا۔ اس نے اپنا ٹیکس کم کرانے کے لیے امیر المومنین کی بارگاہ میں درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا پیشہ جاننے کے بعد فرمایا: تمہاری آمدنی کے لحاظ سے بہت زیادہ نہیں ہے۔ بس اسی بات کے لیے وہ حضرت عمرؓ سے بدلہ لینے کا ٹھان لیا، چنانچہ حضرت عمرؓ جب نماز میں امامت فرما رہے تھے، اس نے آپؓ پر پے در پے کئی حملے کر دیئے۔ حضرت عمرؓ زخموں کی تاب نہ لا کر گر گئے اور ان کی جگہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے نماز مکمل کرائی۔ نماز کے بعد انہیں گھر لے جایا گیا۔ گھر میں انہوں نے اپنے قاتل کے بارے میں پوچھا، اور جب یہ معلوم ہوا کہ آپؓ پر حملہ کرنے والا شخص کوئی مسلمان نہیں تھا تو

آپؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر طبیب بلایا گیا اور علاج کے ذریعے زخم بھرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر زخم اتنا گہرا تھا کہ بچنے کی امید ختم ہو گئی۔اب مسئلہ آیا ولی عہدی اور جانشینی کا۔ چونکہ حضرت عمرؓ کو یقین ہو چلا تھا کہ اب اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا ہے۔ان کی بڑی خواہش تھی کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیے جائیں، لیکن چونکہ آنحضورؐ کے ایک پہلو حضرت صدیق اکبرؓ مدفون تھے اور دوسرے پہلو کی جگہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا، لٰہذا اس آخری وقت میں حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں آنحضورؐ کے پہلو میں دفن کیے جانے کی اجازت دے دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد دوسرا اہم مسئلہ جانشین مقرر کرنے کا تھا۔ صحابہ چاہتے تھے کہ خلیفہ کا مسئلہ حضرت عمرؓ حل کر جائیں تاکہ اس میں کوئی نزاع باقی نہ رہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس پر غور کیا تھا، تاہم انہیں کوئی واضح اور مناسب شخصیت نظر نہ آئی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ایک نام پر انہوں نے مہر نہیں لگائی۔ بلکہ انہوں نے چھ افراد علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی اور کہا کہ کثرت رائے سے انہی میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے، اس کمیٹی میں اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی شامل کر دیا، لیکن ان کے متعلق یہ وضاحت کر دی کہ ان کو بطور خلیفہ منتخب نہیں کیا جائے گا۔اس کے بعد آپؓ نے منتخب ہونے والے خلیفہ کے لیے بعض نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں، پھر اپنے قرض کی ادائیگی پر توجہ دی۔ان سب کاموں سے فراغت پانے کے بعد 26 ذوالحجہ سنہ 23 ہجری، 6 نومبر 644ء کو مدینہ منورہ میں اس عظیم فاتح کا انتقال ہو گیا۔

11.6 فضائل و کمالات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام دینی و دنیاوی اوصاف و کمالات کے جامع تھے۔ دنیاوی معاملات کے ماہر اور سیاسی امور میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ اور روحانیت میں پیشوا تھے۔ عدل و انصاف کے ایسے پیکر تھے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ، امیر اور غریب، اور بادشاہ اور رعایا میں کبھی کوئی تفریق نہیں کی۔اسی بنیاد پر انہیں فاروق کا خطاب ملا یعنی حق و باطل کے مابین فرق کرنے والا۔

حضرت عمرؓ کی شخصیت میں بے شمار صلاحیتیں یکجا تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں شجاعت و بہادری اور عقل و دانائی کی وجہ سے عرب میں معزز شمار ہوتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد انہیں رسول اللہؐ کا قرب حاصل ہوا اور تمام معاملات میں ان کی رائے کو اہمیت دی گئی۔ بعض دفعہ ان کی رائے کی تائید اور توثیق میں بعض آیتیں بھی نازل ہوئی جن کے ذریعہ گویا انہیں تائید غیبی حاصل ہوئی۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ نے عمر کی زبان اور قلب کو صداقت کا مصدر بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ دنیا کے عظیم فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ صدق و صفا کے پیکر بھی تھے، جود و سخا کے مظہر بھی تھے اور اخلاقی اقدار میں برتر بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام مورخین، مفکرین اور سیاست دانوں نے ان کے فضائل و کمالات اور حیات و خدمات کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔انہوں نے اپنے دور خلافت میں جسمانی طور پر کسی بھی جنگ میں شرکت نہیں کی، تاہم ہر جنگ کا نقشہ خود تیار کرتے اور تمام پیش قدمی پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ مسلسل ہدایات جاری کرتے رہتے تھے۔ مدینہ میں رہ کر دور دراز ملکوں میں جاری جنگوں پر گہری نظر

رکھتے تھے۔ دنیا کے پہلے سپہ سالار تھے جو میدان جنگ سے باہر رہ کر فوجوں کو لڑاتے اور فتح وظفر سے ہم کنار کراتے تھے۔

11.7 فرہنگ

عہد فاروقی: حضرت عمرؓ کا دور حکومت   زراعت: کھیتی   عسکریت: جنگی ذہنیت

11.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حضرت عمرؓ کا تعلق قبیلہ "بنی عدی" سے تھا۔ اور آپؓ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں آنحضورؐ سے جاملتا ہے۔
- حضرت عمرؓ پڑھنے لکھنے کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔
- حضرت عمرؓ کی قبولیت اسلام کے بعد مسلمان اعلانیہ طور پر فرائض کی ادائیگی کے ساتھ خانہ کعبہ میں بھی نمازیں ادا کرنے لگے تھے۔
- حضرت عمرؓ دوسرے خلیفہ راشد ہیں۔ ان کی مدت خلافت دس سال اور چند مہینے ہے۔
- حضرت عمرؓ کے عہد وقت کے سپر پاور روم اور ایران کو شکست دیا گیا اور وہ مملکت اسلامی کا ایک حصہ بن گئے۔
- انتظامی امور کے پیش نظر بعض اقدامات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پہلی مرتبہ ہوئے، انہیں اولیات عمرؓ کہا جاتا ہے، مثلاً مختلف عہدوں اور مناصب پر مامور افراد کے لیے تنخواہیں مقرر کی گئیں، مکاتب، بیت المال، محکمہ قضاء، جیل خانوں کا قیام، ہجری کیلنڈر کا آغاز شامل ہیں۔
- بیت المقدس کے معاہدہ کے لیے حضرت عمرؓ خود تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت مدینہ میں اپنا نائب حضرت علیؓ کو بنایا تھا۔

11.9 نمونہ امتحانی سوالات

11.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت عمرؓ کو کون سا خطاب ملا تھا؟

(a). صدیق   (b). غنی   (c). شجاع   (d). فاروقؓ

2. حضرت عمرؓ نے سپہ سالاری سے کسے معزول کیا تھا؟

(a). حضرت علیؓ   (b). حضرت خالدؓ   (c). حضرت اسامہؓ   (d). حضرت ابوعبیدہؓ

3. ہجری کیلنڈر کا آغاز کس کے عہد خلافت میں ہوا تھا؟

(a). حضرت ابوبکرؓ   (b). حضرت عمرؓ   (c). حضرت عثمانؓ   (d). حضرت علیؓ

4. حضرت عمر کی مدت خلافت کتنی ہے؟

(a). بارہ سال (b). آٹھ سال (c). دس سال (d). نو سال

5. حضرت عمر کی وفات کب ہوئی؟

(a). 25 صفر، 25ھ (b). 16 رمضان، 23ھ (c). 26 ذوالحجہ، 23ھ (d). 27 محرم، 22ھ

11.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب بتائیے؟
2. حضرت عمرؓ کی رسول اللہؐ سے محبت اور قرابت کا ذکر کیجیے؟
3. حضرت عمرؓ کا اسلام لانے کا واقعہ بیان کیجیے؟
4. حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کیوں معزول کیا گیا؟
5. مجلس شوری کیوں قائم کی گئی تھی؟ نوٹ لکھیے۔

11.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. قبل اسلام حضرت عمرؓ کی شجاعت و بہادری اور ان کی شخصیت پر تفصیلی روشنی ڈالیے؟
2. حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فتوحات کا جائزہ لیں؟
3. حضرت عمرؓ کے نظام حکومت پر مفصل نوٹ لکھیں؟

11.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. الفاروق : مولانا شبلی نعمانی
2. سیدنا حضرت عمر فاروق : محمد حسین ہیکل (ترجمہ حبیب اشعر)
3. تاریخ اسلام : شاہ معین الدین ندوی
4. خلفائے راشدین : شاہ معین الدین ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

5. C	4. C	3. B	2.B	1.D

اکائی 12: حضرت عثمانؓ بن عفان: حیات اور کارنامے

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 حضرت عثمانؓ کی ابتدائی زندگی (پیدائش تا قبولیت اسلام)

12.3 قبولیت اسلام کے بعد کی زندگی (قبولیت اسلام تا عہد خلافت)

12.3.1 ہجرت حبشہ و مدینہ

12.3.2 مدنی زندگی

12.4 عہد خلافت عثمانی

12.4.1 فتوحات خلافت عثمانی اور اسلامی مملکت کی توسیع

12.4.1 عہد خلافت عثمانی میں شورش کے اسباب و عوام

12.4.2 خلیفہ سوم کی شہادت

12.4.1 عہد خلافت عثمانی کا نظام حکومت

12.4.1 تدوین قرآن

12.4.2 عہد خلافت عثمانی کے تمدنی ور فاہی کارنامے

12.4.3 عہد خلافت عثمانی کا معاشرہ

12.4.4 صفات اور علم و فضل

12.5 فرہنگ

12.6 اکتسابی نتائج

12.7 نمونہ امتحانی سوالات

12.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
12.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
12.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
12.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

اس اکائی میں اسلام کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زمانہ جاہلیت کی زندگی اور آپ کی قبولیت اسلام کے بعد کی زندگی پر روشنی ڈالی جائے گی اور ان کے عہد خلافت کے کارناموں کو اجاگر کیا جائے گا۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد:

- آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حیات وخدمات سے واقف ہو سکیں گے
- ان کے عہد خلافت میں ہونے والی فتوحات اور دیگر کارناموں سے آگاہ ہو سکیں گے
- اس عہد کی علمی ودینی سرگرمیوں سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ اس عہد میں پروان چڑھنے والے فتنہ اور اس کے نتیجہ میں خلیفۂ سوم کی شہادت کے بارے میں بھی جان سکیں گے

12.2 حضرت عثمانؓ کی ابتدائی زندگی (پیدائش تا قبولیت اسلام)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی ایک اہم شاخ بنوامیہ سے تھا۔ قریش کی مختلف شاخوں میں بنوامیہ اور بنوہاشم کے خانوادے تقریباً ایک درجہ میں شمار کیے جاتے ہیں اور عزت وشرف میں ایک دوسرے کے مدمقابل قرار دیئے جاتے ہیں، تاہم بنوہاشم سے آپؐ کے تعلق کی وجہ سے 'ہاشمی خاندان' کا درجہ بلند وبالا ہو جاتا ہے۔ بنوامیہ کی سیادت وقیادت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قریش کا قومی علم ''عقاب''، انہیں کی تحویل میں رہتا تھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں جاکر آپؐ سے مل جاتا ہے۔ اسے صرف ایک اتفاق ہی قرار دیا جاسکتا ہے کہ والد اور والدہ دونوں کی ہی جانب سے ان کا نسب آپؐ سے پانچویں پشت میں جاکر عبد مناف سے مل جاتا ہے۔

والد کی جانب سے سلسلۂ نسب یہ ہے: عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

والدہ کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے: اَرویٰ بنت کُرَیز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف۔

حضرت عثمانؓ کی نانی ام حکیم البیضاء بنت عبد المطلب آپؐ کی پھوپھی اور اور آپؐ کے والد ماجد عبد اللہ کی جڑواں بہن تھیں۔

خلیفہ سوم کا نام عثمان اور کنیت ابو عبد اللہ اور ابو عمرو تھی۔ وہ 'غنی' اور 'ذوالنورین' کے القاب سے ملقب کیے جاتے تھے۔ پہلا لقب ان کے بہت زیادہ مالدار ہونے پر شاہد ہے، تو دوسرے لقب سے آپؐ کی دو بیٹیوں سے نکاح کرنے کی وجہ سے ملقب کیا گیا۔ ان کا ایک لقب ''جامع القرآن'' بھی تھا۔ یہ لقب اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے پوری امت کو ایک قرآن پڑھنے پر جمع کیا تھا۔

پیدائش اور زمانہ جاہلیت کی زندگی

ان کی پیدائش عام الفیل کے واقعہ کے چھ سال بعد 576ء میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے وہ عمر میں آپؐ سے چھ سال چھوٹے تھے۔ ابتدائی احوال کے بارے میں جاہلی مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کے ان چند افراد میں شامل تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک ہونے کی وجہ سے قریش میں بڑی عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ پورے قبیلہ کی آنکھوں کے تارا تھے۔ چنانچہ قبیلہ قریش کی ان سے محبت ضرب المثل بن گئی تھی، لہٰذا کہا جاتا تھا کہ 'بخدا میں تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی محبت قریش عثمان سے کرتے ہیں'۔

زمانہ جاہلیت میں ان کا شمار کامیاب و معزز تاجرین میں ہوتا تھا۔ وہ ربیعہ بن حارث نامی شخص کے ساتھ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، اور قریش کے مالدار ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کی اسی مالداری کی وجہ سے ان کا لقب 'غنی' پڑ گیا تھا۔

وہ زمانہ جاہلیت کی تمام سماجی برائیوں اور خرافات سے پاک اور دور رہنے والے تھے، لہٰذا مصادر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ شراب نوشی اور زنا میں کبھی ملوث نہیں ہوئے، اور نہ ہی انہیں گانے بجانے اور لہو و لعب میں کوئی دلچسپی تھی۔ حالانکہ یہ تمام برائیاں عربوں کی گھٹی میں شامل تھیں، اور ان میں شریک ہونے کو برا بھی خیال نہیں کیا جاتا تھا۔

12.3 قبولیت اسلام کے بعد کی زندگی (قبولیت اسلام تا عہد خلافت)

حضرت عثمانؓ ایک نیک طینت اور سلیم الفطرت شخص تھے، لہٰذا جب آپؐ نے اسلام کی دعوت دینے کا آغاز کیا، تو حضرت ابو بکرؓ کے کہنے پر انہوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اسلام لانے والے چوتھے مرد تھے۔ ان سے پہلے حضرت ابو بکر، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد آپؐ نے ان کا نکاح اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ سے کر دیا تھا۔ حضرت رقیہؓ کا یہ دوسرا نکاح تھا۔ ان کا پہلا نکاح آپؐ کے چچا ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا، لیکن اسلام دشمنی کے نتیجہ میں ابو لہب نے بیٹے پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوا تھی۔ ان کا یہ نکاح اتنا بابرکت ثابت ہوا کہ لوگ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ حضرت عثمان اور حضرت رقیہؓ جیسا بہترین جوڑا کسی نے نہیں دیکھا۔ حضرت رقیہؓ کی طرح حضرت عثمانؓ کا بھی یہ دوسرا نکاح تھا۔ چنانچہ ان کی پہلی بیوی سے ہوئی ان کی اولاد کی جانب نسبت کرتے ہوئے ان کی پہلی کنیت ابو عمرو تھی۔

کفار مکہ اسلام لانے والوں کے سخت خلاف تھے، لہٰذا وہ ہر اسلام قبول کرنے والے شخص کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتے تھے اور اس بات کا لحاظ بھی نہیں کرتے تھے کہ اسلام لانے سے قبل ان کے معاشرہ میں اس کی کیا حیثیت و منزلت تھی۔ لہٰذا قریش کی آنکھوں کا تارا ہونے باوجود انہیں طرح طرح سے پریشان کیا گیا اور شدید ایذائیں دی گئیں۔ لیکن وہ اسلام سے منھ پھیر لینے کے لیے کسی بھی حال تیار نہیں ہوئے۔ ایک ان کے چچا حکم بن ابی العاص جو اسلام نہیں لائے اور وہ ان پر بہت ظلم و ستم کرنے لگے تو دوسری طرف ماں بھی ان سے خفا ہو کر یہ کہتے ہوئے میکے سدھار گئیں کہ جب تک وہ اسلام کا دامن نہیں چھوڑیں گے وہ واپس نہیں آئیں گی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے پائے ثبات میں کسی قسم کی لغزش نہ پیدا ہو سکی، اور تھک ہار کر سب نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن حضرت عثمانؓ اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم و ستم سے عاجز آکر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

12.3.1 ہجرت حبشہ و مدینہ

حضرت عثمانؓ کا شمار ان چند صحابہ کرام میں ہوتا ہے، جنہیں بعض معاملات میں اولیت کا شرف حاصل ہے، جیسے ان کا شمار ''السابقون الاولون'' میں ہوتا ہے۔ انہیں کی خاطر ''بیعت رضوان'' کی گئی تھی۔ اسی طرح اسلام کی تاریخ میں کی جانے والی پہلی ہجرت ''ہجرت حبشہ'' کے قافلہ میں شامل افراد میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہ ہجرت آنحضورؐ کے ایماء پر کی گئی تھی۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ حبشہ کے قیام کے دوران ہی ان کے بیٹے حضرت عبداللہ کی پیدائش ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان کی کنیت ابو عبداللہ پڑی تھی۔

حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما حبشہ میں چند سال مقیم رہے حتی کہ ان تک یہ خبر پہنچی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا، لہٰذا مہاجرین حبشہ مکہ لوٹ آئیں۔ لیکن مکہ مکرمہ آنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ خبر جھوٹی تھی، چنانچہ بہت سے مہاجرین حبشہ دوبارہ حبشہ لوٹ گئے، لیکن حضرت عثمان اپنی بیوی رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ میں ہی رک گئے۔

انہوں نے دوسری ہجرت مدینہ کی جانب کی تھی۔ یہ مکہ سے مدینہ کی جانب عمومی ہجرت تھی اور اس میں زیادہ تر مسلمانان مکہ شامل تھے۔ آپؐ نے مختلف گروہ میں مسلمانان مکہ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا وہ آپؐ سے پہلے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ کوچ کر گئے تھے۔ مدینہ میں ان کی مواخاۃ حضرت حسان بن ثابتؓ کے بھائی اوس بن ثابتؓ کے ساتھ قائم کی گئی تھی۔ اس مناسبت سے دونوں گھرانوں میں بہت زیادہ انسیت اور محبت ہو گئی تھی۔ حضرت حسانؓ نے اس نسبت کا تاحیات پاس رکھا اور جب ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو ایک دردناک مرثیہ کہا تھا۔

12.3.2 مدنی زندگی

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اسلامی کارناموں کا اصل میدان ان کی مدنی زندگی ہے۔ انہوں نے اسلام کی مدد میں دامے، درمے، سخنے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ خاص طور سے انہوں نے اپنے مال و دولت کے ذریعہ جو اسلام کی خدمت انجام دی تھی اس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نظر نہیں آتا ہے۔ ان کی مالی اعانت سے خوش ہو کر آپؐ نے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی اور ایک موقع پر یہ کہا تھا کہ اب وہ کوئی بھی گناہ کریں ان سے باز پرس نہیں ہو گی۔ ان کی مالی اعانت کی فہرست کافی طویل ہے جس میں 'بئر رومہ' کو خرید کر وقف

کرنا، غزوہ تبوک کے موقعہ پر زبردست مالی تعاون کرنا، مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین خریدنا وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے دیگر رفاہی کام بھی کیے تھے جیسے کئی ایک کنویں کھودوانا وغیرہ۔ ان کے اس طرز عمل سے مدینہ میں پائی جانے والی پانی کی قلت کافی حد تک دور ہو گئی تھی۔

مالی اعانت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اکثر غزوات میں حصہ لیا تھا اور بعض غزوات جیسے غزوۂ ذات الرقاع اور غزوۂ بنو غطفان میں آپؐ کی نیابت کرتے ہوئے مدینہ میں ہی مقیم رہے تھے۔ غزوۂ بدر کے وقت حضرت رقیہؓ سخت علیل تھیں لہٰذا آپؐ نے انہیں ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی رہنے کا حکم دیا تھا۔ اسی وجہ سے صحیح بخاری میں مذکور اصحاب بدر کی فہرست میں ان کا نام بھی شامل ہے۔ حالانکہ وہ جسمانی طور پر اس غزوہ میں شریک نہیں تھے، لیکن چونکہ وہ آپؐ کے حکم کے مطابق مدینہ میں قیام پذیر تھے لہٰذا ان کو بھی اصحاب بدر کی فہرست میں شامل کیا جاتا ہے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا انہیں سخت رنج و ملال تھا، لہٰذا آپؐ نے ان کا نکاح اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؓ سے کر دیا تھا۔ لیکن ان کا انتقال بھی چند سال بعد ہو گیا اور وہ ایک بار پھر مغموم ہو گئے۔ آپؐ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کتنے خوش تھے اور آپؐ کو ان کی دل جوئی کس قدر عزیز تھی اس کا اندازہ اس فرمان نبوی سے ہو سکتا ہے کہ ''اگر میری کوئی اور بھی لڑکی ہوتی تو وہ میں عثمانؓ سے بیاہ دیتا''۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ 'اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں انہیں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دے دیتا'۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی وجہ سے انہیں ''ذوالنورین'' کا لقب ملا تھا کہ ان کے نکاح میں آپؐ کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں تھیں۔ حضرت علیؓ کے قول کے مطابق انہیں اسی لقب سے ملاءِ اعلیٰ میں پکارا جاتا تھا۔

بیعت الرضوان

حضرت عثمانؓ کے بہت سارے فضائل و کمالات ہیں جن میں سے کچھ میں دیگر صحابہ کرام بھی شامل ہیں لیکن ایک فضل و کمال ایسا ہے جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ یہ فضل و کمال انہیں اسلامی تاریخ میں ''بیعت رضوان'' کے نام سے مشہور و معروف واقعہ کی وجہ سے حاصل ہوا تھا کہ ان کی خاطر آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی۔

''بیعت رضوان'' کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک خواب دیکھنے کے بعد جب آپؐ اپنے چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ کے قریب پہنچے تو اہل مکہ کو یہ شک گزرا کہ آپؐ ان پر حملہ آور ہونے کی نیت سے بڑھ رہے ہیں، لہٰذا انہوں نے آپؐ کو مکہ کی حدود میں داخل نہ ہونے دینے کا پختہ ارادہ کر لیا اور جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ لیکن چونکہ آپؐ کا مقصد صرف بیت اللہ کی زیارت تھی، لہٰذا آپؐ نے ان سے گفت و شنید کی خاطر حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کے پاس روانہ کر دیا۔ انہوں نے آپؐ کا پیغام ان تک پہنچا دیا کہ آقائے محترم عمرہ کی نیت سے صرف زیارت مکہ کی خاطر آ رہے ہیں۔ پیغام پہنچانے کے بعد ان کی واپسی میں کچھ تاخیر ہو گئی جس کی وجہ سے اسلامی خیمہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ نے انہیں شہید کر دیا ہے۔ یہ سن کر آپؐ سخت بے چین ہوئے اور مسلمانوں میں غم و رنج کی لہر

دوڑ گئی۔آپؐ نے اس خبر کو سن کر فرمایا ''جب تک ہم ان لوگوں سے جنگ نہ کرلیں یہیں رہیں گے''۔یہ کہہ کر آپؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا ''یہ عثمان کے لیے ہے'' پھر وہاں موجود تمام صحابہ نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت عثمانؓ کی خاطر جینے و مرنے کی قسم کھائی۔اسی واقعہ کی جانب قرآن کی آیت (لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اِذْيُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عہد خلافت صدیقی و فاروقی میں

حضرت عثمان بن عفانؓ جس طرح آپؐ کے معتمد علیہ تھے اسی طرح عہد خلافت صدیقی و فاروقی میں بھی ان کے قابل اعتماد رہے۔دونوں خلیفہ ان کی عزت و قدر کرتے تھے اور ان کے مشوروں کو غور سے سنتے تھے کہ ان کی رائے بہت متوازن ہوتی تھی اور ہر معاملہ میں سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔

عہد خلافت صدیقی میں وہ اکابر صحابہ کی مشاورتی کونسل کے اہم رکن اور خلیفۂ اول کے مشیر خاص تھے۔حضرت ابو بکرؓ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔لہٰذا جب خلیفۂ ثانی کے انتخاب کا مرحلہ درپیش آیا تو خلیفۂ اول نے دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ ان سے بھی مشورہ کیا اور ان کی رائے کو اپنی رائے کے موافق پاکر خوشی کا اظہار کیا۔لکھنا پڑھنا جاننے کی وجہ سے انہیں عہد خلافت صدیقی میں ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا اور آج کی زبان میں انہیں خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ کا پرسنل سکریٹری بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔اسی قربت اور اعتماد کے نتیجہ میں خلیفہ اول نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشیں قرار دینے کے لیے جو دستاویز لکھوائی تھی اسے انہوں نے ہی لکھا تھا۔

اسلام کی مدد کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جود وسخا کا دریا جس طرح عہد نبوی میں رواں دواں تھا،اسی طرح وہ عہد صدیقی میں بھی جاری وساری رہا،لہٰذا عہد صدیقی میں جب ایک مرتبہ سخت قحط پڑا تو اس دوران ان کا ایک بڑا تجارتی قافلہ مدینہ پہنچا تھا۔حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنے پورے تجارتی کارواں کو غریبوں اور حاجت مندوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

حضرت ابو بکر و حضرت عثمانؓ میں بہت گہرے اور گھریلو مراسم تھے۔بقول حضرت عائشہؓ کے 'مرض وفات میں میرے والد کی جتنی خدمت حضرت عثمانؓ نے کی تھی اتنی کسی اور نے نہیں کی تھی'۔

خلافت فاروقی میں بھی وہ معزز صحابہ میں شمار کیے جاتے تھے اور ان کی مجلس شوریٰ کے ممتاز ارکان میں شامل تھے۔عہد صدیقی کی طرح عہد فاروقی میں بھی مختلف فقہی و دینی مسائل کے حوالہ سے ان سے رجوع کیا جاتا تھا۔اکابر صحابہ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ نے بھی وہی پالیسی اختیار کی تھی تو حضرت ابو بکرؓ کی تھی کہ وہ مدینہ سے باہر نہیں جائیں گے اور مدینہ میں ہی رہ کر سارے معاملات کی نگرانی کریں گے۔

خلیفۂ اول کی طرح خلیفہ ثانی بھی ان سے ہر معاملہ میں مشورہ کرتے تھے اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے مثلاً جب مفتوحہ زمین کی ملکیت کا مسئلہ سامنے پیش آیا تو صحابۂ کرام کی ایک جماعت جیسے حضرت عبدالرحمن بن عوف وغیرہ رضی اللہ عنہم کا مشورہ تھا کہ ماضی کی طرح ان زمینوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا جائے، جب کہ دوسری جماعت صحابہ جیسے حضرت عثمان وغیرہ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ ان

زمینوں کو حکومت کی ملکیت قرار دے کر اسے عوام کے قبضہ میں رہنے دیا جائے۔اسی رائے پر خلیفہ وقت نے عمل درآمد کیا۔

12.4 عہد خلافت عثمانی

حضرت عمر بن خطابؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ کا انتخاب بطور خلیفہ ہوا،اور خلافت راشدہ کا سب سے طویل دور کا آغاز ہوتا ہے۔اس عہد میں عام طور سے وہی نظام حکومت رائج رہا جو خلافت فاروقی میں رائج تھا،تاہم کچھ نمایاں تبدیلیاں بھی اس عہد میں سامنے آئیں، جیسے سمندری فوج کا قیام اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر جانے اور کہیں قیام کرنے کی اجازت وغیرہ۔

بطور خلیفہ انتخاب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناگہانی شہادت کے بعد ان کے نامزد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شوریٰ کونسل نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا انتخاب بطور خلیفہ کیا تھا۔اس انتخاب کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابو لولو نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جان لیوا حملہ کیا اور ان کے جانبر ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو انہوں نے اپنی جانشینی کے لیے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبداللہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو نامزد کیا اور آپس میں مشورہ کے بعد انہیں چھ لوگوں میں کسی کو خلیفہ منتخب کرنے کو کہا۔ خلیفہ دوم نے مذکورہ بالا حضرات کے انتخاب کی وجہ یہ بتائی کہ ان سے نبی ﷺ راضی اور خوش ہو کر اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ساتھ ہی ساتھ انتخاب خلیفہ کے حوالہ سے حسب ذیل ہدایات بھی جاری فرمایا:

1. مذکورہ بالا چھ افراد میں سے جس کے نام پر بھی اتفاق ہو جائے یا اسے اکثریت کی حمایت و تائید حاصل ہو اسے خلیفہ بنا دیا جائے۔
2. خلیفہ کا انتخاب تین دن کے اندر اندر ہو جانا چاہیے۔
3. جب تک خلیفہ کا انتخاب نہیں ہو جاتا ہے اس وقت تک امامت کے فرائض حضرت صہیب رضی اللہ عنہ انجام دیں گے۔
4. خلیفہ کی نامزدگی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حیثیت صرف ایک مشیر کی ہو گی۔انہیں خلافت کے لیے نامزد نہیں کیا جائے گا۔
5. کوئی بھی شخص جو مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر زبردستی خلیفہ بننے کی کوشش کرے اسے قتل کر دیا جائے۔
6. ان کے علاوہ دیگر ہدایات فاروقی کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر طوالت کا باعث ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق مذکورہ صحابہؓ کرام کی کونسل سر جوڑ کر بیٹھ گئی لیکن دو دن تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوف نے یہ مشورہ دیا کہ ہم سے ہر ایک شخص کسی کے حق میں دست بردار ہو جائے اور بطور خلیفہ اس کے نام کی سفارش کر دے، لہٰذا حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ بن عبداللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم نے بالترتیب حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے حق میں اپنے نام کو واپس لے لیا۔اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنا نام حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے حق میں واپس لے لیا اور ان دونوں حضرات سے کہا آپ دونوں حضرات اپنا معاملہ میری صوابدید پر چھوڑ دیں اور میں جسے خلیفہ منتخب کر دوں اسے پوری

خوشی اور رضامندی کے ساتھ قبول کر لیں۔ دونوں حضرات نے الگ الگ تنہائی میں ان کی بات ماننے کا اقرار کر لیا۔ جب یہ تمام مراحل بحسن وخوبی انجام پا گئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ دیکھتے ہی حضرت علی بن ابی طالبؓ نے بھی آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس کے بعد لوگ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور بیعت عامہ کا عمل پورا ہو گیا۔ اس طرح یکم محرم الحرام 24ھ کو وہ اسلام کے تیسرے خلیفہ منتخب کر لیے گئے۔ ان کے انتخاب کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ 'ہم نے اس شخص کو خلیفہ بنایا ہے جو اب زندہ لوگوں میں سب سے بہتر ہے'۔

12.4.1 فتوحات خلافت عثمانی اور اسلامی مملکت کی توسیع

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ عہد خلافت عثمانی میں بھی جاری رہا جس کے نتیجہ میں اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ جو فتوحات نامکمل تھیں انہیں پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا اور جہاں کہیں بغاوت کے آثار نظر آئے، حکمت عملی کے ذریعہ ان کا سدباب کرتے ہوئے اسلامی حکومت کو مستحکم کیا گیا۔

خلافت فاروقی میں فوج کشی صرف بری راستوں سے ہوتی تھی کہ خلیفۂ دوم سمندری جنگ کے سخت مخالف تھے اور وہ مسلمانوں کو سمندر کے خطرات میں ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن خلافت عثمانی میں بحری راستوں سے بھی فوج کشی کا آغاز ہوا۔ لہٰذا انہیں پہلا اسلامی خلیفہ قرار دیا جاتا ہے جنہوں نے پہلی سمندری فوج کو تیار کیا۔ ان بحری جنگوں کے ذریعہ نہ صرف شام ومصر کے ساحلوں کی حفاظت رومیوں سے کی گئی بلکہ قبرص کا جزیرہ بھی فتح ہو گیا۔

عہد خلافت عثمانی میں ہونے والی فتوحات کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1. وہ شہر اور ممالک جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے، لیکن بعد میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے، اور انہیں دوبارہ عہد عثمانی میں فتح کیا گیا جیسے اسکندریہ، آذربائیجان اور ارمینیہ وغیرہ۔
2. وہ شہر اور ممالک جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پہلی بار اسلامی افواج نے فوج کشی کی، اور فتح کے جھنڈے بلند کیے، جیسے طرابلس، تونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ۔

عہد خلافت عثمانی میں اسلامی فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوا جس کے نتیجہ میں اسلامی مملکت کا رقبہ مراکش سے کابل تک پھیل گیا تھا۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ لکھتے ہیں کہ ''حضرت عثمانؓ بن عفان کی فتوحات، علاقہ، وسعت اور ہمہ گیری میں حضرت عمرؓ کی فتوحات سے بھی زیادہ تھیں۔ ان کے دور میں اسلامی ریاست تین براعظموں - ایشیاء، افریقہ اور یورپ - تک وسیع ہو گئی تھی''، جس سے ان کی ''بے پناہ سیاسی بصیرت اور پرجوش دینی خدمت کا اظہار ہوتا ہے''۔

بری فتوحات

عہد خلافت عثمانی میں فتح ہونے والے علاقوں میں اسکندریہ، آرمینیہ، آذربائیجان، طبرستان، سجستان وغیرہ کی بغاوتوں کو فرو کر کے

انہیں دوبارہ اسلامی مملکت میں شامل کیا گیا۔ان کے علاوہ ایشیاء کوچک کے بعض علاقے جیسے اران اور گرجستان،انطاکیہ،طرطوس وغیرہ کے علاوہ طرابلس،قبرص،عموریہ،ملطیہ،خراسان،فارس،طخارستان،کرمان،سجستان،کش،دوار،غزنہ وغیرہ میں بھی اسلامی افواج نے اپنے جھنڈے بلند کیے، جس کے نتیجہ میں مولانا شاہ معین الدین ندویؒ کے بقول "دس سال کے عرصہ میں اسلامی حکومت کے حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر دروازہ تک وسیع ہو گئے"۔

عہد خلافت عثمانی میں بری فتوحات کا ذکر پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ "عراق،شام فلسطین،مصر اور ایران کی فتح اگرچہ مکمل ہو چکی تھی، لیکن ایران کا صوبہ خراسان ابھی فتح ہونے سے باقی رہ گیا تھا۔ایرانی شاہ ابھی تک زندہ تھا اور جب تک اس کا خاتمہ نہ ہو جاتا ایرانی فتح مکمل نہ ہوتی۔ایران کے ماتحت دوسرے شمالی صوبے جیسے آذربائیجان،آرمینیا اور مشرقی صوبے خراسان بھی فتح کیے گئے۔اسی عہد میں وسط ایشیاء کے کچھ سرحدی علاقے اور شہر بھی فتح ہوئے۔ مصر میں اسکندریہ کی بغاوت دور کر کے اس کو دوبارہ فتح کیا گیا۔مصر کے بعد پورے شمالی افریقی ممالک کی فتح کی بنیاد ڈالی گئی اور لیبیا،تیونس وغیرہ کو فتح کر کے اسلامی ریاست کی حدود اور وسیع کی گئیں۔ شمال میں بازنطینی علاقے فتح کر کے اس کی سلطنت کو اور کمزور کیا گیا"۔

بحری فتوحات

بحری جنگوں وفتوحات کا آغاز عہد خلافت عثمانی سے ہوتا ہے جو اس عہد کا ایک اہم اور قابل ذکر کارنامہ ہے۔ان کے عہد خلافت میں تقریباً پچاس لڑائیاں سمندر میں لڑی گئیں اور دشمنوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اسلامی افواج کی بحری قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 31ھ میں قیصر روم نے ایک بڑے بحری بیڑے کے ساتھ سواحل شام پر حملہ کیا تو اسلامی افواج نے انہیں ایسی شکست فاش دی کہ انہیں پھر کبھی حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔یہ بحری جنگ تاریخ میں "ذات الصواری" کے نام سے مشہور ہے۔

عہد خلافت عثمانی کی بحری جنگوں میں شام ومصر کے گورنرس یعنی امیر معاویہ اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہما نے کافی نام کمایا اور ان کی جنگی حکمت عملی کی وجہ سے اسلامی افواج بحیرۂ روم کی ایک بڑی بحری طاقت بن گئی تھی۔

عہد عثمانی کی بحری فتوحات کے نتیجہ میں بھی اسلامی مملکت کے دائرہ میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ان بحری حملوں کے اسباب ونتائج کا ذکر "تاریخ تہذیب اسلامی" (حصہ دوم) میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے "حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جہاد کے حق میں نہ تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے اس کی اجازت نہیں دی لیکن جب اسلامی صوبوں کو مسلسل خطرہ لاحق رہا تو انہوں نے بالآخر اس کی اجازت دے دی۔اس کے نتیجہ میں بحر روم میں واقع کئی جزیرے جیسے قبرص،ارداد،اور روڈس فتح کیے گئے اور صقلیہ (سسلی) پر حملہ کر کے بازنطینی بحریہ کی طاقت توڑی گئی۔جنوبی ایشیاء میں سیستان اور افغانستان کی فتح ہوئی اور ہندوستان کے صوبہ سندھ پر حملہ کیا گیا۔اسی طرح یورپ میں پہلی بار اسلامی فوج نے اندلس پر حملہ کر کے کچھ علاقے فتح کیے"۔

12.4.1 عہد خلافت عثمانی میں شورش کے اسباب و عوامل

خلافت عثمانی کی مجموعی مدت 12 سال ہے جسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ خلافت کا دور اول جو کل مدت خلافت کے نصف سے زیادہ ہے نہایت ہی امن وامان اور سکون واطمینان کا دور تھا۔ مختلف محاذ پر کامیابیوں کا سلسلہ جاری تھا جب کہ دور ثانی جو چار پانچ سالوں پر مشتمل ہے نہایت ہی خلفشار، بدامنی اور فتنہ وفساد کا دور ہے۔ اس انتشار اور بدامنی کے مختلف اسباب و عوامل ہیں، جن کی وجہ سے حالات بد سے بد تر ہوتے چلے گئے اور آخر کار خلیفہٗ سوم رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوئے۔ عہد خلافت عثمانی میں پیدا ہونے والے فتنہ وفساد کے حسب ذیل عوامل تھے:

☆ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے ماننے والوں کا اسلامی حکومت میں شامل ہونا اور ان میں سے بہت سے لوگوں کا اسلام کے خلاف بدلہ کے جذبات رکھنا اور اسلامی مملکت سے پوری طرح مطمئن نہ ہونا۔

☆ بنو ہاشم اور بنو امیہ کی پرانی کشمکش کے ساتھ ساتھ عرب و عجم کے مابین پائی جانے والی کشمکش خصوصاً یہودیوں اور مجوسیوں کی اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشیں، جن کا بنیادی سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا، جس نے عہد عثمانی کے فتنہ کو بہت زیادہ ہوا دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

☆ گورنرس اور دیگر حضرات کا عزل و نصب، کبار صحابہ کے ساتھ بدسلوکی اور اقرباپروری کے تعلق سے غلط الزامات کا پروپیگنڈہ۔

مذکورہ بالا عوامل نے عہد خلافت عثمانی کے آخری دور میں بہت ہی زیادہ خلفشار اور انتشار پیدا کر دیا تھا جس کے بنیادی مراکز کوفہ، بصرہ اور مصر تھے۔ اس بدامنی کا بنیادی سبب خلیفہٗ وقت کی نرم دلی تھی کہ وہ کسی قسم کی سختی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا مخالفین کے حوصلے بلند ہوتے چلے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے اوپر لگنے والے الزامات کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن بٹھایا، جس نے ان کے خلاف لگنے والے تمام الزامات کو بے بنیاد قرار دیا۔ اپنی جانب سے متعدد بار صفائیاں اور وضاحتیں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اعلان کیا کہ جسے مجھ سے یا میرے عمال سے شکایت ہے وہ حج کے موقع پر آکر مجھ سے مل کر اپنی تمام شکایات دور کر لے، لیکن چونکہ مفسدین کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ لہٰذا وہ اپنی سازشوں سے باز نہ آئے حتی کہ امیر المؤمنین پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

12.4.2 خلیفہ سوم کی شہادت

عہد خلافت عثمانی کے آخری دور میں بدامنی، انتشار اور خلفشار کا نتیجہ خلیفہٗ سوم کی شہادت کی شکل میں سامنے آتا ہے کہ مفسدین نے 35ھ کے اواخر میں مدینہ کی جانب پیش قدمی کی جو اس وقت موسم حج کی بنا پر تقریباً خالی تھا۔ پہلے انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مسجد میں آنے جانے میں رکاوٹیں کھڑی کیں، پھر ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا، جو تقریباً چالیس دنوں تک جاری رہا۔ اس محاصرہ کے درمیان انہوں نے گھر کی چھت سے باغیوں کو کئی بار مخاطب کیا اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکل سکا۔ اس محاصرہ کے دوران انہوں نے مختلف قسم کی دشواریوں کا سامنا کیا، لیکن نہ تو خلافت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوئے اور نہ ہی مدینہ سے کہیں اور جانے کے لیے راضی ہوئے

کہ اللہ کے رسولؐ نے انہیں اس عمل سے باز رہنے کی تلقین کی تھی۔

اس محاصرہ کے دوران اکابر صحابہ نے اپنے فرزندوں کو ان کی حفاظت کے لیے مامور کر دیا تھا،ان کے علاوہ بھی ایک جم غفیر ان کی حفاظت کے وہاں موجود تھااور انہوں نے باغیوں سے لڑائی کی اجازت بھی مانگی، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ناحق خون بہانے سے انکار کر دیااور ان سے اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی درخواست کی۔ادھر باغیان کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ حج کا موسم ختم ہوتے ہی مدینہ میں لوگوں کی آمد کاآغاز ہو جائے گا۔لہٰذاانہوں نے اپنے منصوبوں کو پورا کرنے کی خاطر خلیفہ ٔ سوم پر اس وقت حملہ کر کے شہید کر دیا جب وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے اور ان کے خون ناحق کے چھینٹوں سے مصحف کا وہ صفحہ رنگین ہو گیا۔ ان کی شہادت کا یہ عظیم حادثہ 18ذوالحجہ 35ھ/17جون656ء کو پیش آیا تھا۔

12.4.1 عہد خلافت عثمانی کا نظام حکومت

عہد عثمانؓ کی انتظامیہ 'فاروقی انتظامیہ' کے مماثل تھی۔اس عہد میں بھی تقریباً وہی نظام حکومت قائم رہا، جو عہد خلافت فاروقی میں تھا، تاہم کچھ شعبوں میں کچھ اصلاحات کی گئیں تو کچھ نئے محکموں کا قیام عمل میں آیا۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ نے نہایت ہی جامع انداز میں اس عہد کے نظام حکومت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ''حضرت عمرؓ کی حکمت عملی اور انتظامیہ کے خطوط پر حضرت عثمانؓ نے اسلامی ریاست کے نظم ونسق میں اور بہتری پیدا کی۔مزید صوبے بنائے، مرکزی نظام حکومت میں نئے شعبے اور محکمے قائم کیے۔ صوبوں میں انتظامی اور مالیاتی ذمہ داریوں میں فرق پیدا کرنے کی حکمت اپنائی۔ دیوان عطا میں اصلاح و ترقی کی ،احتساب کا محکمہ مضبوط کیا، گورنروں اور افسروں کے کاموں کا جائزہ لینے کے لیے مرکزی نگراں بھیجے۔ عراق کی زمینوں کی تقسیم کی۔ قضاء وعدالت ، پولیس اور بیت المال کے شعبوں میں مزید اصلاح کی۔ان کے علاوہ اور دوسری اصلاحات کیں''۔

عہد خلافت عثمانی میں فوجی نظام میں ایک اہم تبدیلی ہوئی کہ خلیفہ ٔ وقت کی اجازت سے بحریہ کا قیام عمل میں آیااور اسلامی افواج نے بحری لڑائیوں کاآغاز بھی کر دیا''جس کے نتیجہ میں بحر روم میں اور شمالی افریقہ کے ساحلی سمندر پر مسلم حکمرانی قائم ہو گئی''۔

12.4.1 تدوین قرآن

حضرت عثمانؓ کے عہد کا سب سے بڑا علمی کارنامہ امت اسلامیہ کو ایک مصحف اور ایک قرأت پر جمع کرنا تھا، اسی وجہ سے وہ جامع القرآن بھی کہلاتے ہیں۔قرآن کی اولین تدوین خلافت صدیقی میں ہو چکی تھی۔ عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا، جس کے نتیجہ میں بہت سارے غیر عرب علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے تھے۔ان علاقوں کے باشندے عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر قرآن پڑھنے میں غلطی کرتے تھے۔ایرانی علاقوں میں قرأت کی ان غلطیوں کو دیکھ کر حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے خلیفہ ٔ وقت سے درخواست کی کہ صحیح اور متفقہ قرأت والے مصاحف کو اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں بھیجا جائے تاکہ قرآن پڑھنے میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہ رہے۔

عہد صدیقی میں قرآن مجید کو مدون کیا جا چکا تھا جسے ''مصحف امام'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس نسخہ کی موجودگی میں دیگر ذاتی

مصاحف کا پایا جانا اور عربی زبان سے عدم واقفیت کی بنا قرأت قرآن میں غلطی کرنا آگے چل ایک بڑے فتنہ کا باعث ہو سکتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے صورت حال کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے ''مصحف امام'' کی بنیاد پر ایک صحیح نسخہ تیار کرنے کے لیے چار اہم صحابہ پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی نے حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ ''مصحف امام'' کی بنا پر اس کی سات نقول تیار کئے۔ ایک نسخہ کو مرکز خلافت مدینہ میں محفوظ کرتے ہوئے چھ مصاحف کو مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ کے والیان کے پاس اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ اب قرآن کی قرأت اسی مصحف کے مطابق کی جائے گی اور مصحف کے دیگر تمام نسخوں کو ضائع کر دیا جائے۔ لہٰذا دیگر تمام مصاحف کے نسخوں کو ضائع کر دیا گیا۔ اس اقدام کے نتیجہ میں انہوں نے ساری امت اسلامیہ کو ایک قرأت اور ایک مصحف کا پابند دیا اور اس حوالہ سے امت مسلمہ میں پیدا ہونے والے تمام فتنوں کا سد باب کر دیا۔ اس اہم علمی کام کے علاوہ عہد خلافت عثمانی میں قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ جیسے اسلامی فنون میں کسی قدر ترقی ہوئی تھی۔

12.4.2 عہد خلافت عثمانی کے تمدنی ور فاہی کارنامے

عہد عثمانی میں حرمین کی توسیع کی گئی تھی۔ حرم مکی کی توسیع 26ھ میں ہوئی تھی۔ اس توسیع کے لیے انہوں نے آس پاس کے مکانات خریدے اور انہیں حرم مکی میں شامل کر دیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر نو اور توسیع 29ھ میں ہوئی تھی۔ اس تعمیر و توسیع میں دس ماہ لگ گئے تھے اور چونا اور منقش پتھر کا استعمال کیا گیا تھا۔ اس توسیع کے نتیجہ میں مسجد نبوی کا طول 160 گز اور عرض 150 گز کا ہو گیا تھا۔

حرمین شریفین کے علاوہ عہد عثمانی میں مفتوحہ علاقوں میں نئی مساجد تعمیر کے ساتھ ساتھ پرانی مساجد میں توسیع کا عمل انجام پایا تھا اور مساجد میں امام دار موذن رکھے گئے تھے، ساتھ ہی ان کی تنخواہیں بھی مقرر کی گئی تھی۔

دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار نے عہد خلافت عثمانی میں حرمین اور مساجد کی تعمیر و توسیع کے علاوہ نئے بازاروں کے قیام اور پرانے بازاروں کی توسیع ہونے کی وضاحت کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں تھی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برخلاف انہوں نے اکابر صحابہ کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت دے دی تھی۔

عہد مذکور میں دفاتر کے لیے وسیع عمارتوں کی تعمیر کی گئی، رعایا کے آرام کے لیے سڑکیں، پل اور مسافر خانے اور مہمان خانے بنوائے گئے۔ مدینہ منورہ آنے والے تمام راستوں کو آرام دہ بنانے کی خاطر ان پر جگہ جگہ چوکیاں قائم کی گئیں، سرائے کے ساتھ بازار اور شیریں پانی کے کنویں اور چشمے بنوائے گئے۔

اس عہد کا سب اہم رفاہی کام ''بند مہروز'' کی تعمیر ہے۔ یہ مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے جہاں کبھی کبھی سیلابی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، جس کی وجہ سے اہل مدینہ کو پریشانی ہو جاتی تھی۔ اس وادی پر بند باندھنے کی ضرورت کا احساس آپؐ کو بھی تھا، لہٰذا آپؐ نے وہاں باندھ باندھنے کی ضرورت کا ذکر اپنے ایک فرمان میں کیا تھا۔ آپؐ کی اس خواہش پر عہد خلافت عثمانی میں عمل درآمد کیا جا سکا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک بند بنوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف کر دیا۔ اس بند کو ''سد مہروز'' کے کہا جاتا ہے۔

ان تعمیری کارناموں کے علاوہ انہوں نے بقول مؤلف تاریخ تہذیب اسلامی (جلد دوم) "بعض بدعات اور لہو ولعب کے کھیلوں مثلاً کبوتر بازی اور غلیل بازی پر پابندی لگائی اور اسلامی تہذیب وتمدن کے ارتقاء اور مضر عناصر سے اس کے تحفظ کے اقدامات کیے"۔

12.4.3 عہد خلافت عثمانی کا معاشرہ

عہد خلافت عثمانی کا معاشرہ ایک ترقی پذیر معاشرہ تھا جس میں علوم وفنون، تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت اور تجارت کو کافی فروغ حاصل ہوا تھا۔ فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مال غنیمت اور محاصل میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا، جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ خوش حال ہو گیا تھا اور ایک عام آدمی بھی پورے سکون واطمینان اور عیش وآرام کے ساتھ اپنی زندگی گذار رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے جو وظیفے مقرر کیے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انہیں جاری رکھا، بلکہ بعض قرائن کے مطابق ان میں اضافہ بھی کیا۔ ان کے زمانہ میں اتنی خوشحالی ہو گئی تھی کہ لوگ عہد عثمانی کو عہد فاروقی پر ترجیح دینے لگے تھے۔ بقول مولانا سعید احمد اکبر آبادی "حضرت عثمان کی بیدار مغزی، رعایا کی خبر گیری اور حسن نظم ونسق کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک سے افلاس اور تنگ دستی کا خاتمہ اور ہر طرف امن وامان اور خوش حالی وفارغ البالی کا دور دورہ ہو گیا"۔

یہ کیفیت عہد عثمانی کے نصف اول تک باقی رہی پھر دھیرے دھیرے حالات خراب ہوتے چلے گئے اور مختلف قسم کی پریشانیاں معاشرہ میں در آئیں۔ نتیجتاً سکون واطمینان میں دھیرے دھیرے کمی آتی چلی گئی۔ اس بگاڑ کے بہت سے داخلی اور خارجی عوامل تھے جیسے اسلامی معاشرہ میں شامل ہوئے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات کا پایا جانا، بنو ہاشم اور بنو امیہ کی آپسی چشمک، عرب وعجم کا قضیہ، یہودیوں اور مجوسیوں کی اسلام مخالف سازشیں وغیرہ جس کی وجہ سے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، حتیٰ کہ خلیفۂ سوم کی شہادت جیسا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حالات کی سنگینی میں اضافہ ہونے کا ایک سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فطری نرم دلی، بردباری اور تحمل بھی ہے، جس نے فتنہ پیدا کرنے والوں کے حوصلہ کو بلند کر رکھا تھا۔ اگر وہ ذرا سی بھی سختی سے کام لیتے تو حالات اتنے بدتر نہ ہوتے کہ خود انہیں جام شہادت نوش کرنا پڑتا۔

12.4.4 صفات اور علم وفضل

حضرت عثمانؓ خوبصورت اور خوش قامت تھے۔ رنگ سرخ وسپید، بال سیدھے اور لمبے، ناک ستواں، دانت خوبصورت اور ہموار تھے۔ عمدہ قسم کا لباس زیب تن کرتے تھے اور اچھی اور عمدہ غذا کا استعمال کرتے تھے۔ نہایت رقیق القلب اور سادہ مزاج تھے۔ جود وسخا ان کے مزاج کا حصہ اور فطرت ثانیہ بن چکے تھے۔ ان کی جود وسخا سے اسلام کو قدم قدم پر فائدہ پہنچا، جن کے ذکر سے مصادر بھرے ہوئے ہیں۔ حیا ان کی فطرت کا سب سے نمایاں حصہ تھی جو ضرب المثل بن گئی ہے۔ فطرتاً کم سخن اور کم گو تھے لیکن جب کسی موضوع پر گفتگو کرتے تو سیر حاصل گفتگو کرتے تھے۔ نہایت ہی سلیم فطرت تھے، لہٰذا زمانہ جاہلیت میں نہ کبھی شراب پی اور نہ ہی زنا میں ملوث ہوئے اور نہ ہی کبھی گانے بجانے کی کسی مجلس میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں بہت زیادہ دینی حمیت وغیرت پائی جاتی تھی کہ کوئی غیر شرعی اور غیر دینی کام ہوتا

ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ نہایت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کی خوب تلاوت کیا کرتے تھے اور انہیں کلام الٰہی اور حدیث نبوی سے حد درجہ عشق اور شغف تھا۔ ان کی ایک باندی کے قول کے مطابق وہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ وہ آپ کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے اور حتی الامکان سنت نبوی کی اتباع کرتے تھے۔ معاملات میں نہایت ہی صاف ستھرے ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی متقی و پرہیز گار تھے۔

ان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں جن میں سے چند ایسے ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے، جیسے آپؐ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کی دلجوئی کیا کرتے تھے۔ اسی دلجوئی کا نتیجہ تھا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اپنی دوسری بیٹی کو بھی ان کی زوجیت میں دے دیا تھا اور ان کے انتقال کے بعد فرمایا تھا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں ان کا نکاح یکے بعد دیگرے ان سے کر دیتا۔ آپؐ تاحیات ان سے خوش رہے، جس کا ثبوت آپؐ کے وہ دعائیہ جملے ہیں جو روایات میں محفوظ ہیں۔ صحابہ کرام کی نظروں میں ان کا درجہ شیخین کے بعد آتا تھا۔

علم و فضل

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار ان چند افراد میں ہوتا تھا جو زمانۂ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسی بنا پر انہیں کاتب وحی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ قرأت و تجوید کے بھی ماہر تھے۔ حدیث نبوی سے حد درجہ عشق و شغف کے باوجود ان سے مرویات کی تعداد صرف 146 ہے۔ انہیں فقہ میں بھی نہایت درجہ درک حاصل تھا جس کی وجہ سے ان کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا تھا۔ اسی فقہی بصیرت کی بنا پر وہ عہد خلافت صدیقی اور فاروقی میں مجلس افتاء و شوری کے رکن تھے۔ خصوصا وراثت اور حج کے احکام و مسائل میں انہیں بہت زیادہ مہارت حاصل تھی۔ ان کے کئی ایک مجتہدانہ آراء کا ذکر مصادر فقہ میں پایا جاتا ہے۔ اکابر صحابہ میں ان کی فقہی آراء اور فتاوی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کی تقریریں اور تحریریں 'ما قل و دل' کی مصداق ہوتی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ایک اچھے شعری ذوق کے مالک بھی تھے اور بات بات پر اشعار سے استشہاد کیا کرتے تھے۔

12.5 فرہنگ

خلفشار: بدنظمی، انتشار	بیعت: وعدہ لینا، قسم اٹھانا	سیادت: قائدانہ صلاحیت

12.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حضرت عثمانؓ کا حسب و نسب، خاندان، نام و کنیت اور القاب اور عہد جاہلیت میں ان کی زندگی کے شب و روز، خصوصاً ان کی تجارت سے واقفیت اور حضرت عثمانؓ کے قبول اسلام کے بعد کی زندگی، دختر نبوی سے ان کا نکاح اور ہجرت حبشہ و مدینہ میں ان شمولیت۔

- مدنی زندگی کا آغاز، حضرت ام کلثومؓ سے نکاح، بیعت الرضوان کا سبب، اسلام اور مسلمانوں کے تئیں ان کی جود وسخا، غزوات نبوی میں شرکت اور عہد خلافت صدیقی وفاروقی میں ان کا مقام ومرتبہ۔
- عہد خلافت عثمانی کا آغاز اور بطور خلیفہ ان کا انتخاب، خلافت عثمانی کی بری وبحری فتوحات کے نتیجہ میں اسلامی مملکت کی توسیع۔
- عہد خلافت عثمانی کے دورثانی میں شورش کے اسباب وعلل کیا تھے اور ان کی شہادت کا واقعہ کیونکر پیش آیا۔
- عہد خلافت عثمانی کے نظام حکومت، اس عہد کی علمی وتمدنی اور رفاہی سرگرمیوں جیسے تدوین قرآن، حرمین شریفین کی توسیع، سرائے اور مہمان خانے کا قیام، نئی مساجد، پل اور سڑکوں کی تعمیر وغیرہ کے علاوہ اس عہد کے معاشرہ سے واقفیت ہونا۔

12.7 نمونہ امتحانی سوالات

12.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. ذوالنورین کس کا لقب تھا؟

(a). حضرت ابوبکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

2. بئر رومہ کس نے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا؟

(a). حضرت علیؓ (b). حضرت عثمانؓ (c). حضرت عمرؓ (d). حضرت ابوبکرؓ

3. قرآن کی تدوین کس کے عہد خلافت میں ہوئی تھی؟

(a). حضرت علیؓ (b). حضرت عثمانؓ (c). حضرت عمرؓ (d). عمر بن عبدالعزیز

4. حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانے میں کس نے بنیادی کردار ادا کیا تھا؟

(a). حضرت سعدؓ (b). حضرت عبدالرحمنؓ (c). حضرت علیؓ (d). حضرت زبیرؓ

5. حضرت عثمانؓ کی شہادت کس سنہ میں پیش آئی تھی؟

(a).35ھ/656ء (b).37ھ/658ء (c).24ھ/644ء
(d).40ھ/661ء

12.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدنی زندگی پر روشنی ڈالیے۔
2. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بری فتوحات پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین اور جامع القرآن کیوں کہلاتے ہیں؟

4. عہد خلافت عثمانی کے معاشرہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

5. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذاتی حالات وصفات کو بیان کیجئے۔

12.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس طرح سے خلیفہ منتخب کیا گیا؟ تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے۔

2. اواخر عہد خلافت عثمانی میں انتشار کے اسباب بیان کرتے ہوئے شہادت خلیفہ سوم کے واقعہ پر روشنی ڈالیے۔

3. عہد خلافت عثمانی کی علمی، تمدنی اور رفاہی سرگرمیوں پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

12.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. عثمان ذوالنورین : پروفیسر مولانا سعید احمد اکبر آبادی
2. خلفائے راشدین : مولانا حاجی معین الدین احمد
3. تاریخ اسلام (جلد اول) : مولانا شاہ معین الدین ندوی
4. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
5. تاریخ تہذیب اسلامی : پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی
6. اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ (جلد 12) پنجاب یونیورسٹی، لاہور

معروضی سوالات کے جوابات

5. A	4. B	3. B	2.B	1.C

اکائی 13: حضرت علیؓ بن ابی طالب: حیات اور کارنامے

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 حضرت علیؓ کی مکی زندگی

13.2.1 کفالت اور اسلام

13.3 ہجرت

13.4 حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں

13.5 حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت

13.5.1 اہم واقعات

13.5.2 حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

13.6 حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضائت اور علم

13.7 فرہنگ

13.8 اکتسابی نتائج

13.9 نمونۂ امتحانی سوالات

13.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

13.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

13.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

13.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید

گزشتہ تین اکائیوں میں آپ نے خلفائے ثلاثہ کی سیرت اور کارناموں کا جائزہ لیا۔ ان تمام کے دور میں جو اہم واقعات پیش آئے اور جو فتوحات ہوئیں ان کا تذکرہ کیا گیا۔ اس اکائی میں ہم روشنی ڈالیں گے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی سیرت اور خلافت پر۔ آپؓ کے دور کے اہم و مشہور واقعات کا جائزہ لیں گے۔ نیز حضرت علیؓ کی خاص شخصیت کا تذکرہ بھی شامل کیا جائے گا۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ:

- حضرت علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی سیرت سے واقف ہو جائیں گے۔
- حضرت علیؓ اور پیشرو خلفائے ثلاثہ کے تعلقات پر گفتگو کر سکیں گے
- آپ جان لیں گے کہ خلافت راشدہ میں حضرت علیؓ کا کیا کردار رہا۔
- نیز آپ یہ بھی جان لیں گے کہ حضرت علیؓ کی شخصیت کی کیا کیا خصوصیات تھیں۔

13.2 حضرت علیؓ کی مکی زندگی

خاندان اور پیدائش

والد اور والدہ: آپ کے والد ابو طالب کا نام در اصل عبد مناف تھا، مگر وہ اپنی کنیت (ابو طالب) سے مشہور تھے۔ ان کے چار صاحبزادے تھے: طالب، عقیل، جعفر اور علیؓ اور دو صاحبزادیاں تھیں: اُمّ ہانی اور جُمانہ۔ ابو طالب اپنی اولاد میں حضرت عقیل سے زیادہ مانوس تھے۔ حضرت عقیل انساب قریش اور ایام عرب سے بڑے واقف تھے۔ لوگ ان کے پاس آکر ان سے انساب کے سلسلہ میں رجوع کیا کرتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا، جو نہ صرف اسلام میں داخل ہونے والی پہلی ہاشمیہ ہیں بلکہ مدینہ ہجرت کرنے والی پہلی خواتین میں سے بھی تھیں۔ ان کے تعلق نبیؐ فرماتے "میری ماں کے انتقال کے بعد یہی میری ماں تھیں"، "میں ان کا ممنون احسان ہوں"۔ ان کے انتقال پر آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اپنی قمیص کفن پر پہنائی اور پھر قبر میں اندر جا کر لیٹے۔ اللہ سے دعا کی کہ اپنی رحمت سے قبر کو متبرک، منوّر اور کشادہ کر دے۔ حضرت علیؓ کے والدین چونکہ ہاشمی قریشی تھے اس لحاظ سے حضرت علیؓ، نجیب الطرفین، خالص ہاشمی ہوئے اور آپ کا نسب حضرت عدنان تک، بلا اختلاف، پہنچتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو ہاشم کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی، اور خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام خاندان ہاشم کے لیے باعث اعزاز تھا۔

آپ بنی ہاشم میں سب سے پہلے خلیفہ ہیں۔ آپ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور بعد میں نبی کریمؐ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے آپ کا نکاح ہوا، اور اس طرح نبیؐ کے سب سے چھوٹے داماد بھی ہوئے۔ آپ کو اپنے بڑے بھائیوں میں

حضرت جعفر سے سب سے زیادہ لگاؤ تھا جن کا شمار 'السابقون الاوّلون فی الاسلام' میں تھا۔ابن حجر کی کتاب الاصابہ میں ایک روایت ہے جس میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے جب کچھ مانگا اور انہوں نے نہیں دیا تو میں نے جعفر کا واسطہ دیا، انہوں نے فوراً دے دیا(ما سألت علياً فامتنع فقلت له بحق جعفر اِلاّ أعطاني)۔

نام اور سلسلۂ نسب: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

'تاریخ مدینہ دمشق' میں ایک روایت کے مطابق آپ کی والدہ نے آپ کا نام ''اسد'' (شیر) رکھا تھا اپنے والد کے نام پر۔ لیکن حضرت ابو طالب نے نام کو بدل کر علی رکھ دیا۔ مجاہد کا کہنا ہے کہ آپؓ کی والدہ ماجدہ نے آپؓ کا نام علی ولادت کے ساتھ ہی رکھا تھا۔ دوسری جگہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''أنا الذی سَمّتنی أمی حَیدرة''(میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر [شیر] رکھا ہے)۔

کنیت اور لقب: آپ کی کنیت ابوالحسن تھی، لیکن رسول اللہؐ نے آپ کی کنیت ابو تراب رکھی تھی جس سے آپ زیادہ مشہور تھے۔آپ کا کہنا تھا کہ :(کان علیؓ یقول: هی أحب کنیتی اِلیّ)'' یہ کنیت سب سے عزیز ہے مجھ کو''۔آپ کو کوئی اس کنیت سے آواز دیتا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ بنی امیہ کے حکمرانوں کے ڈر سے کئی علماء نے حضرت علیؓ کے نام اور مشہور کنیتیں استعمال کرنے سے احتراز کیا۔ جب کبھی حدیث کی روایت میں آپ کا نام آتا، تو- ''روی ابو زینب'' یا ''روی قرشی'' کا استعمال کیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ آپؓ کی کئی اور کنیتیں تھیں۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

ابو السِبطَین(یعنی الحسن والحسین)،ابو محمد، ابو الحسن وابو الحسین، ابو عبد الله، ابو القاسم۔

حضرت علیؓ کے کئی القاب تھے، جن میں سے چند کا ذکر یہاں پیش کیا جاتا ہے:

ابو القُضَم اور ابو القُصَم(دشمن کو ہلاک کرنے والا)، ابو الیتامی والمساکین، الصدّیق الاکبر، زوج البتول، مولی المؤمنین، ذو القرنین، امیر المؤمنین، اخطب الخطباء، اقضی الصحابه، المرتضی، یعسوب المؤمنین (یعسوب یعنی قوم کا سردار)،باب المدینه، شبیه ہارون، اخو الرسول وغیرہ۔

ولادت

مشہور روایتوں کے مطابق آپ کی ولادت شہر مکہ میں بتاریخ 13، رجب بعثت نبوی اسے دس(10) سال پہلے ہوئی۔ کئی روایات میں یہ بھی آیا ہے کے آپ کی والدہ ماجدہ حمل کی حالت میں ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے قرب میں تھیں کہ ان کو اچانک مخاض (دردِزہ) اٹھا تو آپ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئیں اور وہیں حضرت علیؓ کو جنم دیا۔ جہاں ایک گروہ اس واقعے کو تواتر سے ثابت کرتا ہے وہیں دوسرے گروہ کا یہ کہنا ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہونے والے حکیم بن حزام بن خویلد تھے، نہ کے حضرت علیؓ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ: ''اُنؓ کے مناقب میں سے جو اُن کی پیدائش کے وقت ظاہر ہوئے ایک یہ ہے کہ وہ جوف کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں''۔

صفات: روایتوں کے مطابق علیؓ سب لوگوں سے زیادہ وجیہ اور حسین تھے۔آپ کا چہرہ گورا اور حسین تھا، پیشانی کشادہ تھی، آنکھیں بڑی اور سیاہ، دانت ضیا بار، گردن صراحی دار (لمبی اور خوش نما)، میانہ قامت (متوسط قد)، سینہ چوڑا، کلائیاں ٹھوس، کلائیوں اور بازوؤں میں جوڑ کا پتہ نہ چلتا تھا اور چال باوقار تھی۔آپؓ کی شجاعت ضرب المثل تھی، معاویہؓ نے جنگ صفین میں علیؓ کے بارے میں کہا: جو اُن کے سامنے آ گیا تو ہلاک ہو گیا۔

13.2.1 کفالت اور اسلام

وفات سے پہلے حضرت عبد المطلب نے اپنے صاحبزادہ ابو طالب کو ایک بہت اہم وصیت کی تھی کہ وہ حضرت محمدؐ کی ہر حال میں حفاظت کریں گے۔ حضرت ابو طالب نے اس وصیت کو بڑے اہتمام سے نبھایا۔آپ نے حضرت محمدؐ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور خوب فکر و اہتمام کے ساتھ آپ کی پرورش کی، نہ صرف ابو طالب بلکہ اُن کی زوجہ جو حضرت محمدؐ کی چچی ہوتی تھیں وہ بھی آپؐ کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں۔ اس عنایت کو نبیؐ نے کبھی فراموش نہیں کیا۔آپؐ فرماتے تھے "ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ اسی (فاطمہ بنت اسدؓ) نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں"۔

حضرت ابو طالب کی کوئی بڑی ثروت و دولت نہ تھی اور جب حجاز میں قحط پڑا آپ کو اقتصادی مشکلات کا بہت سخت سامنا کرنا پڑا۔ آنحضرت ﷺ اس وقت دار خزیمہ میں ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ کے گھر میں رہ رہے تھے اور آپ کی تجارت میں شریک تھے۔آپؐ اپنے چچا کے یہ حالات دیکھ کر فکر مند ہو گئے تھے اور نیت کی کہ اس مشکل گھڑی میں ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔آپؐ نے اپنے ایک دوسرے چچا حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کو، جو مکہ کے خوشحال اور امیر لوگوں میں سے تھے، اپنے ارادہ سے مطلع کیا، اور پھر آپ دونوں مل کر حضرت ابو طالب کی خدمت میں پہنچے اور فرمایا کہ ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ کے بچوں کا کچھ بوجھ اپنے ذمہ لے لیں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ کی کفالت خود لے لی اور حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت تین سے چھ سال کی ہو گی۔اس دن سے آپ نبیؐ کے ساتھ رہنے لگے۔اور آپ کی مکمل پرورش براہ راست نبیؐ کی زیر نظر ہونے لگی۔ حضرت عقیل کو حضرت ابو طالب کسی حالت میں اپنے سے دور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عقیل اور ان کے بڑے بھائی طالب دونوں اپنے والد کے ساتھ رہے۔

حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ نے شجاعت، جوان مردی اور بہت سے خاندانی فضائل بنی ہاشم سے نوازا تھا اور پھر نبیؐ کے زیر نگرانی آپ کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا فیض جاری رہا، نیز آپ بہت کم سنی میں بلندی پر پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ جب آپ پر نبیؐ نے اسلام پیش کیا تو آپ نے اُس کی تصدیق بلا تاخیر فرمائی، ایمان آپ کے حواس اور وجدان کا جزء بن گیا اور قلب کو منور کر دیا۔ حبہ عرنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی کو یہ فرماتے سنا: میں ہی وہ پہلا انسان ہوں جس نے رسول اللہؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔ (فضائل الصحابہ، امام احمد بن حنبل)

اکثر حوالوں کے مطابق حضرت علیؓ کا سن دس (10) برس کے لگ بھگ تھا کہ حضرت محمدؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کی عمر پندرہ (15) یا سولہ (16) سال کی تھی۔ حسن وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے علیؓ اسلام لائے۔ اس وقت ان کی عمر 15-16 سال کی تھی۔ (فضائل الصحابہ، امام احمد بن حنبل)

بعثت کے شروع کے دنوں میں رسول اللہؐ چھپ کر عبادت کرتے، حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ رکھتے۔ نماز کے وقت کسی گھاٹی (شِعْب) میں جاکر عبادت کرتے۔ بعد میں جب دعوت اسلام کا دائرہ خاندان کے باہر ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ایام حج کا فائدہ اٹھایا۔ ان دنوں میں شہر مکہ کی طرف مختلف قبائل عرب دوڑے دوڑے چلے آتے تھے۔ مگر نبیؐ کو ابھی بھی احتیاط برتنا پڑتی تھی، چنانچہ حضرت علیؓ مسجد حرام کا دورہ لگاتے اور، اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیت اور فطانت سے ان لوگوں کا اندازہ کر لیا کرتے جو حق کی جستجو اور اسلام کی طلب میں مکہ آیا کرتے تھے۔ ان حضرات کی آپ رہنمائی کرتے اور کفار قریش کی نظروں سے بچا کر انہیں نبیؐ کی خدمت میں پہونچایا کرتے تھے۔

13.3 ہجرت

مکہ میں ایک ایسا وقت آیا کہ اس شہر میں نبی کریمؐ، حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ کے علاوہ صرف چند معاشی طور پر کمزور مسلمان رہ گئے تھے، جو یا تو کسی مصیبت میں گرفتار تھے یا تو کفار قریش کے حبس (گرفت) میں تھے۔ جب کفار قریش نے یہ دیکھا کہ مسلمان مدینہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں اور وہاں کی آبادی میں اسلام پھیل چکا ہے انہیں خیال ہوا کہ حضرت محمدؐ اگر مدینہ کو چلے گئے تو اسلام ایک بڑا خطرہ بن جائے گا۔ ان لوگوں نے آپؐ پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مشرکین کی اس سازش اور ان کے ارادوں سے آگاہ کر دیا۔ نبیؐ کو جب ہجرت مدینہ کا حکم ہوا آپؐ نے علیؓ کو اپنے بستر اطہر پر، ہجرت کی رات، سونے کا حکم دیا اور مکہ میں رک کر لوگوں کی امانتیں، جو نبیؐ کے پاس تھیں، ان کے مالکوں کو پہنچانے کی ذمہ داری دی۔ یہ کام صرف اُس کے حوالے کیا جا سکتا تھا جو ایک بلند عزم شخصیت، مضبوط ایمان والا اور رسول اللہؐ کی بات پر کامل یقین رکھتا ہو - وہ شخصیت صرف اور صرف اسد اللہ (شیر خدا) تھے۔ مشرکین مکہ کے غصے اور طیش کی حالت میں علیؓ کا قتل کر دیا جانا بہت آسان کام تھا، کیوں کے آپ نبیؐ کے قریب رشتہ داروں میں سے تھے اور مکہ میں تنہا رہ گئے تھے - مگر آپ کے لیے تو نبی کریمؐ نے جان کی حفاظت کی ضمانت دیدی تھی: ''تم کو کوئی بھی گزند (نقصان) نہیں پہونچائے گا''۔ حضرت علیؓ مکہ میں تین دن رہے تھے، اور بغیر کسی خوف کے لوگوں کے سامنے آتے جاتے، ''بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے''(یونس: 62)۔ تین دنوں کے بعد آپ چلتے ہوئے مدینہ تشریف لے گئے۔ سواری کا ذکر مشہور روایات میں نہیں ملتا۔ آپ راتوں کو چلا کرتے اور دن کو کہیں چھپ جاتے اور اس طرح آپ قباء پہنچے، وہاں سے آپ نبی کریمؐ کے ساتھ مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ دوسری روایت کے مطابق علیؓ مکہ سے براہ راست مدینہ کے لیے نکلے تھے اور جب آپ کی مدینہ میں آمد ہوئی اس وقت نبی اقباء ہی میں تھے۔

13.4 حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں

ہجرت کے ساتھ مہاجرین کو پہلی بار آزادی کی سانس لینے کا موقع ملا۔ علانیہ اللہ کی عبادت اور احکام شرعیہ پر اطمینان کے ساتھ عمل کرنا ممکن ہوا۔ مہاجرین اپنا گھر بار اور ساز و سامان سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو باہم بھائی چارگی میں منسلک کر دیا۔ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؓ اور ایک انصاری سہل بن حُنَیفؓ کے درمیان مؤاخات کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ سہل بن حنیف اپنے آخری وقت تک حضرت علیؓ کے مخصوص حامیوں میں سے تھے۔ عہد نبوی میں تمام غزوات میں شریک

تھے۔ غزوہ احد کے دن نبی کریمؐ نے آپ کی بہادری اور قربانی کی تعریف فرمائی تھی۔

اکثر روایات میں آیا ہے کہ مؤاخات کی مناسبت پر نبیؐ نے حضرت علیؓ کی مؤاخات خود اپنی ذات سے قائم کی اور فرمایا کہ ''یا علی أنت أخي في الدنيا والآخرة''، (تو میرا بھائی ہے دنیا اور آخرت میں)۔ لیکن ان روایات کی اسناد پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اسی موضوع پر ایک حدیث سنن ترمذی میں موجود ہے جس کا درجہ حسن بیان کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں: (جب اصحاب کے درمیان مؤاخات واقع ہوئی۔ یعنی ہر ایک کے لیے رسول اللہؐ نے ایک بھائی تجویز کیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی فرمایا)۔

مسجد نبوی کی تعمیر: مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی تھی، آپؐ کو مسجد تعمیر کرانے کا خیال پیدا ہوا۔ نبیؐ نے مسجد اور اس سے لگ کر آپ کے نئے گھر کی تعمیر شروع فرمائی، آپؐ نے خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا، تمام صحابہ رفیق کار تھے۔ تعمیر کے دوران عمار بن یاسر نے حضرت علیؓ کو سنا یہ رجز پڑھتے ہوئے: وہ برابر نہیں ہو سکتے: جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے۔ اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے۔

عقد نکاح: آنحضرت ﷺ کو اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء سے بے انتہا محبت اور شفقت تھی۔ مشہور روایتوں کے مطابق آپ بعثت سے پانچ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئیں تھیں۔ ہجرت کے وقت آپ کی عمر تقریباً سولہ یا سترہ (16-17) برس کی تھی، اور آپ اپنے والد محمدؐ سے بہت مشابہت رکھتی تھیں۔ ان کے تعلق آپؐ نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، مجھے تکلیف دیتی ہے وہ چیز جو اس کو تکلیف دے۔ حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست حضرت علیؓ نے دربار نبیؐ میں حیاء اور ادب کے ساتھ کی تھی، حضرت فاطمہؓ کی عمر اس وقت اٹھارہ (18) برس کی تھی۔ عقد نکاح کی درخواست اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی کی تھی، لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا تھا۔ نبیؐ نے حضرت علیؓ سے پوچھا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ آپ کے پاس ایک گھوڑا، ایک تلوار اور ایک زِرَہ (یہ آپ کو نبیؐ نے بدر کے مال غنیمت میں سے دیا تھا) کے سوا کچھ نہیں تھا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ زرہ کو فروخت کر کے مہر ادا کرو۔ اس زرہ کو حضرت عثمانؓ نے خرید لی اور پھر شادی کی مناسبت پر تحفہ کے طور پر انہیں واپس لوٹادی۔ اس مبلغ سے آپ نے مہر ادا کیا اور شادی کی تمام تیاریاں بھی مکمل ہوئیں۔ نکاح کے بعد آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو فرمایا ''میں نے تیرا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو مجھ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب ہے''۔

نکاح اور رخصتی کی تاریخ اور ان کے درمیان جو مدت تھی ان دونوں امور کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مشہور قول کے مطابق سنہ 2 ہجری میں عقد ہوا اور کچھ ماہ کے بعد رخصتی رکھی گئی۔ نکاح کے بعد حضرت علیؓ نے نبیؐ کے مکان سے قریب ایک گھر کرایہ پر لے لیا تھا۔ سیدہ فاطمہؓ اپنی رخصتی کے بعد اسی گھر میں منتقل ہوئیں۔

ایک بار ابو جہل کی اولاد نے ابو جہل کی بیٹی کا پیغام حضرت علیؓ کو بھیجا، حضرت فاطمہؓ اس خبر سے بے حد غمگیں اور ناراض ہوئیں اور آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ اس درمیان لڑکی کے خانداں والے بھی نبیؐ سے اس عقد کی اجازت لینے پہنچ گئے۔ نبی کریمؐ نے اعلان

کیا: ''میں اجازت نہیں دیتا ہوں''، ''فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، وہ چیز مجھے تکلیف دیتی ہے وہ چیز جو اس کو تکلیف دے''۔ حضرت علیؓ نے آپؐ کی نصیحت پر عمل کیا اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں دوسری شادی کا خیال تک دل میں نہیں آنے دیا۔

زہد: حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی معیشت انتہائی سادہ، صبر ومشقت کی تھی، آپ کے یہاں اکثر کئی کئی وقت کے فاقہ گزر جاتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ کچھ کھانا یا مال جب گھر میں آتا کوئی نا کوئی حاجت مند یا یتیم چوکھٹ آل بیت پر امید باندھے ہوئے کھڑا ہو جاتا اور خالی ہاتھ نہ لوٹتا حتی کہ ''أكُلَاتٍ يُقِمْنَ صُلْبَه''تک دے دیتے۔ قرآن کہتا ہے: ''اور وہ اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ''(الانسان: 8)۔ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے انتقال کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا جب حضرت علیؓ کے مال کی زکوۃ چالیس ہزار دینار ہو جایا کرتی تھی۔ پھر بھی آپ کی زندگی میں کچھ نہ بدلا۔ ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں: ''جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے''۔

خاص خدمات: حضرت علیؓ کو رسول اللہؐ کی پیشین گوئی پر مکمل یقین اور کامل ایمان تھا۔ رمضان سنہ 8 ہجری میں نبیؐ نے فتح مکہ کا ارادہ کیا اور صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔ تاکید فرمائی کہ دشمنوں سے یہ مہم پوشیدہ رکھی جائے۔ آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ اللہ تعالی نے مطلع فرمایا اس منصوبہ کے متعلق جس میں قریش کو باخبر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ ان کے ساتھ دو اور صحابہ کو بلا کر فرمایا کہ قریش مکہ کے لیے ایک عورت روانہ ہو چکی ہے، تم لوگ اس کو روضۂ خاخ میں روک لو اور اس کے پاس سے جو خط ہے وہ چھین کر میرے پاس لاؤ۔ آپ تینوں صحابہ گھوڑوں کو سرپٹ بھگاتے ہوئے اس مقام پر پہنچے اور وہ عورت کو روک لیا۔ جب اس سے خط طلب کیا تو اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ کبھی رسول اللہؐ نے خلاف واقعہ بات کہی اور نہ ہم لوگ جھوٹے ہیں لہٰذا تو خط نکال کر ہمیں دے دے ورنہ ہم تجھے برہنہ کر کے تلاشی لیں گے۔ مجبور ہو کر اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر دے دیا۔

شوال سنہ 8 ہجری، فتح مکہ کے بعد، آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک سریہ پر امیر بنا کر بھیجا بنو خذیمہ کی طرف۔ اس سریہ کا مقصد تبلیغ اسلام تھا نا کہ جنگ۔ وہاں خالد بن ولیدؓ نے کچھ لوگوں کو قید کر لیا اور کچھ افراد کو قتل کروا دیا۔ جب نبیؐ کو خبر ہوئی تو آپ انے خالدؓ کے اس فعل سے بہت متفکر ہوئے اور کہا یا اللہ میں خالد کے اس عمل سے لاتعلق ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے فوراً روانہ کیا۔ حضرت علیؓ نے تمام قیدیوں کو آزاد کیا اور جو قتل ہوئے ان کی دیت ادا کی۔

سنہ 9 ہجری میں غزوہ تبوک کی تیاریاں بڑی اہتمام سے کی جارہیں تھیں، یہ ایک اہم جنگ تھی روم اور ان کے عرب اتحادیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف یہ جنگ مسلط کی گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے نبیؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی تھی۔ مگر اس موقع پر نبیؐ نے آپ کو مدینہ میں اہل البیت کی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ حضرت علیؓ کو شرکت جہاد سے محرومی کا غم اور پھر منافقین کی طعنہ زنی نے آپ کو ذہنی اور روحانی تکلیف میں مبتلا کر دیا۔

حضور کریم ﷺ کی روانگی کے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کا غم دور کرنے کے لیے فرمایا:'' أما ترضى أن تكون منّي بمنزلة هارون من

موسی ''،(کیا تم اِس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی)۔ حضرت علیؓ نے کہا: راضی ہوں ۔یہ واقعہ صحیح روایات سے منقول ہے۔

سنہ 9 ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حج پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر تین سو (300) اہل مدینہ کے ساتھ روانہ فرمایا ہی تھا کہ سورۂ برأت نازل ہوئی، آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ نبی کریمؐ کی اونٹنی عضباء پر نکل جائیں اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مکہ جا کر اس سورہ کو قربانی کے دن (10، ذی الحجہ کو) تمام لوگوں کو سنائیں اور اعلان کر دیں کہ جنت میں کوئی کافر نہیں جائے گا، اور اس کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا، اور خانہ کعبہ کا طواف کوئی شخص برہنہ نہیں کر سکے گا، اور جس کا نبی کریمؐ سے کوئی معاہدہ ہے تو آپؐ اس کو پورا کریں گے۔ جب صحابہ کرام نے نبیؐ سے حضرت علیؓ کے انتخاب کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا فرد اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔

سنہ 10 ہجری میں نبیؐ نے حضرت علیؓ کو یمن کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا۔ آپ کی چند روزہ تعلیم کے باعث قبیلہ ہمدان پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ پورے کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ جب نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کو یمن جانے کا حکم دیا تھا، انہوں نے عرض کیا: ''آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جو مجھ سے زیادہ عمر والے (تجربہ کار) ہیں اور میں ایک جوان (ناتجربہ کار) ہوں میں قضاء (لوگوں کے مابین فیصلہ) کرنا نہیں جانتا، تو نبیؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھا اور کہا: 'بیشک اللہ تجھے سیدھی راہ پر چلائے گا اور تیری زبان کو مضبوط بنائے گا'''۔ دوسری روایت میں مزید آیا ہے: ''حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد قضاء کے تعلق سے مجھے کبھی کوئی الجھن پیش نہیں آئی''۔

سنہ 10 ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حج کا ارادہ کیا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ بھی یمن سے واپس ہوئے اور اس حج (حجۃ الوداع) میں شریک ہوئے۔ حج میں اضحیٰ کے دن آپؐ نے کچھ جانور اپنے دست مبارک سے نحر کیے اور علیؓ کو اپنا نائب بنا کر باقی جانوروں کی قربانی ان کے سپرد کر دی۔

اہم انتظامی ذمہ داریاں: (1) کاتب وحی، (2) کاتب وثائق رسول اللہؐ، (3) رکن شوریٰ، (4) امیر صدقات (علاقہ: نجران)، (5) امیر سریۃ (فوج کی ایک ٹکڑی- پانچ سے تین سو تک افراد پر مشتمل)۔

خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں

حضرت علیؓ کو علم پر استحکام اور قدرت حاصل تھی، آپ کی اسبقیت اسلام، دامادیت رسول اللہؐ، مہارت فقہ اور حاملِ حکمت ہونے کی وجہ سے فضیلت رکھتے ہیں۔ تینوں خلفاء کے عہد میں حضرت علیؓ کا مجلس شوریٰ میں وجود ناگزیر تھا۔ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اپنے اہم معاملات میں آپ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے خواہ وہ امور قضائت سے متعلق ہوں یا انتظامی معاملات سے متعلق ہوں۔ اس سلسلہ میں کچھ روایات درج ذیل ہیں، یہ حافظ جلال الدین سیوطی سے منقول ہیں۔

- طلحہ بن عبید اللہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس تقسیم مال کا مسئلہ پیش آیا تو آپؓ نے علیؓ کو فرمایا کہ: آپ کو بھی اپنا مشورہ ضرور

دیناہو گا۔

- حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ حضرت علیؓ مدینہ شریف میں سب سے زیادہ معاملہ فہم ہیں۔
- حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ سے جب کوئی مسئلہ معتبر ذریعہ سے پہنچے تو اس کے بعد پوچھنے کی ضرورت نہیں۔
- حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اللہ سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ کہیں ایسا معاملہ درپیش نہ ہو جس کا فیصلہ حضرت علیؓ بھی نہ کر سکیں۔
- حضرت سعید بن مسّیب کہتے ہیں کہ مدینہ شریف میں سوائے حضرت علیؓ کے کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہہ سکے کہ جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو۔

13.5 حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

تولیت اور اسلوب خلافت

حضرت عثمانؓ پر مصری محاصرہ کرنے والوں نے جو شدت اختیار کی وہ اسلامی اصولوں کے خلاف تھا۔ حضرت علیؓ شروع سے ہی اس تصرف کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ آپ نے محاصرین کے پاس جا کر سمجھانے کا کام کئی مرتبہ کیا۔ آپ کے مداخلت کے نتیجے معاملہ حل ہو جاتا لوگ وہاں سے ہٹ جاتے، مگر کچھ نیا شوشہ نکل آتا جس سے بات پھر سے بگڑ جاتی۔ آپ نے اپنے دو صاحبزادوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے وہاں ٹھہرا دیا تھا، اور بھی صحابہ حفاظت کی نیت سے وہاں مقیم رہے جن میں سے محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ تھے، لیکن مفسدین کا مجمع بہت بڑا تھا اور جب انہوں نے اپنا حملہ کیا تو صحابہ کرام کو زخمی کرتے ہوئے گھر میں داخل ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کے بعد اُن لوگوں نے ایک نئے خلیفہ کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ اہل مدینہ سے یہ کہا کے اگر کوئی نیا خلیفہ انہیں متعین ہوا تو وہ مدینہ میں اپنا مظاہرہ جاری رکھیں گے۔ اس دوران کبار صحابہ نے حضرت علیؓ سے بیعت کے قبول کرنے کے لیے اصرار کیا۔ آپؓ نے انکار کر دیا اور اپنے گھر میں اپنے آپ کو عزلت نشین کر لیا۔

حضرت حسینؓ نے اپنے والد ماجد سے درخواست کی کہ وہ کچھ وقت کے لیے مدینہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے جائیں تاکہ بیعت کو مجبوری میں قبول کرنا نہ پڑے۔ بالآخر وہی ہوا جس کا حضرت حسینؓ کو خوف تھا۔ مدینہ والوں کا ایک مجمع حضرت علیؓ کے گھر پہنچا اور بیعت کا ہاتھ بڑھانا چاہا۔ آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ یہ بیعت میں صرف مسجد میں لوں گا جہاں عوام بکثرت سے موجود ہوں۔ آپ بیعت نہ کر کے مسلمانوں کی قوت کو کمزور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ 24، ذی الحجہ سنہ 35 ہجری کو مسجد نبویؐ میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کے دست اطہر پر بیعت ہوئی۔ چند حضرات کے علاوہ صحابہ کی بڑی اکثریت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، جس کے بعد آپ نے حکمت اور بلاغت کے ساتھ ایک جامع

خطبہ دیا۔ علماء کا کہنا ہے کہ یہ خطبہ صحیح وقت اور مناسب ترین مقام پر دیا گیا۔ حضرت علیؓ نے جن موضوعات پر روشنی ڈالی وہ تمام امور اس حساس وقت کے لیے اہم تھے۔ چند حضرات جنہوں نے بیعت سے انکار کیا: مروان بن حکم، معاویہ بن ابی سفیان اور ان کا حلقہ، سعد بن ابی وقّاص۔ وہ حضرات جو بیعت کے وقت مدینہ میں نہیں موجود تھے: ام المؤمنین عائشہؓ، آپ اُس سال حج کے لیے گئیں تھیں، اور مکہ سے واپس نہیں لوٹی تھیں۔

بیعت کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کے سامنے صعوبات اور مشکلات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ایک طرف قصاص کا مطالبہ کرنے والوں کا دباؤ، دوسری طرف مصریوں کا وہ گروہ جو ابھی بھی مدینہ میں موجود تھا (اگرچہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، لیکن آپؓ کا ان لوگوں پر کوئی قابو نہ تھا) اور پھر تیسری طرف فاسد گورنروں اور افسروں کی ایک طویل فہرست جن کی زیادتیوں اور ناانصافیوں نے مسلم مملکت میں ناراضگی کی لہر پھیلادی تھی۔

حضرت علیؓ کی شخصیت ایسی تھی کہ کوئی بھی انسان، چاہے کتنا ہی طاقتور ہو، کی یہ جُرأت نہ تھی کہ اُن سے باطل کی تائید میں ذرہ برابر توقع رکھتا۔ بیعت کے بعد آپؓ کی سب سے پہلی کارروائی تمام فاسد گورنروں کو ان کے عہدوں سے برطرف کرنا تھا۔ آپؓ نے فرمان جاری کیے اور نئے گورنروں کو تقرر ناموں کے ساتھ روانہ کیا۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ بھیجا، عمارہ بن شہاب کو کوفہ، عبید اللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد کو مصر اور سہل بن حنیف کو بلاد شام کو بھیجا لیکن معاویہؓ کے آدمیوں نے اُن کو داخل ہونے سے روک دیا۔ اس واقعہ سے پیشتر حسن بن علیؓ نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں یہ بات رکھی کہ شام کے گورنر معاویہؓ کو فوری معزول کرنے سے فتنہ ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ نے اُن کو جواب دیا کہ نااہل شخص کو مسلمانوں کے امور پر قائم رکھنا اسلامی اصولوں کے منافی ہے، اور اُن تمام نااہل گورنروں اور منتظمین کو مسلمانوں کے امور کی ذمہ داری سے ہٹانا ہی ہو گا۔ البتہ جن افسروں کو آپؓ نے ایمانداری اور دیانت داری پر قائم پایا اُن کو برقرار رکھا، ان میں سے زیاد بن ابی سفیان جو کہ بصرہ میں بیت المال کے افسر اعلی تھے۔

حضرت علیؓ نے اپنے افسروں کو کئی ہدایتیں دیں: ''بادروا أمر العامة''، (عوام کے معاملات کو پہلے نمٹ لو)، یہ بھی کہتے: ''اِتقوا الله فی عباده''، (اللہ کے بندوں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو)۔ فرمایا کرتے کہ: اپنی رعایا کی طرف اپنی توجہ پوری رکھو، اُن سے زیادہ دیر غائب نہ رہو۔ ذمیوں سے جزیہ اور خراج کی وصولی کے سلسلہ میں اپنے افسروں کو فرماتے تھے کہ: ذمیوں سے عفو لو، یعنی وہ لو جسے وہ آسانی سے دے سکے - وہ شے جو اس کی ضرورت سے زائد ہو)۔ آپؓ نے وہی شوریٰ کا طریقہ اپنایا تھا جو نبی اسے آپؓ نے سیکھا تھا۔ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں ایک شخص نے آپؓ سے سوال کیا کہ تینوں خلفاء کے دور میں اتنے جھگڑے اور فتنے نہیں پیش آئے جتنے آپ کے دور خلافت میں پیش آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اُن کی مدد کرتے تھے مشورہ دے کر اور ہم چاہتے ہیں کے اسی طرح آپ بھی ہماری مدد کریں مشورہ دے کر۔

13.5.1 اہم واقعات

''پہلے قصاص پھر بیعت'' کا نعرہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ (سابقین فی الاسلام اور عشرہ مبشرہ بالجنہ میں شامل ہیں) اور حضرت زبیر بن عوامؓ (نبیؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور ابو بکر صدیقؓ کے داماد۔ اور عشرہ مبشرہ بالجنہ میں سے ہیں) کے ذریعہ پھیلا۔ آپ دونوں حضرات بیعت علیؓ

میں سبقت والوں میں سے تھے۔ جب تک آپ دونوں حضرات مدینہ میں رہے حضرت علیؓ نے ان کو سمجھانے میں لگے رہے مگر اُن دونوں نے کچھ نہ سنا، اور مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ وہاں مروان بن حکم اور دیگر بنی امیہ بھی موجود تھے، یہ لوگ مدینہ سے فرار ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے، ان کے ساتھ مل کر معاویہؓ نے بیعت علیؓ کے خلاف مزاحمت اور جنگ کا محاذ قائم کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ آپ کی بیعت تمام مسلمانوں پر لازم ہے کیونکہ کبار مہاجرین اور انصار نے اتفاق عام سے آپ کو منتخب کیا تھا، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ایسی بیعت کو نہ قبول کرنا خلاف شرع ہے اور موجب تعزیر ہے۔ حضرت علیؓ نے معاویہؓ اور عمرو بن العاص کو کئی خط لکھے، لیکن آپؓ کی مصالحت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ بالآخر صفین کا واقعہ پیش آیا تھا۔

1. واقعہ جمل

دوسری طرف حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اپنی حوصلہ افزائی کے لیے ام المؤمنین عائشہؓ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ مکہ سے بصرہ کا رخ کیا۔ بصرہ میں انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا یہ عمل نکث بیعت (بیعت توڑنا، عہد برقرار نہ رکھنا) کی دلیل تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اچانک مکہ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں، لیکن اس تنازعہ میں اُن کا موقف غیر جانبدار تھا اور یہ بات انہوں نے حضرت علیؓ کو ظاہر کر دی تھی۔ حضرت زبیرؓ کو معاویہؓ نے دعوت دی کے وہ شام آجائیں اور وعدہ کیا کہ اُن کو (یعنی زبیرؓ کو) وہ خلیفہ منتخب کریں گے۔ اس دعوت کو حضرت زبیرؓ نے قبول نہ کیا۔

حضرت علیؓ کو مکہ کی جماعت کے ارادوں کا معلوم ہوا تو آپؓ نے بلا تاخیر بصرہ کا قصد کیا۔ انصار مدینہ نے اُن سے گزارش کی کہ وہ دار الخلافت چھوڑ کر نہ جائیں۔ آپؓ نے انصار کو سمجھایا جس پر وہ راضی ہو گئے اور خلیفہ کا ساتھ دیا۔ حضرت علیؓ مدینہ والوں کے ساتھ عراق کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں آپؓ کو خبر ملی کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بصرہ میں موجود ہیں اور وہاں کے لوگوں نے زبیرؓ کو امیر بنا دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ ذی قار (کوفہ کے قریب ایک مقام ہے) میں رک گئے، اور وہاں قیام کیا تا کہ کوفہ کو حضرت حسنؓ کو بھیج کر وہاں کے لوگوں کو مرکز کی مدد کے لیے جمع کیا جائے۔ کوفہ سے حضرت حسنؓ کے ساتھ ایک بڑی جماعت مسلح ہو کر ذی قار کے لیے روانہ ہوئی، اور حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہو گئی۔ یہاں سے حضرت علیؓ نے بصرہ کا رخ کیا۔ حضرت علیؓ نے مصالحت کا پیغام لے کر ام المؤمنین عائشہؓ سے ملاقات کی، اس وقت آپ دونوں چاہتے تھے کہ خونریزی کی نوبت نہ آنے پائے۔ فریقین کی اِن انتھک کوششوں کے نتیجے میں جنگ کے احتمالات تقریباً ختم ہو چکے تھے۔ مگر جماعتوں میں دو ایسے عنصر تھے جو جنگ کروانا چاہتے تھے۔ ایک تو بنی امیہ کے لوگ اور دوسرے وہ شورش پسند جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ اور فساد برپا کیا تھا۔ انہی دو عناصر کی چال میں پھنس کر جماعتوں میں 13 یا 15ء جمادیٰ الاولیٰ سنہ 36 ہجری کو جنگ شروع ہو گئی۔ دوران جنگ حضرت علیؓ نے زبیرؓ کو نبیؐ کی پیشین گوئی یاد دلائی جس میں نبیؐ نے زبیرؓ کو فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے (یعنی علیؓ) ناحق لڑو گے۔ یہ سن کر حضرت زبیرؓ میدان جنگ سے نکل گئے، اور ان کو دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے حجاز کی طرف لوٹنے کا ارادہ بنا لیا، اس سے پہلے کے طلحہؓ میدان جنگ سے ہٹیں آپ کو مروان بن حکم نے تیر مار کر زخمی کر دیا جس سے وہ بعد میں شہید ہو گئے۔ میدان میں ام المؤمنین عائشہؓ اپنے اونٹ پر سوار تھیں اور آپ کے ارد گرد وفادار بیٹوں کا مجموعہ تھا جو جوش و ثبات کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ حضرت علیؓ

کو خیال آیا کہ خونریزی کو روکنے ام المؤمنین عائشہؓ کے اونٹ کو بیٹھانا ہی ہوگا۔ اور اسی طرح یہ جنگ ختم ہوئی۔ حضرت علیؓ نے ام المؤمنین عائشہؓ کی ہمراہی کے لیے بصرہ کی معزز چالیس خواتین کو منتخب کیا اور 12000 کی رقم پیش کی اور پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ صحیح و معقول روایات کے مطابق اس واقعہ میں قریب 3000 لوگ شہید ہوئے تھے جن میں سے تقریباً 500 افراد جیش علیؓ کے تھے۔ واقعہ کے بعد آپؓ کوفہ چلے گئے، جو آپ کا دار الخلافت بنا۔

2. جنگ صفین

یہ دو بڑی فوجوں کے درمیان ایک تنازعہ تھا، نہر فرات کے کنارے میدان صفین میں دونوں فریق نے اپنے اپنے خیمے ربیع الاول سنہ 36 ہجری میں ڈالے، جمادی الاخریٰ میں کچھ نوک جھونک (مناوشہ) کی شروعات ہوئی، یہ سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ اشہر حرم میں دونوں طرف نے قتال روک دیا۔ اس درمیان حضرت علیؓ نے مصالحت کرنا چاہی مگر مقابل سے کوئی صحیح جواب نہ ملا۔ ماہ صفر سنہ 37 ہجری کی ابتداء میں عظیم الشان جنگ کا آغاز ہوا اور دوسرے دن جب حضرت علیؓ کا پلہ بھاری ہوتے دیکھا تو معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے صلح کا پیغام بھیجا جس میں مناسب شرطیں نہ تھیں چنانچہ حضرت علیؓ نے مصالحت سے انکار کر دیا۔ اگلے ہی دن عمرو بن العاصؓ نے ایک چال چلی جس میں انہوں نے فوج کے مقدمہ پر مصاحف نیزوں پر باندھ کر بلند کروایا اور قرآن پر تحکیم کا نعرہ لگایا۔ یہ سن کر فوج حیدری میں سے ایک لشکر نے جنگ بند کا سختی کے ساتھ اصرار کیا۔ فوج میں فرقے بن گئے اور قریب تھا کہ باہم خون کشت کی نوبت پہنچ جائے۔ عمرو بن العاص کی یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ حضرت علیؓ کو جنگ بندی پر مجبور کر دیا۔ دونوں فریق کے درمیان بات چیت ہوئی جس کے بعد ''تحکیم'' پر اتفاق ہوا۔ اس درمیان جیش علوی میں سے ایک گروہ الگ ہو گیا، یہ فرقہ ''خوارج'' کے نام سے مشہور ہوا۔ غرض تحکیم کا نتیجہ خلافت علیؓ کی مصلحت میں نہیں تھا، امویوں کا قبضہ شام اور مصر پر قائم رہا، اور عراق، ماوراء النہر اور جزیرۂ عرب پر حضرت علیؓ کی حکومت رہی۔

3. نہروان

تحکیم سے ناراض ہوئے 12000ء افراد صفین سے واپسی پر فوج حضرت علیؓ سے الگ ہو کر حروراء میں اقامت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کا شعار تھا ''لا حکم الا للہ'' اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ معاملات دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے۔ تحکیم میں دونوں حکم (ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص) اور ان کے انتخاب کرنے والے (حضرت علیؓ اور معاویہؓ) کافر ہیں۔ علیؓ کے سمجھانے پر وہ سب کوفہ لوٹ آتے ہیں۔ لیکن جب علیؓ نے تحکیم کے مسئلے پر اپنا فیصلہ قائم رکھا تو وہ جماعت دوبارہ الگ ہو جاتے ہیں۔ اس بار علیؓ کی بیعت توڑ کر نہروان میں جمع ہو جاتے ہیں اور عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ خوارج کا جارحانہ رویہ عوام کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ بالآخر علیؓ کو نہروان کا قصد کرنا ہی پڑا۔ حملہ سے پہلے حضرت علیؓ نے آخری بار اس جماعت کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہدایت دی اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہا، اس پر ایک بڑا مجموعہ خارجیوں کا الگ ہو کر شہر لوٹ گیا۔ ایک دوسرا گروہ توبہ کر کے علیؓ کی فوج میں شامل ہو گیا، اب میدان میں تقریباً 3000ء خارجی باقی رہ جاتے ہیں جو سب کے سب جان باز تھے۔ لشکر حیدری کے حملہ کے بعد چند استثناء کے علاوہ پوری جماعت ہلاک ہو گئی۔

13.5.2 حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

17، رمضان 40ہجری کو آپ رضی اللہ عنہ صبح کے وقت مسجد کوفہ میں نماز ادا کر رہے تھے اچانک پیچھے سے آپ کے سر مبارک پر ایک خارجی عبدالرحمن بن عمرو عرف ابن ملجم الحمیری ثم الکندی نے مسموم (زہر آلود) تلوار سے حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پر یہ قاتلانہ وار راستے میں ہوا جب نماز فجر کے لیے مسجد جا رہے تھے۔ زہر کا اثر آپؓ کے جسم اطہر میں پھیلنے لگا اور دو یا تین دن بعد 20/ رمضان کو نماز فجر کے وقت آپؓ کی شہادت ہوئی۔ آپ کی عمر اس وقت 63 سال تھی، "توفی علی بن أبی طالب وهو ابن ثلاث وستين"۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے تجہیز و تکفین کی۔ والد ماجد کی ہدایت کے مطابق صاحبزادوں نے مکان تدفین کا اعلان نہیں کیا، چنانچہ محل و مقام دفن پر کوئی متفق رائے نہیں ہے۔

اس قتل کے منصوبہ میں ابن ملجم کے ساتھ دو اور خارجی شامل تھے بُرَک بن عبد اللہ التمیمی اور عمرو بن بکر التمیمی۔ ان کو اپنے بھائیوں کے خون کا بدلہ لینا تھا، جن کا حضرت علیؓ نے جنگ نہروان میں قتل کیا تھا۔ ان کو یقین تھا کے عالم اسلامی میں تمام جھگڑے، فتنہ اور گمراہی کے تین سر براہ ہیں جن کا قتل کرنا شرعاً واجب ہے، حضرت علیؓ، عمرو بن العاصؓ اور معاویہؓ۔

تینوں نے آپس میں عہد کیا اور قسم لی کہ کوئی اس معاہدہ کو نہیں توڑیگا یہاں تک اپنی اپنی ذمہ داری پوری نہ کر دے یا خود ہلاک نہ ہو جائے۔ طے کیا کہ رمضان کی 17 تاریخ کو ہر شخص اپنی مقررہ جگہ میں رات گزارے جہاں اس کو اپنا کام نافذ کرنا ہے۔ حسب مصادر تینوں اپنے اپنے مقررہ شہر کے لیے روانہ ہو گئے اور دوسرے ساتھیوں (یعنی خوارج) سے بھی اپنے اس ارادہ کا اظہار نہیں کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سازش خوارج کے سرداروں کی بنائی گئی تھی، اور انہوں نے ہی چنا مذکورہ تین لوگوں کو اس حملہ کے لیے۔ بہر حال صرف ابن ملجم قتل کرنے میں کامیاب ہوا، باقی دو کا حملہ ناکام رہا۔ حملہ کے وقت ابن ملجم نے خوارج کا مشہور نعرہ لگایا "لا حُكْمَ اِلّا لِلّٰهِ"، (حکومت صرف اللہ کی ہے)۔

حضرت علیؓ نے اپنے قاتل کے متعلق اپنے دونوں فرزندوں کو ہدایت دی کہ یہ تمہارا قیدی ہے، اسلامی اصول کے مطابق، اس پر سختی نہ کرنا، جو خود کھانا وہ اسے کھلانا اور اس کو نرم بستر پر سلانا۔ اگر میں اس علت سے نکل گیا تو اس سے معاف کرنے اور قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا، لیکن اگر میں اس علت سے مر گیا تو اس سے قصاص لینا۔ حضرت علیؓ نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔

13.6 حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضائت اور علم

حضرت علیؓ فقہ اور اجتہاد دونوں میدانوں میں دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے کئی امتیازات میں سے ایک یہ بھی ہے: ذہن کی تیزی اور اُس کا سُرعت کے ساتھ حکم کے ماخذ کی طرف منتقل ہونا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ: "أقضانا علی"، (ہم میں سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا علی ہے)۔ ذیل میں آپ کے چند مشہور فیصلوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت کو لایا گیا جس کا چھ ماہ میں وضع حمل ہو گیا، آپ نے اس کے رجم کا ارادہ کیا تو اُن سے حضرت علیؓ نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وحمله و فصاله ثلاثون شهراً" (اس کے حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہیں)۔

حضرت علیؓ کا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اقل حمل چھ ماہ ممکن ہے چنانچہ رجم ثابت نہیں ہوتا۔

ایک اور موقع پر ایک عورت کو زنا کے جرم میں لایا گیا، حضرت عمرؓ نے رجم کا حکم دیا، حکم کی تعمیل کے لیے اس عورت کو لیجایا جارہا تھا کہ راستہ میں حضرت علیؓ نے سوال کیا کہ اس عورت کو کہاں لے جارہے ہو؟ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کا بتایا۔ حضرت علیؓ نے اُن کو واپس بھجوادیا اور حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ یہ عورت مجنونہ ہے، اور اللہ نے مجنون کو مرفوع القلم (غیر مکلف) قرار دیا ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کہا کرتے تھے کہ: اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

جب حضرت علیؓ یمن میں تھے ایک واقعہ پیش آیا، ایک گہرے گڑھے میں (جو اس لیے کھودا گیا تھا کہ شیر کا شکار کیا جائے) چار آدمیوں کی لاشوں کو پایا گیا۔ اوّل ایک شخص گرا جو گرتے وقت دوسرے سے لپٹ گیا اور وہ ایک دوسرے سے، اس طرح چاروں اندر گر گئے اور ان کی موت شیر کے حملے سے ہو گئی۔ مقتولوں کے وارثین میں جھگڑا ہوا قریب تھا کہ قتال شروع ہو جاتا۔ حضرت علیؓ نے ان کو اپنا فیصلہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ اگر وہ اس فیصلہ سے مطمئن نہیں ہے تو وہ نبیؐ کے پاس جا کر فیصلہ کر والیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اُن سب قبائل سے جنہوں نے گڑھا کھودا تھا جمع کر و 4/1 دیت اور 3/1 دیت اور 2/1 دیت اور ایک کامل دیت۔ سب سے پہلے گرنے والے کی دیت (4/1)، اس کے بعد گرنے والے کی دیت (3/1)، اس کے بعد والے کی دیت (2/1) اور چوتھے کی پوری دیت۔ اس فیصلہ کو وارثین نے نہیں قبول کیا۔ یہ لوگ نبیؐ کے پاس حاضر ہوئے اور واقعہ آپ کو سنایا اور حضرت علیؓ کا فیصلہ بھی پیش کیا۔ آپ ﷺ نے علیؓ کے فیصلہ کو باقی رکھا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ نبیؐ کے سامنے ایک مقدمہ کا ذکر کیا گیا جس میں علیؓ نے اپنا فیصلہ دیا تھا، اس کو سن کر آنحضرت ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا کہ: ''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم (اہل البیت) میں حکمت رکھی''۔

حضرت علیؓ قرآن اور سنت نبی ﷺ کے سب سے بڑے اور جلیل القدر عالم تھے۔ ابن عساکر سے منقول ہے کہ: ''حضرت علی کا ذکر آپ (حضرت عائشہؓ) پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ان کی حالت تو یہ ہے کہ اُن سے زیادہ کوئی شخص سنّت کا جاننے والا نہیں ہے''۔ حدیث میں تحریری کاموں میں صحیفۂ علیؓ قابل ذکر ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''ہم نے نبیؐ سے قرآن اور اس صحیفہ کے سوا کچھ نہ لکھا''۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے خطبہ میں فرمایا کہ: ''پوچھ لو مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں واللہ کوئی آیت نہیں مگر میں اُس کا حال بخوبی جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ میں''۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مصحف کا ذکر بھی ملتا ہے جس میں آپؓ نے قرآن مجید کو شأن نزول کی ترتیب سے آیات اور سورتوں کو جمع فرمایا تھا۔

فتوحات کے ذریعہ مشرق اور مغرب کے متعدد مملکت اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔ ان ممالک کے باشندوں میں عربی زبان نہیں بولی جاتی تھی۔ عربی زبان کو دنیا کے اس نئے خطہ میں رائج کرنے میں مسلمان علماء کا بڑا ہاتھ رہا۔ اس سلسلہ میں مؤرخین کا کہنا ہے کہ امیر المؤمنین علیؓ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے عربی زبان کے اصول و قواعد اور علم نحو کے ابتدائی مسائل درج کیے، آپ کے تحریرات میں سے یہ بھی تھا: ''الکلام کله اسم وفعل وحرف ---''۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے ابوالاسود الدؤلی کو نحو کے اصول املا کرائے اور ان کو ہدایت دی کہ وہ اسی طرز پر دیگر قواعد لکھیں، '' قال لی: 'اُنح هٰذا النحو''' ، (آپؓ نے کہا: اسی طرز پر چلو)، یہیں سے اس علم کا نام

نحو پڑا۔دوسری روایت میں آیا ہے ''قال لی: زدہ وتتبعہ''،(آپ نے کہا: 'اسی طرز پر مزید لکھو')،(عبقریت امام علی،عباس العقاد)۔

13.7 فرہنگ

زِرَہ	:	فولادی لباس جو دوران جنگ جسم کی حفاظت کے لیے عام لباس کے اوپر پہنا جاتا ہے
طیش	:	(عقل کا) ہلکا پن، نا سمجھی فطانت : ذہانت، دانائی، سمجھ
گھاٹی	:	عربی میں شِعْب، اس کا جمع شِعَاب۔ مثال: شعاب مکہ، شعاب ابی طالب یا بنی ہاشم، وغیرہ
مخاض	:	دردزہ (وہ تکلیف جو حاملہ کو ولادت سے کچھ دیر پہلے شروع ہوتی ہے)، ''فأجاءھا المخاض''(مریم:23)
السابقون الاوّلون	:	وہ حضرات جو ابتدائی دور میں اسلام لائے، جن میں علیؓ، ابو بکرؓ، زید بن حارثہؓ، خدیجہ الکبریٰؓ شامل ہیں

13.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- نبیؐ کے زیر نظر میں حضرت علیؓ کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا فیض جاری رہا، نیز آپ بہت کم سن میں کمال پر پہنچ گئے تھے۔
- ہجرت کی رات علیؓ نبیؐ کے بستر اطہر پر سو گئے تھے، اور مکہ والوں کی امانتیں، جو نبیؐ کے پاس تھیں، ان کے مالکوں کو پہنچایا تھا۔
- نبیؐ حضرت علیؓ کو اپنے خاندان کا فرد مانتے تھے۔ چنانچہ علیؓ کا انتخاب فرمایا حج میں قبائل عرب کو تبلیغ کرنے کے لیے۔
- عہد نبویؐ میں علیؓ کئی انتظامی ذمہ داریوں کے حامل تھے: کاتب وحی، کاتب وثائق نبیؐ، رکن شوریٰ، امیر صدقات، امیر سریہ۔
- حضرت علیؓ کو علم پر استحکام اور قدرت حاصل تھی اور تینوں خلفاء کے عہد میں حضرت علیؓ کا مجلس شوریٰ میں وجود نا گزیر تھا۔
- حضرت علیؓ کو کبار مہاجرین اور انصار نے اتفاق عام سے منتخب کیا تھا۔

13.9 نمونہ امتحانی سوالات

13.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. موقعہ جمل کس شہر میں واقع ہوا:	(a). کوفہ	(b). بصرہ	(c). طائف	(d). مکہ
2. صفین کس نہر کے کنارے ہے:	(a). دجلہ	(b). نیل	(c). فرات	(d). تمام غلط
3. حضرت علیؓ کا دار خلافت کیا تھا؟	(a). کوفہ	(b). مدینہ	(c). بصرہ	(d). حران
4. علیؓ کی شہادت کس شہر میں ہوئی؟	(a). بصرہ	(b). نجران	(c). کوفہ	(d). مدینہ
5. علیؓ کہاں کے امیر الصدقات تھے؟	(a). شام	(b). عراق	(c). بحرین	(d). نجران

13.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. جنگ جمل کے اسباب پر نوٹ لکھیے۔
2. حضرت علیؓ کی قضائت اور علم پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
3. حضرت علیؓ کی تولیت خلافت پر نوٹ لکھیے۔
4. جنگ صفین پر روشنی ڈالیے۔
5. جنگ نہروان کا جائزہ لیجیے۔

13.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت علیؓ کی حیات اور خدمات پر ایک مضمون لکھیے۔
2. حضرت علیؓ کی خلافت کے اہم واقعات کا تعارف کرائیے۔
3. حضرت علیؓ کی شہادت پر روشنی ڈالیے۔

13.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.	خلفائے راشدین	:	حاجی معین الدین ندوی
2.	تاریخ الخلفاء	:	حافظ جلال الدین سیوطی (ترجمہ: شبیر احمد انصاری)
3.	المرتضیٰ	:	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (اردو)
4.	ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (جلد 4)	:	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (archive.com)
5.	الفضائل	:	مولانا محمد انور الدین صدیقی
6.	تاریخ مدینہ دمشق	:	الحافظ ابی القاسم علی (ابن عساکر) (عربی)
7.	فضائل امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ	:	امام احمد بن حنبل کی کتاب کی منتخب روایات (مرتبہ: خسرو قاسم)

معروضی سوالات کے جوابات

1.B	2.C	3. A	4. C	5. D

اکائی 14: خلافت راشدہ کا نظم ونسق

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 خلافت راشدہ کا نظم ونسق

14.2.1 خلیفہ

14.2.2 شوریٰ

14.2.3 فوج کا محکمہ

14.2.4 سیکریٹریٹ

14.2.5 محکمہ مالیات

14.2.6 ڈاک کا محکمہ

14.2.7 بیت المال

14.2.8 محکمہ عدالت

14.2.9 پولیس اور جیل کے محکمے

14.2.10 متفرق شعبے

14.3 صوبائی نظام

14.4 مقامی نظام

14.5 فرہنگ

14.6 اکتسابی نتائج

14.7 نمونہ امتحانی سوالات

14.7.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات

14.7.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

14.7.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

14.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

اس سے پہلے کی اکائیوں میں ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ خلافت راشدہ کا ادارہ کیسے وجود میں آیا، اس کے ارتقائی مراحل کیا رہے، خلفاء راشدین کا انتخاب کن طریقوں سے عمل میں آیا، ان کی سیرت اور ان کے کارناموں کے بارے میں بھی ہم نے ضروری معلومات حاصل کی۔ اِس اکائی میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی ریاست کا نظم ونسق کی بنیادیں کیا تھیں اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ :

- آپ خلافت راشدہ کے نظم ونسق کے بارے میں جان سکیں
- نظام حکومت میں کون سے ادارے وجود میں آئے تھے ان کا جائزہ لے سکیں
- مختلف عہدے داروں کی کیا ذمہ داریاں ہوتی تھیں ان پر تبصرہ کر سکیں

14.2 خلافت راشدہ کا نظم ونسق

ہجرت مدینہ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کو اس کا موقع ملا کہ وہ مدینہ کو مرکز بنا کر ایک ایسے مثالی معاشرے اور ریاست کی تشکیل کریں جو انسان کے خالق ومالک کو مطلوب ہے اور جس کے لیے آپؐ کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ مدینہ میں اپنے دس سالہ قیام کے دوران آپؐ نے اسلامی تعلیمات پر مبنی معاشرہ اور ریاست قائم کرکے عملی نمونہ بھی پیش کر دیا۔ نبی ﷺ نے مدینہ میں مسلم معاشرے کے لیے جو سیاسی ڈھانچہ تیار کیا تھا اور جن خطوط پر نو تشکیل اسلامی ریاست کی تنظیم کی تھی، آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشینوں (خلفاء راشدین) نے انہیں خطوط پر معاشرے اور ریاست کو آگے بڑھایا۔ ریاست میں توسیع کے ساتھ حالات اور تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے خلفاء راشدین نے ریاستی انتظام وانصرام سے متعلق مختلف شعبہ جات اور محکمے قائم کیے، تاکہ ریاست کے نظم ونسق میں کسی طرح کا خلل واقع نہ ہونے پائے۔ یہ بھی واقعہ ہے

کہ خلافت راشدہ کے پورے زمانے میں مرکزی انتظامیہ اکابر صحابہ کرام پر مشتمل رہی۔

حالانکہ نبی ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا، البتہ آپ نے اپنے ساتھیوں کی تربیت اس انداز میں کی تھی اور ان کے سامنے اپنی زندگی میں ایسے عملی نمونے پیش فرمائے تھے کہ جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے خود ہی سمجھ لیا کہ اسلام کا مزاج شورائی ہے اور انہیں آپؐ کے بعد آپ کا جانشین اسی طریقے پر منتخب کرنا ہے۔ چنانچہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک کا انتخاب شورائی طریقے پر صحابہ کرام کے ذریعہ باہم رائے، مشورے سے عمل میں آیا۔ اور خلفائے راشدین میں سے ہر ایک نے خلافت اسلامی کے شورائی مزاج کو باقی اور برقرار رکھا۔ ذیل کی سطور میں خلافت راشدہ کے نظم و نسق کے حوالے سے ان اداروں کی تفصیل دی جارہی ہے جو ریاست کو چلانے کے لیے اس دوران وجود میں آئے اور جن کے سبب خلافت راشدہ نہ صرف یہ کہ اپنے دور میں ایک مثالی ریاست بن کر ابھری بلکہ آئندہ زمانوں کے لیے بھی مثالی ثابت ہوئی۔

خلافت راشدہ کا نظم و نسق قرآن و سنت کے اعتبار سے بنیادی طور پر نبی کریم ﷺ کے عہد کے عین مطابق تھا۔ خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں وقت اور حالات کے لحاظ سے اس میں مختلف شعبے، محکمے اور ادارے قائم کیے۔ اس میں حضرت عمر فاروق کا اہم کردار رہا، اگرچہ حضرت ابو بکر نے خلافت کی شروعات کی، لیکن ان کے عہد میں حکومت کا کوئی خاص باقاعدہ نظام نہیں تھا کیوں کہ انہیں بطور خلیفہ بہت کم وقت مل سکا اور ان کے دور میں اسلامی ریاست کا دائرہ بہت وسیع نہیں ہوا تھا۔ ان کے برعکس حضرت عمر کو کافی وقت ملا اور ریاست کی سرحدیں بھی کافی وسیع ہو چکی تھیں۔ حضرت عثمان اور حضرت علی نے عمر فاروق کے نظام کی پیروی کی، البتہ انہوں نے اس میں کچھ اضافے ضرور کیے تھے۔ خلافت راشدہ کا بنیادی ڈھانچہ نظم و نسق کے لحاظ سے درجہ بدرجہ تین سطحوں پر قائم نظر آتا ہے:

(1) مرکزی نظام (2) صوبائی نظام (3) مقامی نظام

اس میں خلیفہ کی مرکزی حیثیت، شوریٰ، فوج کا محکمہ، سکریٹریٹ، محکمہ مالیات، ڈاک کا محکمہ، بیت المال، پولیس اور جیل کے محکمے اور متفرق شعبے کو شامل تھے۔ ذیل میں ان کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

14.2.1 خلیفہ

خلیفہ کو اسلامی ریاست میں سب سے اہم پوزیشن حاصل تھی، وہ ریاست کا پہلا شہری (First Citizen) ہوتا تھا۔ اسلامی خلافت کے انتظامی ڈھانچے میں خلیفہ کو سب سے زیادہ اہمیت اس لیے بھی حاصل تھی کہ نبی ﷺ کا سیاسی جانشین ہونے کی حیثیت سے اسے دنیوی اور سیاسی امور میں مکمل اختیارات حاصل تھے۔

خلیفہ اسلامی ریاست اور حکومت دونوں کا سربراہ اعلیٰ ہوتا تھا۔ شوری اور اہل الرائے کے مشورے سے اسے صوبائی گورنروں، ججوں اور مقامی و صوبائی افسروں و دیگر اہل کاروں کو مقرر کرنے اور معزول کرنے کے مکمل اختیارات حاصل تھے۔ عدالتی اختیار کے حوالے سے خلیفہ کو ججوں کے تقرر کے ساتھ ان کے فیصلوں کے خلاف سماعت کا اختیار بھی حاصل تھا اور وہ کسی بھی جج کے فیصلے کو بدل سکتا تھا۔ اسی طرح وہ اسلامی فوج کا سپہ سالار اعلیٰ بھی ہوتا تھا، فوجی کارروائی کب کہاں اور کیسے ہونی ہے یا نہیں، یہ فیصلہ بھی خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اسے

انتظامی امور میں قانون سازی کے اختیارات بھی حاصل تھے، البتہ اس کے لیے اسے قرآن وسنت سے استفادہ کرنا، شوریٰ اور علما و فقہا کی رائے لینا اور اسلامی اصولوں کے دائرہ میں رہنا ضروری تھا۔ اسی طرح وہ عام لوگوں کے مصالح اور مفادات کے خلاف بھی کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔

14.2.2 شوریٰ

خلافت راشدہ کے تحت اسلامی ریاست میں خلیفہ کے بعد انتظامیہ کا سب سے اہم ادارہ شوریٰ تھا، کیونکہ قرآن وسنت میں جگہ جگہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ انہیں اپنے تمام کام باہم مشورے سے انجام دینے چاہیے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے اہم معاملات میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ لہٰذا خلیفہ اسلام کے لیے ضروری تھا کہ وہ ریاست اور سماج کے تمام معاملات کو مسلمانوں کے باہمی مشورے سے انجام دے۔ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک نے اس پر پوری طرح عمل کیا۔ یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ خلفائے راشدین کو مشورہ دینے کے لیے اصحاب رائے صحابہ کرام کی ایک کمیٹی ہوتی تھی، جن سے وہ اہم امور میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں سے زیادہ تر اکابر صحابہ خاص طور پر اولین اہل ایمان اور اصحاب بدر و احد وغیرہ شوریٰ کے رکن ہوتے تھے۔ البتہ یہ کلیہ نہیں تھا بلکہ صلاحیت کی بنیاد پر بعض دیگر صحابہ کو بھی اہل شوری میں شامل کیا گیا، مثال کے طور پر حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کی نو عمری کے باوجود محض ان کی ذہانت و فطانت کو دیکھتے ہوئے اپنی مجلس شوری کا رکن بنایا تھا حالانکہ اس فیصلے پر بعض صحابہ کرام کو تردد تھا۔

خلفاء راشدین میں سے کسی نے بھی عام لوگوں پر اپنی رائے تھوپنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان لوگوں نے عوام کو رائے کے اظہار کی پوری پوری آزادی دی۔ حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنے تو مسجد نبوی میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کیا کہ 'اگر میں کتاب وسنت کی پابندی نہ کروں تو لوگوں پر میری اطاعت لازم نہیں'۔ حضرت عمرؓ کا قول مشہور ہے: "لا خلافة الا عن المشورة" (مشورے کے بغیر خلافت کا کوئی تصور نہیں)، انہوں نے ہر سطح پر اظہار رائے اور مشورے کی حوصلہ افزائی کی۔ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا مسجد میں لوگوں کو جمع کرتے اور ان کے سامنے مسئلے کو پیش کرکے اس پر لوگوں کی رائے طلب کرتے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ کسی مسئلے پر بحث طول پکڑ لیتی اور کئی دنوں تک جاری رہتی۔ تیسرے خلیفہ کے دور میں حضرت عثمانؓ کو کچھ لوگوں کے ذریعہ مسلسل اور بے جا تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا، اس کے باوجود انہوں نے کبھی بھی اظہار رائے کی آزادی کا گلا نہیں گھونٹا، بلکہ ہمیشہ اپنے اوپر لگائے جانے والے الزامات کی عوام کے مجمعے میں صفائی دی۔

چونکہ پہلے تین خلفاء راشدین کا دار الحکومت مدینہ رہا تھا اس لیے فطری طور پر شوریٰ میں اہل مدینہ اور اطراف مدینہ کے قبیلوں کے شیوخ کی نمائندگی ہوتی تھی۔ اس کے بالمقابل حضرت علیؓ کے زمانے میں چونکہ دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل ہو گیا تھا، اس لیے ان کی شوریٰ میں کوفہ اور اطراف کے اصحاب رائے کا غلبہ تھا۔ شوریٰ میں کون لوگ شامل ہوں گے اس سلسلے میں خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ اصحاب رائے میں سے جن لوگوں کو چاہے اپنی شوریٰ میں رکھے۔ عام حالات میں خلیفہ شوریٰ کی رائے کا احترام کرتا ہے اور اپنے فیصلوں میں اسے ملحوظ خاطر رکھتا ہے لیکن ہر معاملے میں اس کے لیے ایسا کرنا ضروری نہیں، غیر معمولی حالات میں وہ شوریٰ کے بعض فیصلوں کو نظر انداز بھی کر سکتا ہے۔

14.2.3 فوج کا محکمہ

فوج کسی بھی ریاست کی اولین اور اہم ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے جب مدینہ کی ریاست قائم کی تو فوج کا محکمہ بھی قائم کیا۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں فوج کے محکمے کو مزید ترقی دی گئی اور کئی مقامات پر باضابطہ فوجی چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں، مثلا حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں کوفہ، بصرہ اور فسطاط میں فوجی چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں فوج کی بھرتی سے لے کر ان کی تنخواہ اور مال غنیمت کی تقسیم تک تمام نظم و نسق اس محکمہ کے تحت ہوتا تھا۔ موقعِ جنگ پر سپہ سالار کون ہو؟ فوج کی تنظیم کیسی ہو؟ کن لوگوں کو کمان دار یا سالار بنایا جائے؟ مال غنیمت کیسے تقسیم ہو؟ غرض فوج سے متعلق تمام امور و معاملات کی دیکھ بھال اور نگرانی اسی محکمہ کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ مرکزی سطح پر خلیفہ اور صوبوں میں والی (گورنر) اس محکمہ کے سربراہ ہوتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی الگ سے بھی فوج کے محکمہ کا سربراہ مقرر کیا جاتا تھا اور یہ امیر الجند کہلاتا تھا، مرکزی سطح پر فوج کے محکمے کو دیوان الجند کہا جاتا تھا۔

14.2.4 سیکریٹریٹ

اسلامی ریاست کی انتظامیہ کا یہ شعبہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قائم ہو چکا تھا گو الگ سے اسے کوئی نام نہیں دیا گیا تھا۔ آپؐ نے اپنے زمانے میں متعدد کاتبوں (سکریٹریوں) سے سرکاری فرمان، خطوط اور معاہدے وغیرہ لکھوائے مثال کے طور پر وہ خطوط جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکمرانوں کو اسلام کی دعوت کے لیے لکھوائے یا وہ معاہدے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبیلوں سے کیے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خطوط اور معاہدوں کو مشہور اسلامی اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب 'الوثائق السیاسیۃ' میں جمع کر دیا ہے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں یہ محکمہ زیادہ منظم اور مستحکم ہوا۔ خلفاء راشدین نے متعدد لوگوں کو اپنا خاص سکریٹری بنایا، مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں حضرت عثمانؓ اُن کے کاتب خاص (Special Secretary) تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کو یہ ذمہ داری دی گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں مروان بن حکم ان کے پرائیویٹ سکریٹری تھے۔ حضرت علیؓ حضرت سعید بن حمران اور عبداللہ بن جعفر سے سکریٹری کا کام لیا کرتے تھے۔ خلافت راشدہ میں یہ عہدہ بہت ہی اہمیت کا حامل تھا اور اس شعبے کی موجودگی کے سبب ہی اسلامی سرکاری فرامین، خطوط اور معاہدوں کے متن کو تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں محفوظ کیا جا سکا۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ خلافت راشدہ کے زمانے میں سکریٹری کا عہدہ بہت ہی اہم ہوتا تھا اور اسے موجودہ دور کے چیف سکریٹری جیسی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ عام طور پر سرکاری خطوط اور فرامین خلیفہ خود ہی لکھوادیا کرتا تھا اور ان پر سرکاری مہر بھی خود ہی لگاتا تھا۔ البتہ کئی بار یہ ذمہ داری مناسب ہدایات کے ساتھ خلیفہ سکریٹری کے سپرد کر دیتا تھا اور سرکاری مہر بھی اس کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ یہ سرکاری مہر دراصل آنحضور ﷺ کی انگوٹھی (خاتم نبوی) تھی جو چاندی کی بنی ہوئی تھی اور جسے آپؐ پہنے رہتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے بعد اس انگوٹھی کو خلفا خود پہنے رہتے تھے یا جیسا کہ بتایا گیا کبھی کبھی اسے سکریٹری کے حوالے بھی کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں یہ خاتم نبوی ان کے ہاتھ سے مدینہ کے ایک کوئیں بئر اریس میں گر گئی اور تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی۔ بعد کے خلفا نے اپنی

مہریں خود بنوائیں۔ سیکریٹریٹ کے لیے 'دیوان الرسائل' کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔

14.2.5 محکمہ مالیات

مالیات کو کسی بھی ریاست کے نظم ونسق میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ریاست مدینہ کے قیام کے ابتدائی دنوں میں مالیات جیسے کسی محکمے کی تشکیل ہ میں نظر نہیں آتی، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی فتح خیبر کے بعد مدنی ریاست میں مالیات کا محکمہ (Revenue Department) قائم ہو چکا تھا اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ خزرجی اس محکمہ کے پہلے انچارج افسر تھے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں مالیات کا محکمہ نہ صرف یہ کہ قائم رہا، بلکہ اس میں مسلسل توسیع و ترقی ہوتی رہی۔ جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور مملکت کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو گیا تو مالیات کے محکمے میں بھی بہت زیادہ وسعت آئی۔ خاص طور پر مسلم حکومت کے زیر انتظام علاقوں میں صوبوں کی تشکیل کے ساتھ محکمہ مالیات کا کام بہت پھیل گیا، ہر صوبے میں مالیات کے محکمے قائم ہوئے جو ان صوبوں میں خراج وزکوٰۃ وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی اور خرچ کا حساب کتاب رکھتے تھے۔ مرکزی محکمہ مالیات صوبائی محکموں کو ہدایات جاری کرتا، ان کی دیکھ ریکھ اور نگرانی کا کام کرتا تھا۔ اس محکمے کا کام تمام طرح کی محصولات مثلاً مسلمانوں سے زکوٰۃ وصدقات، عشر و نصف عشر وغیرہ اور غیر مسلموں اور ذمیوں سے خراج و جزیہ وغیرہ کو وصول کرنا اور ان کا حساب کتاب رکھنا تھا۔ اسی طرح مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کی تقسیم و ترسیل وغیرہ کی ذمہ داری بھی اسی محکمے کی ہوتی تھی۔ خلافت راشدہ کے دوران مالیات کے محکمے کو 'دیوان الخراج' (Taxation Department) کے نام سے جانا جاتا تھا، دیوان الخراج صوبوں اور مرکز دونوں سطح پر ہوتے تھے۔

14.2.6 ڈاک کا محکمہ

ڈاک کا محکمہ ابتدائی طور پر خلافت راشدہ کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے قائم کیا اور اسے اولیات عمر (یعنی وہ کام جن کا آغاز سب سے پہلے حضرت عمر نے کیا) میں شمار کیا جاتا ہے۔ شروع میں یہ محکمہ صرف سرکاری ڈاک کے لیے خاص تھا۔ اس محکمے کا کام یہ ہوتا تھا کہ سرکاری فرامین اور خطوط وغیرہ کو صوبائی گورنروں اور دیگر افسران و کارکنان تک پہنچایا جائے اور ان کے جوابات حاصل کیے جائیں۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ مرکزی خلافت کو مختلف امور و مسائل میں فیصلے کرنے اور انہیں متعلقہ حکام وافسران تک پہنچانے اور پھر ان پر عمل درآمد میں تاخیر نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح خلیفۂ وقت ڈاک کے محکمے کے ذریعے خلافت کے دور دراز علاقوں سے بھی بہ آسانی رابطے میں رہتا تھا۔ اس کام کے لیے مختلف مقامات تک جانے والی سڑکوں پر چوکیاں قائم تھیں جہاں ہر وقت تازہ دم گھوڑے اور محکمہ ڈاک کے کارکن موجود رہتے تھے اور کوئی بھی خط یا فرمان ملتے ہی اسے دوسری چوکی تک پہنچا دیتے تھے۔ اس طرح کم مدت میں خطوط اور فرامین متعلقہ حکام تک پہنچ جاتے تھے۔ اس محکمے کو 'دیوان البرید' (Postal Department) کہا جاتا تھا۔

14.2.7 بیت المال

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں بھی زکوٰۃ و صدقات اور خراج کی صورت میں جو بھی مال آتا تھا فوراً ضرورت مندوں اور مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس دوران مستقل خزانے کا کوئی انتظام نہیں تھا، حالانکہ ابن سعد کی ایک روایت سے

معلوم ہوتا ہے کہ خلافت صدیقی میں ایک مکان کو بیت المال کے طور پر خاص کیا گیا تھا، لیکن چونکہ مال آتے ہی اسے عام مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کی نبوی روایت حضرت ابو بکر صدیق نے بھی جاری رکھی تھی، اس لیے یہ مکان اس دوران خالی ہی پڑا رہتا تھا اور اس میں کسی طرح کے مال کی آمد نہیں ہوتی تھی۔ البتہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مال غنیمت، خراج اور زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ لٰہذا حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک خزانے یا بیت المال کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی چنانچہ انہوں نے اپنی شوریٰ کی منظوری سے ایک بہت بڑا بیت المال (خزانہ) قائم کیا۔

حضرت عمر نے ضرورت مندوں اور مستحقین میں مال کو تقسیم کرنے کے بعد اضافی مال کو محفوظ کرنے کے لیے دار الخلافہ مدینہ میں بیت المال کی باضابطہ عمارت تعمیر کرائی، اس کی نگرانی کے لیے افسر بیت المال کا تقرر ہوتا تھا۔ مرکزی بیت المال کی شاخیں صوبوں اور اضلاع میں بھی قائم کی گئیں اور ہر جگہ ان میں جداگانہ افسر مقرر کیے گئے۔ مرکزی اور صوبائی بیت المالوں میں حساب کتاب کے لیے باضابطہ رجسٹر ہوتے تھے جن میں آمد و خرچ کا اندراج ہوتا تھا۔ بیت المال کا محکمہ آمدنی اور خرچ کا حساب رکھنے کے علاوہ اس پر بھی نظر رکھتا تھا کہ خلیفہ وقت مال کو اصول و ضابطے کے مطابق خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح صوبائی اور اضلاع کے بیت المالوں میں مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس میں سے مقامی بیت المال کے مصارف کے بعد جو رقم بچ جاتی تھی اسے سال کے آخر میں مرکزی بیت المال کو منتقل کر دیا جاتا تھا۔

14.2.8 محکمہ عدالت

عدالت کا محکمہ کسی بھی ریاست میں اس کے شہریوں کے عدل و انصاف کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ قائم کی تو اس میں عدالتی نظام بھی قائم کیا جس میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی حیثیت انہیں خود حاصل تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی حضرت عمرؓ مدینہ کے قاضی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔ عدلیہ کا یہ نظام خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی جاری رہا اور خلیفہ ہی قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ہوا کرتا تھا۔ لیکن حدود مملکت بڑھ جانے کی وجہ سے وہ تمام مقدمات کی سماعت اور فیصلے خود نہیں کر سکتا تھا اس لیے مملکت کے مختلف شہروں میں باصلاحیت لوگوں کو قاضی مقرر کیا جاتا تھا۔

جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے زمانے میں بھی مدینہ کے قاضی کا عہدہ حضرت عمرؓ کے پاس رہا۔ اور جب خود حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ کے قاضی تھے اور حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں قاضی شریح بن الحارث کو کوفہ کا قاضی برقرار رکھا جو حضرت عمرؓ کے زمانے سے وہاں اس عہدے پر کام کر رہے تھے۔ دراصل عدالت کا محکمہ مرکز سے دور کے شہروں اور علاقوں کے لیے زیادہ اہم تھا کیوں کہ مرکز سے دور دراز کے علاقوں میں عدل و انصاف کو یقینی بنانا اور وقت پر فیصلے کرنا خلیفہ کے لیے ممکن نہیں تھا۔ خلافت راشدہ کے دوران ان کی اکثریت صحابہ کرام کی تھی اور یہ سبھی قرآن و سنت اور فقہ (اسلامی قانون) کے بڑے عالم ہوتے تھے۔

14.2.9 پولیس اور جیل کے محکمے

پولس اور جیل کے محکمے خلافت راشدہ میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں وجود میں آئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں پولس کا بنیادی کام امن وامان کو قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کرنا بھی تھا۔ احتساب کے دائرے میں وہ تمام امور آتے ہیں جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہو یا شریعت اسلامی کے احترام سے ہو، مثلاً پولس کا کام یہ یقینی بنانا تھا کہ دوکان دار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی بھی شخص عام راستے پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر ان کی سکت سے زیادہ سامان نہ لادا جائے، شراب کی خرید وفروخت نہ ہو۔ (بعد میں احتساب اور بازار کی نگرانی وغیرہ کے علاحدہ محکمے قائم کیے گئے) پولیس کے محکمے کا نام احداث تھا اور اس کا افسر اعلیٰ صاحب الاحداث کہلاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کا صاحب الاحداث مقرر کیا تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں پولس کے محکمے کو مزید ترقی اور تقویت دی گئی اور اس کا نیا نام ''شرطہ'' رکھا گیا جو اب تک عرب دنیا میں رائج ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت سے پہلے مسلم دنیا میں جیل خانے نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مجرموں کی اصلاح کے مقصد سے اسلامی دنیا میں پہلی جیل قائم ہوئی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں حضرت صفوان بن امیہؓ کے مکان کو خرید کر پہلا جیل خانہ بنایا۔ بعد میں دیگر مقامات خاص طور پر صوبائی دارالحکومتوں میں بھی جیل خانے تعمیر کیے گئے۔

اس کے علاوہ بعض دیگر محکمے بھی وجود میں آئے مثلاً احتساب کا محکمہ جس کی ذمہ داری عمال کی کارکردگی کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کے اخلاق اور دینی حالات پر نظر رکھنی ہوتی تھی۔ مملکت میں ذمیوں کے حالات پر نظر رکھنے اور ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک الگ محکمہ قائم تھا اور اس کا ایک الگ افسر مقرر ہوتا تھا۔ اسی طرح آب پاشی کا محکمہ بھی قائم تھا اور بازار پر نظر رکھنے اور قیمتوں وغیرہ کی نگرانی کے لیے ایک الگ محکمہ قائم تھا۔ مرکز کی طرز پر یہ سبھی محکمے صوبوں میں بھی قائم کیے جاتے تھے اور ان کی نگرانی کے لیے افسروں کا تقرر گورنر کرتا تھا۔

14.2.10 متفرق شعبے

خلفائے راشدین نے حکومتی انتظام وانصرام کو مزید بہتر بنانے اور عوام الناس کی فلاح وبہبود کے لیے مختلف شعبے قائم کیے تھے، جیسے محکمہ آب پاشی اور محکمہ زراعت وغیرہ۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کو حکم دیا کہ دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملایا جائے تو انہوں نے اس کے لیے کئی نہریں کھدوائیں، ان میں نہر امیر المؤمنین، نہر معقل، نہر سعد بن عمرو بن حرام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے زراعت کے فروغ کے لیے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو تین برس کے اندر آباد کرے گا تو وہ اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ ذمیوں کے حقوق ومسائل کو حل کرنے لیے بھی ایک افسر متعین کیا جاتا تھا، نیز لوگوں کی دینی واخلاقی حالت میں بہتری لانے کے لیے اور ان کو درست رکھنے کے لیے بھی افسر ہوا کرتا تھا جسے ''محتسب'' کہا جاتا تھا۔ اسی طرح بازاروں میں قیمتوں میں فریب، ملاوٹوں، دھوکہ دہی اور حرام چیزوں کی خرید وفروخت وغیرہ پر نظر رکھنے کے لیے محتسب اور دیگر افسروں کو متعین کیا جاتا تھا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سائب بن یزید اور عبداللہ بن عتبہ کو مدینہ منورہ کے بازار اور سلیمان بن ابی حثمہ کو کئی بازاروں کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ اسی طرح فوج کی رسد کے انتظام کے لیے باقاعدہ ایک محکمہ ''دیوان الجند'' کے نام سے قائم کیا گیا تھا جس کا کام اسلامی فوج کی ضرورتوں کو دیکھنا۔

14.3 صوبائی نظام

آپ پڑھ چکے ہیں کہ عہد نبوی میں تقریباً 4صوبے تھے اور ان پر الگ الگ والی یا عمال مقرر کیے گئے تھے۔ خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانے میں جب اسلامی ریاست میں اضافہ ہوا تو انہوں نے باقاعدہ طور پر انتظامی سہولت اور آسانی کے لیے جزیرہ عرب کو کل بارہ (12)صوبوں میں تقسیم کر دیا اور ہر ایک کے الگ والی یا امیر مقرر کیے حضرت عمر کے دور خلافت میں جب اسلامی ریاست کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تو انہوں نے ملک اور ملکی انتظامات کو کئی بڑے شعبوں میں تقسیم کر دیا تاکہ حکم رانی، نظم ونسق اور ملکی املاک کی نگرانی میں آسانی ہو۔اس موقع پر صوبوں کے نظام کو از سر نو ترتیب دیا گیا۔اس عہد کے اہم صوبوں میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف، یمن، بحرین، مصر، شام اور اس کی ریاستیں، عراق اور فارس کی ریاستیں، بصرہ، کوفہ، فسطاط، مدائن اور آذر بائیجان وغیرہ تھے۔ان عظیم ترین علاقوں میں بھی متعدد صوبے ہوا کرتے تھے جیسے عراق میں کوفہ، بصرہ اور موصل وغیرہ جزیرۃ العرب کے ہی صوبے تھے۔ شام کے بھی متعدد صوبے تھے، ان میں دمشق، حمص اور انطاکیہ وغیرہ، شام کے گورنر جنرل کے ماتحت تھے۔اسی طرح فلسطین اور اردن وغیرہ کے گورنر بھی شام کے ماتحت تھے۔ حضرت عثمان نے اپنے دور میں جب بعض نئے علاقے فتح کیے تو نئے صوبوں کا اضافہ بھی کیا جیسے آرمینیہ، طرابلس، قبرص اور طبرستان وغیرہ، نیز انہوں نے مختلف مصلحتوں کے پیش نظر کچھ صوبوں کو ملا کر ایک کر دیا تھا جیسے بحرین کو بصرہ سے جوڑ دیا اور شام کے تمام صوبوں کو ختم کر کے اسے ایک صوبہ بنا دیا۔ باقی تمام صوبوں کی تقسیم تقریباً وہی تھی جو عہد فاروقی میں کی گئی تھی۔ حضرت علی نے سابقہ صوبوں کو باقی رکھا، البتہ انہوں نے تقریباً سارے عمال بدل دیے تھے۔ صوبوں کے والی یا امیر کو مرکزی خلیفہ جیسے اختیارات اور حقوق حاصل تھے یعنی وہ صوبہ کا سپہ سالار اعلیٰ، قاضی، مفتی، مالیات اور عوام کا محتسب اور افسر اعلیٰ ہوا کرتا تھا، البتہ وہ خلیفہ وقت کو جواب دہ ہوتا تھا۔اسی طرح ہر صوبے میں والی (حاکم صوبہ)، سپہ سالار، کاتب (میر منشی)، کاتب دیوان (فوجی محکمہ کا میر منشی)، صاحب الخراج (کلکٹر)، صاحب احداث (پولیس آفیسر)، جیل کا آفیسر، قاضی، مفتی، صاحب بیت المال (خزانچی) اور بیت المال ہوتے تھے۔

14.4 مقامی نظام

خلافت راشدہ میں ریاستی نظام و قوانین کو مضبوط اور مستحکم کرنے میں مقامی نقباء (اعلیٰ ذمہ داران) اور عرفاء (منتظمین) کا اہم تعاون رہا تھا۔اس کی شروعات عہد نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اس وقت ہوئی تھی جب نبی کریم ﷺ نے اہل مدینہ کی تعلیم و تربیت کے لیے بارہ نقیبوں کو مقرر کیا تھا۔ عہد فاروقی کی اسلامی فوج میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے تمام شہروں میں عوام کی درجہ بندی کا نظام قائم کیا اور مردم شماری کرائی۔اسی وقت سے اسلامی صوبوں اور شہروں میں لوگوں کے درمیان عرفاء مقرر کیے گئے تھے۔ یہی لوگ عاملوں کے پاس اس دور کی درجہ بندی کے مطابق اپنے قبائل اور ماتحت جماعتوں کے ذمہ دار اور ان کے بارے میں جواب دہ ہوتے تھے۔آخری تینوں خلیفہ کے عہد میں یہ نظام باقی رہا۔ حضرت علی نقباء کو جمع کرتے اور انہیں ان کے حصوں کے مطابق اموال دیتے، جسے وہ لوگ اپنے قبیلوں اور ماتحت جماعتوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔اسی طرح صوبوں کے عمال بھی مختلف معاملات میں ان نقباء سے تعاون و مدد لیا

کرتے تھے، چنانچہ یہی لوگ عوام میں عطایا کی تقسیم، ریاست کے داخلی انتظامات کی دیکھ ریکھ، عدالت کو مطلوبہ افراد کی تلاش، ہنگامی حالات میں فوج کی تشکیل اور اس کی تیاری، مختلف احکام میں لوگوں کے افکار و نظریات کو معلوم کرنے میں عاملین کے معاونین ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح دیوان عطاء میں کس کا نام باقی رکھنا ہے اور کسے ہٹانا ہے؟ ان تمام فیصلوں میں نقباء اور عرفاء کا اہم کردار ہوا کرتا تھا۔ یہ لوگ ہمہ وقت ان کاموں پر متعین نہیں تھے بلکہ انہیں ضرورت پڑنے پر بلایا جاتا تھا۔ بالعموم نقباء اور عرفاء کی تعین میں بعض قبائلی نظام کی رعایت بھی کی جاتی تھی کیوں کہ ان کا شمار ریاستی نظم ونسق چلانے والے عاملین کے اہم منتظمین میں ہوتا تھا۔ یہی لوگ اپنی قوم کے نمائندے بھی ہوا کرتے تھے جو عاملین وقت تک ان کی آراء، مشورے اور اجتماعی مظالم کی شکایتیں وغیرہ پہنچاتے تھے۔

14.5 فرہنگ

محتسب:Acountant　　　　نظم ونسق:Administrator

عاملین: کارندے　　　　نقیب/نقباء: نمائندہ سردار

آب پاشی کا محکمہ:Irrigation Department

14.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- خلافت راشدہ کا معاشرہ بنیادی طور پر نبوی معاشرے کی توسیع تھا اور لہٰذا اس میں عہد نبوی کے معاشرے کی خصوصیات باقی رہیں۔
- خلافت راشدہ میں خلفاء راشدین نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق انتظام حکومت وریاست میں مختلف طرح کی اصلاحات کیں۔
- خلافت راشدہ کا نظم ونسق قرآن وسنت کے اعتبار سے بنیادی طور پر نبی کریم ﷺ کے عہد کے عین مطابق تھا۔ خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں وقت اور حالات کے لحاظ سے اس میں مختلف شعبے، محکمے اور ادارے قائم کیے۔
- خلافت راشدہ میں انتظامیہ اور اس کے نظم ونسق کو زیادہ بہتر اور موثر بنانے کے لیے مختلف شعبے اور محکمے بنائے گئے۔
- حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت سے پہلے مسلم دنیا میں جیل خانے نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مجرموں کی اصلاح کے مقصد سے اسلامی دنیا میں پہلی جیل قائم ہوئی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں حضرت صفوان بن امیہؓ کے مکان کو خرید کر پہلا جیل خانہ بنایا۔

14.7 نمونہ امتحانی سوالات

14.7.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات

1. خلافت راشدہ میں فوج کا محکمہ کیا کہلاتا تھا؟

(a). دیوان الاحداث (b). شرطہ (c). دیوان الجند (d). دیوان الحکم

2. حضرت عثمانؓ کے ذاتی سکریٹری کون تھے؟

(a). علی ابن ابی طالب (b). ابو عبیدہ (c). عبداللہ بن عمر (d). مروان بن حکم

3. اضافی مال کو محفوظ کرنے کے لیے بیت المال کی باضابطہ عمارت کس نے تعمیر کرائی تھی؟

(a). حضرت. ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

4. حضرت عثمانؓ کے دور میں مدینہ کے قاضی کون تھے؟

(a). اسامہ بن زیدؓ (b). عبدالرحمان بن عوفؓ (c). زید بن ثابتؓ (d). قاضی شریح

5. پہلے تین خلفاء راشدین کا دارالحکومت کہاں تھا؟

(a). مدینہ (b). دمشق (c). کوفہ (d). مکہ

6. خلافت راشدہ کے دوران پولس کے محکمہ کا سربراہ کیا کہلاتا تھا؟

(a). صاحب الاحداث (b). صاحب الجند (c). صاحب الرائے (d). صاحب البرید

7. ''لا خلافۃ الا عن المشورۃ'' کس کا قول ہے؟

(a). حضرت ابو بکر کا (b). حضرت عمر کا (c). حضرت عثمان کا (d). حضرت علی کا

8. حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں کس کو کوفہ کا قاضی برقرار رکھا؟

(a). عبداللہ بن عامر (b). قاضی شریح بن الحارث (c). امیر معاویہ (d). سب غلط

9. حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مدینہ کے قاضی کا عہدہ کس کے پاس تھا کے پاس؟

(a). حضرت عمرؓ (b). حضرت علیؓ (c). زید بن ثابتؓ (d). سب غلط

10. حضرت علیؓ کے زمانے میں دارالخلافہ مدینہ سے کہاں منتقل ہوا؟

(a). کوفہ (b). بصرہ (c). مکہ (d). مصر

14.7.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

1. خلافت راشدہ کے محکمہ عدالت سے بحث کیجیے۔

2. خلافت راشدہ میں شوریٰ پر نوٹ لکھیں۔
3. خلافت راشدہ کے دور میں حکومت کی آمدنی کے کیا ذرائع تھے؟ تحریر کیجیے۔
4. فوج کے محکمے کا جائزہ لیجیے۔
5. محکمہ مالیات پر اپنی معلومات قلمبند کیجیے۔

14.7.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

1. خلافت راشدہ کے نظم ونسق سے بحث کیجیے۔
2. خلافت راشدہ میں پولیس اور جیل کے محکمے پر مضمون لکھیے۔
3. خلافت راشدہ میں ڈاک اور بیت المال کا جائزہ لیجیے۔

14.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. خلفاء راشدین : حاجی معین الدین ندوی
2. تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم) : پروفیسر یسین مظہر صدیقی
3. الفاروق : علامہ شبلی نعمانی
4. مختصر تاریخ اسلام : غلام رسول مہر
5. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول) : ثروت صولت

معروضی سوالات کے جوابات

1.C	2.D	3. B	4. C	5. A
6. A	7.B	8. B	9. A	10. A

اکائی 15:   خلافت راشدہ کے دور میں تعلیم کی اشاعت

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 عہد خلفاء راشدین میں تعلیم کی اشاعت

15.3 خلفاء راشدین کی علمی لیاقت و علمی سرپرستی

15.3.1 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

15.3.2 حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

15.3.3 حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

15.4 حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

15.5 حصول علم کے لیے اسفار

15.6 فرہنگ

15.7 اکتسابی نتائج

15.8 نمونہ امتحانی سوالات

15.8.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات

15.8.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

15.8.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

15.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید

اسلام نے آغاز ہی سے علم کے حصول پر زور دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی شروع ہی سے علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا۔ آپ ﷺ کی اس خصوصی توجہ سے صحابہ کرام اور صحابیات میں علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ آگے چل کر دائرہ اسلام میں شامل ہونے والوں نے علوم کے میدان میں غیر معمولی کارنامے سر انجام دیے۔ نبی ﷺ نے ہر قدم پر مشاہدہ، تجربہ کی مثال دنیا کے سامنے پیش کی اور وحی کے تناظر میں اصول کے ذریعہ ہر علم کو جانچنے کا طریقہ سکھلایا؛ جسے عرف عام میں فقہ کہا جاتا ہے، اسی کی اساس پر آگے مختلف سائنسی علوم کی بنیاد پڑی۔ عہد رسالت کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء راشدین نے اسے مزید فروغ دیا۔ اس اکائی میں ہم عہد خلفاء راشدین کے دور میں تعلیم کی اہمیت، خلفاء کی تعلیمی لیاقت اور سرپرستی، ان کے قائم کردہ اداروں کے بارے میں پڑھیں گے۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ:

- خلافت راشدہ کے عہد میں علوم کے ارتقاء کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
- چاروں خلفاء کی علمی لیاقت اور علمی سرپرستی پر تبصرہ کر سکیں
- علوم شریعہ کے ارتقاء کے علاوہ دیگر علوم کے آغاز کا جائزہ لے سکیں۔
- تدوین قرآن میں خلفائے راشدین کی خدمات پر گفتگو کر سکیں۔

15.2 عہد خلفاء راشدین میں تعلیم کی اشاعت

آپ سیرت کے پس منظر میں پڑھ چکے ہیں کہ قرآن مجید کی پہلی وحی "اقْرَأْ" (پڑھ) سے تعلیم کا آغاز ہوا، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ علم کو اسلام میں بہت اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات میں علم اور صاحب علم کی تعریف کی گئی ہے۔ اسی طرح علماء و حکماء کے لیے خاص القاب بھی مستعمل ہیں جیسے کہ اولوالالباب، عباد الرحمن وغیرہ۔ حضرت محمد ﷺ نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور تعلیم کو فرض قرار دیا۔ عہد خلفاء راشدین میں اس تعلیم کا تسلسل جاری رہا اور اس دور میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیاں ایک نئی بلندی پر پہنچ گئیں۔

خلافت راشدہ کا نظام تعلیم نبی ﷺ کے نظام تعلیم پر مبنی تھا، جس کا منبع قرآن وحدیث تھا۔ ہم پڑھ چکے ہیں کہ نبی ﷺ کے عہد میں ہی تفسیر، شرح حدیث اور فقہ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ انسانی زندگی اور سماج سے وابستہ مسائل کو حل کرنے کے لیے اصول و ضوابط اور حالات و روایات کی کتنی اہمیت ہے۔ فقہ کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ یہ علم قرآن وحدیث کی روشنی میں انسانی زندگی کے تمام مسائل کے حل پیش کرتا ہے۔

نبی ﷺ کے عہد میں علم کے فروغ کے لیے مساجد میں تعلیمی حلقے اور مجالس کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ تعلیم یک طرفہ نہیں بلکہ دو طرفہ ہوتی تھی اور صحابہ کرام اور دیگر شاگردوں کو سوال کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی اور مختلف مثالوں کے ذریعہ بات کو آسان طریقہ سے سمجھانا نبی ﷺ کی خاص صفت تھی۔ جس کو صحابہ کرام نے بھی اختیار کیا۔

نبی ﷺ کے دور میں تعلیم کا سب کو حق حاصل ہوتا اس میں رنگ، نسب یا دولت کی بنیاد پر کسی کو ترجیح حاصل نہیں تھی۔ تعلیم کے لیے خاص طور پر قران وحدیث کا طلبہ سے معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔ لیکن استاد کے لیے عموما بیت المال سے معاوضہ، مقرر ہوتا اور ان کے لیے معیشت کے دوسرے ذریعہ بھی ہوتے تھے۔ جب آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ کی طرف معلم بنا کر بھیجا تھا اس وقت ان کے لیے آپ ﷺ نے روزینہ بھی مقرر کروایا تھا۔ اسی طرح دور دراز کے علاقے جب دائرہ اسلام میں داخل ہوتے تو نبی ﷺ کی سنت تھی کہ ان سے عہد لیا جاتا کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی قرآن وسنت کی تعلیم دیں۔ ایک اور حدیث میں یہ بھی روایت ملتی ہے کہ کوئی قبیلہ نبی ﷺ کے پاس آتا اور وہ کسی عمل پر کاربند ہوتے تو نبی ﷺ اس کے بارے میں دریافت کرتے پھر ان میں اگر ضرورت ہوتی اصلاح کرتے اور ان کو نئی باتیں سکھاتے جس میں فرائض کے علاوہ اخلاقیات، اصول اور درپیش مسائل کے حل کی تدابیر بھی شامل ہوتیں۔ دور خلافت راشدہ میں تحصیل علم کے لیے سفر کرنے کا رواج بہت عام ہوا۔ متفرق صحابہ کرام اور تابعین دور دور مقامات سے تحصیل علم بالخصوص حدیث کی تلاش میں سفر کرتے تھے، اس کے متعلق آگے تفصیل آرہی ہے۔

جیسا کہ ہم نے پڑھا کہ خلفائے راشدین کے تیس سالہ دور خلافت میں پورے جزیرۃ العرب کے علاوہ ایران اور مصر فتح ہو چکا تھا اور اسلامی ریاست کی سرحدیں چین اور سندھ سے تک وسیع ہو گئیں تھیں۔ اسی اعتبار سے نئی اقوام کا داخلہ اسلام میں ہوا جن میں کچھ ایسی اقوام بھی تھیں جو اسلامی ریاست کا حصہ تھیں لیکن اپنے مذہب پر قائم تھیں۔ ان دونوں پس منظروں کا اگر ہم تصور کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ اس دور میں کس پیمانے پر سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ معاشی اور سماجی مسائل حل کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو گی۔ اسلام میں داخل ہونے والی اقوام کو اسلامی معاشرت سکھانے کے لیے علمی سرگرمیاں بھی وسیع پیمانے پر فروغ پا رہی ہوں گی، اسی طرح اسلام میں داخل نہ ہونے والوں کے ساتھ معاملات طئے کرنے کے ضمن میں مسائل کا استنباط کرنے کے لیے مختلف علوم کی ضرورت پڑی ہو گی اور اس طرح مصادر دین (قرآن و سنت) سے اصول واحکام کا استنباط اور استخراج کا سلسلہ شروع کیا گیا ہو گا۔ جن چیزوں میں صریح نص موجود نہیں ہے ان کے متعلق اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اجتہاد اور قیاس کی بنیاد پڑی ہو گی۔

اسلامی تہذیب میں انسانی مساوات نے ہر ایک کو موقعہ فراہم کیا۔ اس میں ہر نسل ورنگ، خاندان قبیلے، مذہب سبھی لوگ مستفید ہوئے۔ نبی ﷺ کے بعد ان کے متبعین نے اس روش کو برقرار رکھا اور اس کو فروغ دیا اور چنانچہ عہد نبوی میں مختلف علاقوں اور قبیلوں کے علم کے شائقین کی جماعت مکہ میں دار ارقم اور مدینہ میں مسجد صفہ میں ہمیشہ موجود رہتی تھی۔ نبی ﷺ کے بعد جب ہم خلفائے راشدین کا دور دیکھتے ہیں تو یہ معاملات اور نکھر کر سامنے آتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ فروغ علم کے لیے نئے مراکز قائم کیے گئے۔ اس دور میں نئے شہر بسائے گئے تو سب سے پہلے معلمین کا انتظام کیا گیا۔ چنانچہ کوفہ، بصرہ، فسطاط، اپنے وقت کے معروف علمی مراکز تھے۔ اسی طرح مفتوحہ

علاقوں کے شہروں میں یمن، دمشق، عراق اہم علمی مراکز تھے۔

ﷺ نے لکھنے اور پڑھنے کی طرف لوگوں کو جو رغبت دلائی تھی اس بنیاد پر عہد خلافت میں علم کی تدوین کے لیے لکھنے کا رواج عام ہو چکا تھا۔ سرکاری طور پر اس کی سرپرستی کی جاتی تھی۔ چنانچہ تدوین واشاعت قرآن عہد صدیقی اور عہد عثمانی کا ایک شاندار کارنامہ تھا۔ جس کے بارے میں ہم آگے تفصیل سے پڑھیں گے۔ اس کے علاوہ عہد نبوی اور عہد خلافت میں کتابت حدیث کی مثالیں بھی تاریخ میں درج ہیں۔

عام لوگوں میں حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کی مناسب تعلیم اور اخلاقی تربیت کا انتظام کیا جائے، خلافت راشدہ کے دوران چاروں خلفاء نے اس جانب خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے عوام کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا بڑے پیمانے پر انتظام کیا۔ حکومت کے ذمہ داروں کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ عام لوگوں اور خاص طور پر اسلامی سماج کے نئے شہریوں کی تعلیم پر توجہ دیں۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے متعدد شہروں میں لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے معلم مقرر کیے تھے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کو مختلف صوبوں میں بھیجا گیا تھا۔ مثلاً کوفہ میں عبداللہ بن مسعود کو اور شام کے مختلف شہروں میں معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب وغیرہم کو معلم مقرر کیا گیا۔ یہ معلمین لکھنا پڑھنا سکھانے کے علاوہ ناظرہ و حفظ قرآن مجید، ان کا مفہوم و مطلب، احادیث، عربی زبان و ادب، احکام و مسائل اور سیرت و اخلاق کی تعلیم دیتے تھے۔ شروع میں تعلیم کا انتظام مساجد میں ہوتا تھا یا معلمین اپنے گھروں میں طلبہ کو پڑھاتے تھے، بعد میں اس کام کے لیے مکاتب بھی قائم کیے گئے۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مساجد کی تعداد بارہ ہزار (12,000) تک پہنچ چکی تھی۔ تعلیم مردوں، عورتوں اور بچوں سب کے لیے عام تھی۔ معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں، البتہ اکثر صحابہ کرام ذاتی طور تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں فقہ کے بڑے بڑے مراکز قائم ہو چکے تھے، مؤرخین نے لکھا ہے کہ دور خلافت راشدہ میں مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن سات فقہی مراکز تھے، تمام مراکز پر صحابہ کرام فتوی اور استنباطِ مسائل کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے تھے، ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اس منصب کو سنبھالا۔

15.3 خلفاء راشدین کی علمی لیاقت و علمی سرپرستی

15.3.1 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکرؓ کی علمی استعداد بہت بلند تھی۔ آپ لکھنا اور پڑھنا دونوں جانتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی مصاحبت میں رہنے کی بناء پر قرآن وسنت سے بہت زیادہ واقف تھے۔ آپ نبی ﷺ کے حکم پر کتابت بھی کیا کرتے تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق وحی کی کتابت کے علاوہ ہجرت کے بعد بادشاہوں کی طرف جو خطوط تحریر کیے گئے ان میں شاہ مقوقس کو بھیجا گیا خط حضرت ابو بکرؓ نے تحریر کیا تھا۔ آپؓ کو شعر و سخن سے بھی وابستگی رہی۔ آپؓ بڑے فصیح و بلیغ مقرر اور خطیب تھے اور فی البدیہ تقریر کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔ جب بات کرتے تو دلائل و براہین نہایت مضبوط اور الفاظ نہایت موثر ہوتے تھے۔ آپ کے خطبوں میں وہ خطبہ جو آپ نے 'ثقیفه بنو سعد' میں دیا تھا عربی ادب کا نادر

نمونہ شمار ہوتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی مدت خلافت سوا دو سال ہے۔ اور جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ اور اسلامی ریاست کی سرحدیں اندرون اور بیرون دونوں طرح کے خطرات سے گھر گئیں تھیں، اس لیے حضرت ابو بکرؓ کا تقریباً پورا عہد ان کو فرو کرنے اور سیاسی استحکام کی کوششوں میں صرف ہوا۔ تاہم اس کے باوجود خلیفہ اول نے علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ خاص طور پر مفتوحہ علاقوں یمن، شام اور عراق میں علما کو نو مسلم اقوام کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مدینہ میں مختلف علمی مجالس قائم کیں، جہاں صحابہ کرام کو قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر دینی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ خود بھی ان مجالس میں شریک ہوتے اور علماء کی رہنمائی کرتے اور مسائل کے حل کے لیے مشاورت کرتے تھے (الطبری، تاریخ، 1:104)۔

تدوین قرآن اول

نبی ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اسلامی ریاست میں اندرونی بغاوتوں کے نتیجہ میں مختلف معرکے پیش آئے۔ جن میں مرتدین، مانعین زکوۃ اور کذاب کے فتنے شامل تھے۔ انہیں میں سے ایک اہم معرکہ 'یمامہ' ہے جو جھوٹے نبی 'مسیلمہ کذاب' کے خلاف پیش آیا۔ جنگ یمامہ کے دوران تقریباً 70 جید قراء کرام اور حفاظ قرآن کی شہادت ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے درخواست کی کہ قرآن کو یکجا (compile) کیا جائے تاکہ اس کی حفاظت کی جاسکے۔ حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کرام سے مشاورت کے بعد اس تجویز کو قبول کیا اور حضرت زید بن ثابتؓ کی سرپرستی میں باقاعدہ ایک کمیٹی تشکیل دی جس کو ذمہ داری دی کہ وہ باقاعدہ پرکھنے اور جانچنے کے بعد قرآن کی تدوین کریں۔ چنانچہ آپؓ کی قیادت میں قرآن مجید کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا گیا، جس کی بدولت قرآن کی حفاظت کی گئی اور یہ کتاب آج تک اسی صورت میں محفوظ ہے۔ حفاظت قرآن کا یہ کارنامہ علمی سطح پر تاریخی حیثیت کا حامل ہے اور علم کی اشاعت کا اہم سنگ میل بھی تھا۔

15.3.2 حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ کا شمار ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جنہیں قرآن، فقہ، حدیث اور اجتہاد میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ اگرچہ بعثتِ نبوی سے قبل مکہ میں تعلیم کا رجحان عام نہ تھا، تاہم حضرت عمرؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور قریش کے فصیح و بلیغ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ عربی کے علاوہ عبرانی زبان سے بھی واقف تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کتابت وحی کے علاوہ دیگر کتابت کے فرائض انجام دیے۔

حضرت عمرؓ کو قرآن مجید سے گہرا شغف تھا۔ ان کے کئی اجتہادات قرآن کے نزول کا سبب بنے۔ مثال کے طور پر پردے کا حکم (سورہ احزاب: 59) ان کے مشورے پر نازل ہوا۔ شراب کی حرمت کے سلسلے میں ان کی دعا: "اللهم بيّن لنا في الخمر بيانا شافيا" کے بعد مکمل حرمت نازل ہوئی۔ ان کے اجتہادی فیصلے قرآن و سنت کے عین مطابق ہوتے اور حضور ﷺ نے بھی ان کی فہم کو سراہا۔

حضرت عمرؓ حدیث کے معاملے میں نہایت محتاط تھے۔ وہ کثرتِ روایت کے قائل نہ تھے تاکہ سنت کی حفاظت ممکن ہو۔ وہ صحابہؓ کو حدیث بیان کرنے سے پہلے تحقیق کی ہدایت دیتے تاکہ کوئی غلط بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو۔

حضرت عمرؓ کے دور میں حدیث کے تفحص اور اشاعت کا کام وسیع پیمانے پر ہوا۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے۔ جو کہ احکام و مسائل اور ہدایت پر مشتمل ہوتی تھیں۔ اسی طرح جو صحابہ فن حدیث میں ماہر ہوتے اور حفاظ حدیث ہوتے انہیں مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے مقرر کرتے"۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں تحریر کرتے ہیں کہ "فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ، معقل بن یسار اور عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ، عبادہ بن صامت اور ابو درداء کو شام کے علاقوں میں حدیث کی تعلیم واشاعت کے مقرر کیا۔ حدیث کی حفاظت اور اس کی ترویج میں حضرت عمر کا سب سے بڑا کارنامہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کی ایجاد قرار دیا جاتا ہے"۔(الفاروق: شبلی نعمانی)

سند اور روایت حدیث کے متعلق حضرت عمرؓ نے مندرجہ ذیل مقدم اصول قائم کیے تھے:

• روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے	• محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں	• روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیت کا لحاظ بھی شرط ہے
• خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی	• خبر واحد میں تائید شہادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔	

علم حدیث کے علاوہ حضرت عمرؓ کی فن فقہ میں قابلیت اور افضلیت مسلم تھی۔ ان کے دور میں فقہ کے کئی اصولی مباحث کی بنیاد پڑی جن پر بعد میں ائمہ نے تفصیل سے کام کیا۔ آپؓ آغاز اسلام سے ہی فقہی مسائل میں غور وخوص کرتے تھے اور قرآن کریم میں جو مسئلہ بھی انہیں سمجھ میں نہ آتا، اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہ کر لیتے اطمینان سے نہ بیٹھتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمر نے 'کلالہ' کا مسئلہ جو ایک نہایت دقیق و باریک مسئلہ تھا اللہ کے رسول سے اتنی بار پوچھا کہ آپ ﷺ دق آگئے اور فرمایا کہ: "سورہ نساء کی آخری آیت تیرے لیے کافی ہو سکتی ہے"۔

مسند دارمی کے مطابق حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے کہا کہ فتوی دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: 'حضرت عمر بن الخطاب'۔

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں علامہ ابو اسحق شیرازی کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے فقہا کے حالات پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہ اور تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے اور آخر میں تحریر کیا کہ: "اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں، اس قدر لکھتا کہ فضلا حیران رہ جاتے"۔ وہ آگے مزید فرماتے ہیں کہ آج فقہ کے جتنے سلاسل ہیں ان سب کا مرجع حضرت عمرؓ ہیں۔ بلاد اسلام میں جو فقہ کے مراکز مانے جاتے ہیں ان سب کی بنا حضرت عمرؓ کے دور میں ہوئی۔ دور صحابہ کے مشہور فقہا حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو موسی اشعری، اور عبداللہ بن مسعود کی حضرت عمرؓ سے اکثر فقہی مسائل پر گفتگو ہوتی اور وہ تحریر کے ذریعہ سے حدیثو فقہ کے مسائل کی تعلیم ہوتی تھی۔ شاہ ولی اللہؒ کے مطابق حضرت زید بن ثابت بھی حضرت عمر کی فقہی مسائل میں اتباع کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ مشکل مسائل کو یادداشت کے طور پر قلمبند کر لیتے تھے اور دفتاً فوقتاً ان

کی طرف رجوع کرتے اور ان میں غور کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کر کے طئے کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور کتب حدیث میں ان کی پوری تفصیل مل جاتی ہے۔ علامہ شبلی اپنی کتاب 'الفاروق' میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد کئی ہزار ہے جن میں سے اکثر مسئلے فقہ کے نہایت دقیق اور اہم مسائل شمار ہوتے ہیں۔ ان کے بیان کردہ مسائل میں آگے آئمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہؒ نے مصنف ابن شیبہ کے حوالے سے ایک رسالہ فقہ فاروقیہ پر لکھ کر 'ازالۃ الخفاء' میں شامل کیا ہے۔

اسی طرح اصول فقہ کی بنیاد بھی حضرت عمرؓ کے دور میں پڑی انہوں نے مسائل کی تفریع اور استنباط کے اصول وضوابط مقرر کر دیے جن کو آگے چل کر اصول فقہ کی حیثیت سے فروغ ملا۔ اسی طرح مصادر شریعت میں قیاس شرعی کے ایجاد کی نسبت بھی حضرت عمرؓ کی طرف کی جاتی ہے۔ علامہ شبلی: اس بات میں تردد کا اظہار کرتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے یمن کے گورنر بن کر جاتے وقت جس اجتہاد کا ذکر کیا تھا وہ قیاس نہیں ہے جبکہ اکثر کی رائے کے مطابق ان کی مراد قیاس تھی۔ اس کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ 'اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں' جیسا کہ ابن حزم اور داود ظاہری وغیرہ اجتہاد کرتے تھے لیکن قیاس کے قائل نہ تھے۔ علامہ شبلی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ تک قرآن وسنت اور اجماع تھا اور قیاس موجود نہیں تھا۔ اس کی بنا حضرت عمرؓ نے ڈالی۔

حضرت عمرؓ نہایت سلیس وبلیغ خطبہ دیتے تھے اور جس مجمع میں غیر مسلم یا دوسری قوم کے لوگ شامل ہوتے تھے ان خطبوں کے ترجموں کا بھی اہتمام ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ جابیہ کے مقام پر دیے گئے خطبے کا ترجمہ مترجم ساتھ ساتھ کرتا جاتا تھا۔ برجستہ اور برمحل خطبوں کے علاوہ اکثر خطبوں کے لیے آپ باقاعدہ تیاری کرتے اور پورے اہتمام کے ساتھ خطبہ دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو قوت تقریر کے ساتھ قوت تحریر میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کے فرامین وخطوط، دستور العمل، توقیعات ہر قسم کی تحریریں آج بھی موجود ہیں اور اپنے موضوع پر بے نظیر شمار ہوتی ہیں۔ آپ نے اوپر پڑھا کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی کتابت کے فرائض انجام دیے۔ تدوین قرآن کے لیے خلیفہ اول کو قائل کرنے اور اس کی تکمیل میں آپکا نمایاں رول تھا۔

حضرت عمرؓ نے عدالتی نظام کو منظم کیا اور قاضیوں کی تقرری، احتساب اور تربیت کا نظام رائج کیا۔ قانون سازی میں وہ احتیاط اور بصیرت کا مظاہرہ کرتے۔ شوریٰ کا قیام اور مشورے سے فیصلے کرنا ان کی علمی بصیرت کی دلیل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جب قاضی بنا کر بھیجا تو اس وقت ایک عہد نامہ بھی تحریر کیا جسے علما نظام قضاءت کی اساس اور اس کے احکام کی بنیاد خیال کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ادب عربی کی ایک بہترین مثال شمار ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے۔ تاریخ ادب عربی)۔ اس کے علاوہ آپؓ کے اقوال بھی ادب عربی کا اہم حصہ ہیں۔ جسکی ایک مثال یہاں درج کی جاتی ہے: "ان ھذا الحق ثقیل مری وان الباطل خفیف وبی وترک الخطیئۃ خیر من معالجۃ التوبہ"۔ ترجمہ: ''حق اگرچہ ثقیل ہے لیکن جلد ہضم ہو جاتا ہے، باطل اگرچہ ہلکا ہے لیکن بد ہضمی پیدا کرتا ہے۔ بار بار توبہ کرتے رہنے سے گناہ کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے''۔

علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے 'علم الاسرار' کی بنیاد ڈالی۔ آپ کا ماننا تھا شریعت کے تمام احکام اصول

عقلی پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ علم آج ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی مشہور کتاب 'حجۃ اللہ البالغۃ' اسی فن پر ہے، وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ نے اس علم سے بحث کی اور کے وجوہات پر گفتگو کی ہے۔ اس علم میں اولیت کا درجہ حضرت عمر کو حاصل تھا جبکہ دوسرے صحابہ کا شمار اس کو ترقی دینے والوں میں کیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں محدود پیمانے پر علم نجوم، علم جغرافیہ کے سیکھنے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ 'ستاروں کا اتنا علم حاصل کرو کہ تمہیں راستوں اور قبلے کے بارے میں پتہ چل جائے اور نسب کا اتنا علم حاصل کرو کہ تم صلہ رحمی کر سکو۔''۔

آپ جانتے ہیں کہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا جس میں عشقیہ شاعری، شکار و شراب پر شاعری کے ساتھ ساتھ ہجویہ شاعری کرنے کا رواج عام تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرب کی شاعری کے اطوار و انداز کی بھی اصلاح کی۔ شعراء جا بجا لوگوں کی ہجو لکھتے تھے، جس سے سینکڑوں مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اسے ایک جرم قرار دیا اور اس کے لیے سزا مقرر کی۔ بعض مشہور ہجو گو شعرا کو قید و بند کی سزائیں بھی دیں۔ اسی طرح آپ نے عشقیہ شاعری پر بھی پابندی لگائی۔ حضرت عمرؓ شعر و شاعری کا بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے اور عرب کے مشہور شعرا کے کلام انہیں ازبر ہوتے تھے اور تمام شعرائے عرب کے کلام پر ان کی خاص آراء تھیں۔ جاحظ اور ابن رشیق القیروانی کے مطابق ان کے دور میں شعر کی نقد و پرکھ ان سے زیادہ کسی اور کو نہیں تھی۔

دور جاہلیت میں حسب نسب کو خاص اہمیت حاصل تھی اور عرب اپنے خاندانوں اور قبیلوں کے ہی نہیں بلکہ اپنے اونٹ، گھوڑوں کے بھی نسب یاد رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس فن میں کمال حاصل تھا۔ دور جاہلیت میں ان کے والد خطاب بھی ماہر 'نساب' تھے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں جب اسکندریہ فتح ہوا تو مشہور فلسفی یحییٰ زندہ تھا۔ مصر کے گورنر عمرو بن العاص نے اس کی علمی شہرت سن کر اسے بلایا اور اس کے علم فلسفہ سے متاثر ہو کر اسے اپنے ساتھیوں میں شامل کر لیا۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا پہلا تعارف علوم عقلیہ سے حضرت عمر کے دور میں ہی ہو گیا تھا۔

علمی مجالس و مراکز کا اہتمام

حضرت عمرؓ اکثر علمی مجالس منعقد کرتے اور مجمع سے مختلف سوال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اصحاب کے ساتھ بیٹھے تو مجمع کو خطاب کر کے اس آیت کے معنی دریافت کیے" اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُۙ لَهٗ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِۙ وَاَصَابَهُ الۡكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ (266) ۔ لوگوں نے کہا کہ 'اللہ زیادہ جانتا ہے'۔ حضرت عمرؓ کو اس لا حاصل جواب پر بہت غصہ آیا اور کہا کہ اگر علم نہ ہو تو صاف کہنا چاہیے کہ نہیں معلوم۔ اس وقت مجلس میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بھی موجود تھے جن کو اس جواب معلوم تھا اور کم عمری کی وجہ سے جھجک رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ "صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو، اور جواب بیان کرو"۔ حضرت

عبداللہ بن عباس نے کہا کہ "اس میں ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی گئی ہے"۔ یہ نامکمل جواب تھا۔اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس کو اس سے زیادہ علم نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو مکمل کیا اور فرمایا کہ "یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جسے خدا نے دولت دی کہ وہ اس کی بندگی بجالائے۔اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کردیئے"۔

اس طرح کی بیشتر روایتیں کتابوں میں درج ہیں جس میں حضرت عمرؓ صحابہ اور دیگر لوگوں سے سوال و جواب کے زریعہ علم کو فروغ دیتے اور اپنی زیرک فہم کے ذریعہ لوگوں کو ابھارتے کہ اگر ان کو جواب کا علم ہو اسے بتانے میں پیچھے نہ رہیں۔اور اس میں وہ نو عمر یا معمر افراد میں تمیز نہ کرتے۔آپ کی مجلس مشاورت میں بھی اہل علم و فضل والے لوگ ہوتے ان میں عمر کی کوئی قید نہ ہوتی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے جابیہ کے مقام پر لوگوں میں بیان کیا اور فرمایا "اے لوگوں تم میں سے جو قرآن کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے وہ ابی بن کعب کے پاس جائے،اور جو میراث کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے وہ حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس جائے اور جو کوئی فقہی مسائل پوچھنا چاہتا ہے وہ حضرت معاذ بن جبل کے پاس جائے،اور جو مال لینا چاہتا ہے وہ میرے پاس آجائے، کیوں کہ مجھے اللہ نے مجھے مال کا والی اور اس کا تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔"

آپ کے دربار میں اس زمانے میں موجود تمام اہل کمال جس میں شعرا، خطاب، نساب، جنگجو، سبھی حاضر ہوتے اور ان کو ان کے علم و فضل اور صلاحیت اور جوہر کے اعتبار سے روزینہ اور وظیفے مقرر کیے جاتے۔ حضرت عمرؓ کا ایک قول ہے کہ "خود علم سیکھو،اور لوگوں کو سکھاو اور علم کے لیے وقار اور سکون و اطمینان سیکھو۔ جس سے علم سیکھو اس کے سامنے بھی تواضع اختیار کرو اور جس کو علم سکھاو اس کے سامنے بھی تواضع اختیار کرو اور متکبر عالم نہ بنو۔اس طرح تمہارا جہل تمہارے علم کے سامنے نہیں ٹھر سکے گا"

حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور خلافت میں مختلف علمی اداروں کا قیام عمل میں آیا۔ان اداروں میں قرآن، حدیث، فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دور میں سب سے اہم ادارہ جامعہ مدینہ تھا جہاں صحابہ کرام کو مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت عمر نے عراق، شام، مصر، اور دیگر مفتوحہ علاقوں میں علمی مراکز قائم کیے جہاں مسلمانوں کو صحابہ کرام علوم شریعیہ کے علاوہ گھڑ سواری، تیر اندازی، تلوار بازی سکھاتے تھے۔(الطبری،تاریخ، جلد 2)

ان مراکز میں بچوں اور بزرگوں سبھی کو تعلیم دی جاتی تھی۔آپؓ نے جیلوں میں بھی تعلیم کا اہتمام کیا تاکہ قیدیوں کو بھی تعلیم دی جا سکے اور ان کی اصلاح ہو سکے۔ حضرت عمرؓ نے شام کے علاقے میں ایک تعلیمی نصاب مرتب کیا جس میں مسلمان بچوں کو عربی زبان، علم الفرائض، اور مغازی کی تعلیم دی جاتی تھی۔اس نصاب کو بعد میں اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں نافذ کیا گیا۔(ابن سعد، طبقات، جلد 3).

حضرت عمر بن الخطاب نے تعلیم کو فروغ دینے کے لیے یومیہ وظائف کا بھی انتظام کیا تاکہ مسلمانوں کو علم حاصل کرنے میں کسی قسم کی اقتصادی مشکلات کا سامنا نہ ہو۔(ابن جریر، تفسیر، جلد 5)

15.3.3 حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن عفانؓ کی علمی لیاقت اور آپ کا دور خلافت علوم کی سرپرستی کے لحاظ سے اہمیت کا حامل تھا۔ بعثت سے پہلے بھی وہ تجارتی معاملات میں فصاحت، کتابت اور حساب کے ماہر تھے۔ قبول اسلام کے بعد ان کی علمی بصیرت مزید نکھری، اور وہ نبی اکرم ﷺ کے قریبی اصحاب میں شامل ہو گئے۔ آپ کو کاتب وحی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپؓ کو تحریر و انشاء میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی تحریریں خطوط کی شکل میں حدیث، تاریخ اور ادب کی کتب میں محفوظ ہیں۔ حضرت عثمان کے سرکاری خطوط کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ آپ کی تحریریں نہایت جامع اور سلیس ہوتیں اور انشاء پردازی کی بہترین مثال سمجھی جاتی تھیں۔ الفاظ اور جملے فصاحت و بلاغت سے بھرپور اور انداز نہایت دلنشین ہوتا تھا۔ آپؓ کا شمار نہائت فصیح و بلیغ خطباء میں ہوتا ہے۔ جس میں لفظ مختصر لیکن بہت مطلب خیز اور پر معنی ہوتے تھے۔ تحریر کی طرح تقریر میں بھی آپؓ کا انداز سادہ اور سلیس ہوتا۔

حضرت عثمانؓ تلاوت قرآن کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ خلافت کے کاموں سے جو بھی وقت بچتا تھا اس کو تلاوت قرآن میں صرف فرماتے تھے۔ حفاظ قرآن میں حضرت عثمانؓ کا درجہ سب سے زیادہ بلند تھا۔ آپ رات کو عموماً قرآن پڑھا کرتے تھے کبھی کبھی تو آپ ساری رات اسی میں گزار دیتے۔ اکثر ایک ہی رکعت میں مکمل قرآن مجید تلاوت کر لیتے تھے۔ آپؓ نے اپنے دور میں اسلامی تعلیم کی ترویج اور اشاعت کے لیے متعدد اقدامات کیے۔ جن میں سب سے اہم قرآن کی تدوین و اشاعت ہے جس کی بنا پر انہیں 'جامع القرآن' کا لقب دیا گیا۔

قرآن مجید کے متعدد نسخے تیار کرنا

حضرت عمرؓ کی طرح حضرت عثمان کا دور بھی کثرت فتوحات کا تھا۔ صحابی رسولؐ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، خلافت عثمانی کے دوسرے یا تیسرے سال میں آرمینیا اور آذر بائجان کی فوج میں شامل تھے اور اس جنگ میں شامی سپاہیوں کی ایک تعداد قرآن کریم کی تلاوت حضرت مقداد بن اسودؓ اور ابوالدرداءؓ کی قرآت کے مطابق پڑھتے تھے۔ جب کہ عراقی فوجی قرآن کو عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو موسی اشعریؓ کے منہج قرآت پر تلاوت کرتے تھے۔ چونکہ یہ فتوحات کی وجہ سے مختلف اقوام کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اس لیے ان کو مختلف طریقے قرآت کی بنا پر دشواری کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے مختلف علاقوں میں قرآن مجید کے نسخوں میں مختلف قراءتیں اور رسم الخط کے اختلافات کی شکایات سامنے آنے لگیں۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے اس اختلاف کی نشان دہی کی۔ یہ مسئلہ جب خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس مشکل کو حل کرنے کے لیے آپؓ نے قرآن کے تمام نسخوں کو یکجا کیا اور 'مصحف صدیقی' کو جو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا سامنے رکھ کر اس کے متعدد نسخے تیار کروائے، تاکہ مسلمانوں کو قرآن کی صحیح اور مستند شکل مل سکے۔ اس عمل میں حضرت عثمانؓ نے مختلف صحابہ کرام جیسے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کو شامل کیا اور ان کی نگرانی میں قرآن کے مختلف نسخوں کو یکساں طور پر مرتب کرایا۔ اس کمیٹی کو ذمہ داری دی گئی کہ وہ مصحف ابو بکر کو بنیاد بنا کر قرآن کے نسخے تیار کریں اور چونکہ زید بن ثابت انصاری انصاری تھے اور باقی قریشی صحابہ تھے۔ یہ ہدایت بھی دی کہ جہاں کہیں حضرت زید بن ثابت سے قرآت میں

اختلاف ہو وہاں قریشی لہجہ کو ترجیح دی جائے کیوں کہ قرآن لسان قریش پر نازل ہوا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں تیار کردہ قرآن مجید کے نسخے جنہیں 'مصحف عثمانی' کہا جاتا ہے اس وقت کے تمام اسلامی خطوں میں بھیجے گیے تاکہ ہر مسلمان کے پاس قرآن مجید کا صحیح اور متفقہ نسخہ موجود ہو اور حکم دیا کہ انہیں نسخوں کے مطابق قرآت اور کتابت کی جائے اور اس کام کی تکمیل کے بعد غیر سرکاری قرآنی نسخوں کو تلف کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان ؓ کے اس اقدام سے قرآن کی حفاظت اور اس کی صحیح اشاعت کا فروغ ممکن ہوا۔

حضرت عثمانؓ نے کئی احادیث روایت کیں، اگرچہ وہ زیادہ روایت کرنے والے صحابہؓ میں شمار نہیں ہوتے۔ان کا انداز محتاط تھا تاکہ سنتِ نبویؐ میں کسی قسم کا خلل نہ آئے۔ فقہی مسائل میں آپ نے اجتہاد بھی کیا۔اور کئی اہم فیصلے صادر کیے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ نے مسلمانوں کی تعلیم و تعلم کے لیے متعدد مساجد کی تعمیر کی اور ان مساجد کو علمی مراکز میں تبدیل کر دیا ان میں مسجد نبوی کی توسیع بھی شامل تھی۔ ان مساجد میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر کی تدریس کا عمل بھی جاری تھا۔ حضرت عثمان کے دور میں بحری بیڑے کے قیام اور بحری جنگوں کی اجازت سے پتہ چلتا ہے کہ علم ہندسہ اور علم جغرافیہ کا علم بھی دیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ زراعت اور گلہ بانی پر مشتمل علوم کی بھی ترویج ہوئی۔

15.4 حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت علی بن ابی طالبؓ اپنے علم و حکمت کے لیے مشہور ہیں۔آپؓ کی علمی بصیرت اور ان کے دور میں تعلیم کا پھیلاؤ مسلمانوں کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوا، جس کی بدولت اسلامی معاشرت میں علمی ترقی کی نئی راہیں ہموار ہوئیں۔

جیسا کہ آپ نے پچھلی اکائیوں میں پڑھا کہ حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور 10 سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔اور نبی ﷺ کے اہل بیت میں شامل ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ آپ کی صحبت کا فیض بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔ علمی اعتبار سے تمام صحابہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ آپؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چنانچہ آپؓ کاتبین وحی میں شامل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اکثر مکاتیب و فرامین بھی حضرت علیؓ تحریر تے تھے۔ حدیبیہ کا صلح نامہ جو نبی ﷺ کے عہد میں کفار مکہ سے طئے پایا تھا وہ بھی آپؓ ہی نے لکھا تھا۔

آپ ﷺ کی احادیث سے بھی حضرت علی کی علمی شان نہایت واضح ہوتی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :"أنا مدينة العلم و علی بابها" ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ "میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں"۔ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو بعض پیچیدہ مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے منتخب کیا، جیسے یمن میں قضا کے لیے روانہ کرنا۔ اس کے علاوہ روایتوں میں اللہ کے رسول ﷺ کا حضرت علیؓ کے لیے علم و حکمت کی دعا کرنا بھی مذکور ہے۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ کے دور تک علم و حکمت کے معاملہ میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے مجھے علم کے ہزار باب سکھائے اور میں نے ان میں سے ہر باب سے مزید ایک ہزار باب نکالے"۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے اور حضرت علیؓ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب ہوئے تھے۔ آپؓ نے نبی پاک ﷺ کے عہد میں ہی پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور اس کی ایک ایک آیت کے معنی و مطالب سے سب سے زیادہ واقف تھے۔ آپؓ کا شمار مفسرین کے اعلی طبقے میں ہوتا ہے صحابہ کرام میں حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ کوئی قرآنی علوم میں حضرت علیؓ کا شریک نہیں تھا۔ قرآن فہمی کے ساتھ ساتھ علم ناسخ و منسوخ میں آپؓ کو کمال حاصل تھا۔ اگر کوئی شخص وعظ کرتا ہوا مل جاتا تو اس سے سوال کرتے کہ کیا اسے ناسخ و منسوخ کا علم ہے، اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو اس کو وعظ سے روک دیتے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ تم مجھ سے قرآن کے بارے میں پوچھو بے شک میں قرآن پاک کی ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کب اور کہاں نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں ید طولی حاصل تھا۔ چنانچہ جنگ صفین میں تحکیم کے مسئلہ میں خوارج کے اعتراض کو آپؓ نے قرآن سے ثابت کیا کہ جب رشتہ ازدواج میں اختلاف کی صورت میں دونوں کے خاندانوں میں سے حکم بنانے کی اجازت دی ہے تو امت محمدیہ کے اختلاف ہونے پر حکم بنانا جائز ہے۔

اسی طرح جیسے قرآن کی کوئی آیت تحکیم نازل ہوتی آپ اس پر فوری طور پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ سورہ مجادلہ کی آیت 12 کے نازل ہونے پر فوری طور پر صدقہ کیا اور رسول ﷺ سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت علی کے فہم قرآن سے اس دور کے اکثر صحابہ اور تابعین نے استفادہ کیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے تفسیر قرآن سے متعلق جو کچھ سیکھا علیؓ بن ابی طالب سے سیکھا"۔ علم تفسیر کی بے شمار اسناد حضرت علیؓ سے منسوب ہیں۔ جن میں سے کچھ اس طرح ہیں:

•ہشام عن محمد بن سیرین عن عبیدہ بن علیؓ	•ابن الحسین عن ابی الطفیل عن علیؓ	•زہری عن علی زین العابدینؒ عن حسینؓ عن علیؓ

حضرت علیؓ کی علمی مجالس مدینہ میں عام تھیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہؓ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی مجلس میں حاضر تھے اس وقت آپ فرما رہے تھے کہ "تم لوگ مجھ سے سوال کرو"، اس کے بعد اللہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ: "تم مجھ سے قیامت تک ہونے والے جس معاملے کے متعلق بھی سوال کروگے میں تمہیں ضرور جواب دونگا"۔

ہم جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے 30 سال متواتر حضور ﷺ کی خدمت میں گذارے اس لیے 'علم الحدیث' میں بھی کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ نبی ﷺ کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہونے کی بناء پر نبی ﷺ کی سنتوں کا سب سے زیادہ علم تھا اس کے باوجود حدیث کی روایت کرنے میں بہت محتاط تھے۔ آپ سے 586 احادیث مروی ہیں۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد 30 سال تک آپ مسند ارشاد پر فائز رہے جن میں تقریباً 25 سال مدینہ میں آپ کا علمی فیض جاری رہا اور اس کے بعد کوفہ میں آپ کا علمی فیض جاری ہوا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنی مجالس شامل ہونے والوں کو لکھنے کی طرف راغب کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ جب حضرت علی حدیث کا درس دینے کا ارادہ رکھتے تھے تو آپ نے لوگوں میں اس طرح اعلان کیا کہ جو کوئی علم حدیث حاصل کرنا چاہتا ہے بازار سے کاغذ خرید لائے۔ آپ کے صحبت یافتہ شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے جن میں آپ کے آل اولاد کے علاوہ صحابہ کرام، تابعین کی ایک کثیر تعداد شامل ہے۔

'ازالۃ الخفا' میں شاہ ولی اللہ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی حدیثوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "نبی ﷺ کے حلیہ اقدس، آپ ﷺ

کی نماز و مناجات و دعا و نوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ ہی سے مروی ہیں"۔احادیث نبوی ﷺ کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے احادیث سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا، یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی،اس کا نام آپ نے 'صحیفہ' رکھا تھا،اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔

حضرت علیؓ جلیل القدر فقہاء صحابہؓ میں بھی شامل تھے،اور آپؓ نے اپنے دور میں فقہ کو ایک اہم علمی شعبہ کے طور پر ترویج دی۔ علم فقہ میں آپؓ کے فتوے نہایت اہمیت کے حامل تھے۔ اکثر صحابہ بشمول کبار صحابہ اور خلفائے ثلاثہ بھی آپؓ سے مشاورت کرتے اور ان کے فتوے اور رائے سے متجاوز نہ کرتے۔ خلفائے راشدین (ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) اپنے دور خلافت میں ان سے پیچیدہ مسائل پر مشورہ لیتے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: "اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا!" چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی معاملے میں حضرت علیؓ کے فتوے کا علم ہو جاتا تو ہم اس سے متجاوز نہ کرتے''۔

حضرت عائشہؓ سے بھی جب مسائل دریافت کیے جاتے تو وہ بھی اکثر مسائل کے لیے حضرت علیؓ سے رجوع کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ''اہل مدینہ میں علم الفرائض (میراث) سب سے زیادہ علیؓ جانتے تھے''۔ اسی طرح حضرت عطاؒ کا قول ہے کہ: ''مجھے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جو علی بن ابی طالب سے بڑھ کر عالم ہو''۔

تصوف کا لفظ گو کہ عباسی دور میں رائج ہوا لیکن حضرت علی کی سلوک و احسان سے نسبت سب پر عیاں ہے۔ تصوف کے تمام سلسلے آپ ہی تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح علم کلام میں بھی آپؓ کو تبحر حاصل تھا۔امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب 'الاربعین' میں تحریر کیا ہے کہ متکلمین کے جس قدر فرقے مشہور ہیں ان سب کی انتہا حضرت علیؓ پر ہوتی ہے۔

حضرت علیؓ کے دور میں کوفہ میں ایک بڑا علمی مرکز بن چکا تھا جہاں مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت علی خود بھی اس مرکز میں درس دیتے اور صحابہ کرام کو مختلف مسائل پر تعلیم دیتے تھے۔

حضرت علی کا علم صرف دینی مسائل تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ نے دنیاوی مسائل کو بھی علم کی بنیاد پر حل کیا۔ آپ نے مختلف پیچیدہ مسائل پر فیصلہ کیا اور اپنی فیصلوں میں ہمیشہ قرآن و سنت کی پیروی کی۔ آپ کے فیصلے نہ صرف دینی رہنمائی فراہم کرتے تھے بلکہ ان میں معاشرتی انصاف کا بھی عنصر تھا۔

حضرت علیؓ اپنے وقت کے قاضی القضاۃ تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ "مدینہ میں سب سے بڑے قاضی علیؓ ہیں"۔ حضرت علی نے جمل اور صفین کی جنگوں کے دوران بھی اپنے فیصلوں میں علم کا بھرپور استعمال کیا۔

حضرت عمرؓ کی طرح حضرت علیؓ نے بھی علم کے حصول، عالم اور طالب علم کے لیے متعدد آداب بیان کیے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا کہ ''تمہیں سکھانے والے (عالم) کا حق یہ ہے کہ تم اس سے زیادہ سوال نہ کرو۔ اسے مشقت میں نہ ڈالو، جب وہ تھک جائے تو اس کے کپڑے یا ہاتھ نہ پکڑو، نہ ہاتھ یا آنکھ سے اس کی طرف اشارہ کرو اور اس کی لغزشیں نہ تلاش کرو اور اگر اس سے کوئی لغزش ہو جائے تو تم اس کے رجوع کرنے کا انتظار کرو اور جب وہ رجوع کر لے تو اسے قبول کر لو۔ اس کے کسی راز کا افشا نہ کرو۔ اس کے پاس جتنا بھی وقت گذر جائے

تنگدل نہ ہو کیوں کہ عالم کھجور کے درخت کی مانند ہوتا ہے جس سے کسی نہ کسی فائدے کے حاصل ہونے کا انتظار رہتا ہے"۔

علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؓ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے، ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا، اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنادیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے؛ چنانچہ ابوالاسود دوئلی کو چند قواعد کلیہ بتاکر اس فن کی تدوین پر مامور کیا۔ (فہرست ابن ندیم)۔

علم بیان میں حضرت علی کو 'امام الفصحاء' اور 'سید البلغاء' کا لقب حاصل تھا۔ حضرت امیر معاویہ آپؓ کی بلاغت اور فصاحت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "عربوں میں حضرت علیؓ سے زیادہ فصیح و بلیغ اور بامحاورہ عربی بولنے والا کوئی نہیں ہے"۔

عربی ادب کے میدان میں بھی حضرت علیؓ کی شان مستحکم ہے۔ چنانچہ آپ کے اشعار و خطبات عربی ادب کا قیمتی سرمایہ سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی تقریر و تحریر فی البدیہہ ہوتی تھی اور دونوں ہی اپنی ادبیت، اثر آفرینی کے لیے مشہور تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپؓ سب لوگوں میں زیادہ فصیح و بلیغ تھے آپ کو بالعموم نبی ﷺ کے بعد امام الخطباء مانا جاتا ہے۔ آپ کا کلام تین محوروں کے گرد گھمتا نظر آتا ہے۔ جن کو مشہور مصنف شریف رضی نے نہج البلاغہ' میں جمع کر دیا ہے۔ 1. خطبات وفرامین 2. خطوط ورسائل 3. حکم ونصائح

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے شعبی سے رروایت بیان کی ہے کہ گو حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی شعر کہا کرتے تھے لیکن حضرت علیؓ کی شعر گوئی، حسن کلام اور نقد شعر میں ان تینوں سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ آپ سے ایک دیوان بھی منسوب ہے۔

علم کتابت و تصانیف

مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب المرتضی میں لکھتے ہیں کہ :"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اولین کارناموں میں سے عقائد و علم کلام علم قضا اور نحو اور عربی کتابت کے ضبط و اصول کی تدوین ہے"۔

خوش نویسی حضرت علیؓ کا محبوب فن تھا۔ آپ اپنے ساتھیوں کو خوش نویسی کی ترغیب دیتے اور ان سے فرماتے کہ "اپنی اولاد کو خوشنویسی سکھاو، یہ رزق کی کنجی ہے"۔ ایک بار آپ نے آپ کے منشی حضرت عبداللہ بن رافع کو نصیحت فرمائی کہ :"ہمیشہ اپنی سیاہی رواں رکھا کرو، قلم دراز ہو، بین السطور کشادہ چھوڑو اور حروف کے دائرے ایک دوسرے سے ملا کر رکھا کرو، کیوں کہ اس سے خط میں خوشنمائی پیدا ہوتی ہے"۔

حضرت علیؓ سے کئی تصانیف منسوب ہیں جن میں اکثر ان کے شاگردوں نے تدوین کیں ہیں۔ جمع قرآن کے بعد 'مصحف عثمانی' کو آیتوں کی ترتیب نزول کے اعتبار سے آپؓ نے جمع کیا تھا۔ اسے 'جمع علیؓ' کہتے ہیں۔ الاتقان میں امام سیوطی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔

احادیث کے ضمن میں سب سے اہم صحیفہ امام علیؓ ہے۔ یہ احادیث نبویہ کا مجموعہ ہے۔ اس کا ذکر آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ یہ صحیفہ حضرت علیؓ نے خود رسول ﷺ نے سے براہ راست سن کر تصنیف کیا تھا۔ اس میں اسلامی احکام سے متعلق احادیث منقول ہیں۔ اسی طرح

ایک اور صحیفہ 'الملاحم' کا ذکر ملتا ہے جو نبی ﷺ کی وفات کے بعد کے واقعات کی پیشنگوئی اور فتنوں ان سے متعلق ہدایتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے۔ یہ صحیفہ حضرت علیؓ نے نبی ﷺ کے حکم پر تیار کیا تھا۔

قرآن اور حدیث کی تدوین کے بعد سب سے پہلے حضرت علیؓ کے ملفوظات اور مکتوبات کو کتابی شکل میں مدون کیا گیا۔ اور یہ تدوین کا کام آپ کی زندگی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ آپ کے کلام کے اولین جامعین میں عبداللہ بن رافعؓ، حضرت اشترؓ اور حضرت حسن بصری کا نام آتا ہے۔ بعد کے دور میں اکثر تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین نے یہ کارہائے نمایاں انجام دیا۔

جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا کہ حضرت علی کے ملفوظات، مکتوبات (سیاسی، سماجی، ادبی)، کی تدوین میں عباسی دور کی ایک شخصیت سید رضی کو نہایت شہرت حاصل ہے جنہوں نے آپ کے فرمودات، فرامین، اور مرسلات پر سیر حاصل کام کیا جو 'نہج البلاغہ' کے نام سے معروف ہے۔ یہ عربی ادب کا ایک بیش بہا شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کے متعلق شریف رضی لکھتے ہیں کہ "یہ کتاب اپنا مطالعہ کرنے والے کے لیے بلاغت کے دروازے کھولتی ہے اور فصاحت تک پہنچانے میں مدد کرتی ہے، اس میں معلم اور متعلم دونوں کی تشنگی کی سیرابی ہے۔ عابد و زاہد دونوں کی ضروریات کا سامان ہے"۔ اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

آپ کے خطبات اشعار و اقوال، ادیب و خطیب حضرات حفظ کرتے اور اپنی تقاریر میں شامل کرنا فخر سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جیسے مشہور ادیب و خطیب اور مفسر قرآن آپ کے کلام کے حافظ تھے۔ ادب عربی کے مشہور ادیب عبدالحمید بن یحیی کے مطابق انہوں نے حضرت علی کے 70 خطبے یاد کیے جن سے ان کے کلام میں روانی پیدا ہوئی۔ اسی طرح مشہور عالم و مترجم ابن المقفع نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ حضرت علی کے کلام اور خطبات سے اس کے کلام میں روانی پیدا ہوئی۔

15.5 حصول علم کے لیے اسفار

حصول علم کے لیے اسفار کی روایت دور نبوی ﷺ میں بھی موجود تھی۔ آپ نے سیرت کی اکائیوں میں پڑھا ہو گا کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے لوگ مدینہ میں قیام کرتے اور علم حاصل کرتے اسی طرح فتح مکہ کے بعد مختلف قبائل کے وفود دین سیکھنے کی نیت سے مدینہ آتے۔ اسی طرح کوئی نیا علاقہ فتح ہوتا یا کوئی گروہ مسلمان ہوتا تب بھی نبی ﷺ کی سنت تھی کہ ان کی تعلیم کے لیے صحابہ کو بھیجتے تھے۔

یہ روایت خلفائے راشدین کے عہد میں بتدریج بڑھ گئی۔ چنانچہ حضرت جندبؓ کہتے ہیں: "میں علم حاصل کرنے کے لیے مدینہ آیا میں مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ لوگ حلقے بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں اور درس دے رہے ہیں۔ میں ان حلقوں سے گذرتا ہوا ایک حلقے میں بیٹھ گیا۔ جہاں ایک شخص حدیثیں بیان کر رہے تھے، میں اس میں شامل ہو گیا۔ جب کافی دیر بعد وہ اٹھے تو میں نے لوگوں سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابی بن کعبؓ ہیں۔ میں ان کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ ان کا گھر پرانا اور بوسیدہ تھا ان میں بالکل دنیا کی رغبت نہ تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کیا انھوں نے جواب دیا پھر مجھ سے پوچھا تم کن لوگوں میں سے ہو؟ میں نے کہا عراق سے۔ انھوں نے کہا کہ عراق والے مجھ سے بہت سوالات کرتے ہیں۔ ان کی یہ بات مجھے گراں گذری۔ میں نے

وہیں گھٹنے کے بل بیٹھ کر قبلہ رو ہو کر دعا کرنی شروع کر دی کہ 'اے اللہ ہم تجھی سے ان لوگوں کی شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے بہت مال خرچ کیا اور اپنے جسموں کو خوب تھکایا اور اپنی سواریوں کو چلایا اور یہ سب کچھ صرف علم حاصل کرنے کے لیے تھا۔ جب ہماری ان سے ملاقات ہوئی تو یہ ہم سے ترش روئی سے ملے اور ہمیں سخت کلمات کہے'۔ یہ سن کر ابی بن کعب رونے لگے اور مجھے راضی کرنے لگے اور فرمانے لگے 'تیرا بھلا ہو۔ میرا یہ مطلب ہر گز یہ نہیں تھا' پھر فرمانے لگے: 'اے اللہ اگر تو نے مجھے اگلے جمعہ تک زندہ رکھا تو میں نے جو کچھ حضور سے سنا ہے وہ یہ سب ضرور بیان کر دوں گا اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کروں گا۔ میں ان کے پاس سے واپس آکر اگلے جمعہ کا انتظار کرنے لگا لیکن جمعرات کو ہی ان کا انتقال ہو گیا"۔

حضرت بلال بن یساف ؒ کہتے ہیں میں بصرہ آیا اور ایک مسجد میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک بڑے میاں جن کی داڑھی کے بال سفید ہیں ایک ستون س ٹیک لگائے حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ وہ شخص عمران بن حصین ؓ تھے۔ حضرت صالح ؒ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس ؓ کی ایسی زبردست علمی مجلس دیکھی ہے کہ جس پر سارے قریش والے فخر کریں تو بجا ہے۔ میں نے ان کے گھر کے باہر اکثر لوگوں کا اتنا مجمع دیکھا کہ آمد و رفت کی بالکل جگہ نہیں ہوتی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن محمد بن عقیل ؒ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے قصاص پر کوئی حدیث سنی ہے جو ان کے علم میں نہیں اور وہ شام میں رہتا ہے اس لیے انہوں نے اس حدیث کو معلوم کرنے کے لیے شام کا سفر کیا۔ اسی طرح حدیث کے علم کے لیے آپ ؓ سے مصر کا سفر بھی وارد ہے۔ اسی طرح صحابی رسول ﷺ ابو ایوب انصاری ؓ، عقبہ بن عامر ؓ کا مصر حدیث ے لیے سفر مذکور ہے۔ حضرت عبید اللہ عدی ؓ کو حضرت علی سے مروی ایک حدیث کے بارے میں پتہ چلا تو انہوں نے اس کے لیے عراق کا سفر کیا۔

عہد خلفاء راشدین میں علماء اور اساتذہ کا ایک بہت اہم کردار تھا۔ صحابہ کرام جیسے حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن مسعود، اور حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو الدرداء نے اپنے علم سے نہ صرف اپنے دور کے مسلمانوں کو مستفید کیا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک تعلیمی ورثہ چھوڑا۔ ان علماء نے حدیث کی تعلیم دی اور قرآن کے تفاسیر بیان کیں، جس سے مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ حاصل ہوئی۔

عہد خلفاء راشدین میں تعلیم کا دائرہ صرف مذہبی علوم تک محدود نہ تھا بلکہ سائنسی، فلسفیانہ، اور دیگر معاشرتی علوم کی بھی تدریس کی جاتی تھی۔ مسلمانوں نے ابتدائی طب، ریاضی (علم الفرائض)، فلکیات (قبلہ کی سمت معلوم کرنا اور دیگر امور شریعہ میں سورج چاند اور ستاروں کی طرف توجہ)، اور دیگر شعبوں جیسے لسانیات، نحو، سیاسیات، سماجیات اور تاریخ میں علم حاصل کیا اور ان شعبوں کی داغ بیل ڈالی جس کی بنا پر آگے کے عہد میں انہی بنیادوں پر علوم کی افزائش ممکن ہو سکی اور اسلامی تہذیب میں ایک علمی انقلاب آیا جس نے دنیا بھر کے مختلف علاقوں میں علم کا دروازہ کھولا۔ آج بھی ہم اس عہد کے تعلیمی اثرات کو مختلف شعبوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ عہد خلفاء راشدین میں تعلیم کی اشاعت نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ اس زمانے میں ہر قوم اور ہر علاقہ ہر خاندان اور ہر مذہب کے لوگ علم حاصل کر سکتے تھے چنانچہ اس کا ثمر ایک سو سال بعد ہی نظر آتا ہے کہ عباسی دور میں مسلمان اور ان کے زیر سرپرست اقوام قرآن و حدیث و

فقہ کے ساتھ ساتھ دیگر علوم اور تمدن وثقافت کے قائد بن گئے۔

15.6 فرہنگ

فرامین: بادشاہی احکام	علم نحو: Syntax& Grammar	علم بیان: Rhetorics
فقہ: Jurisprudence	تفسیر: Interpretationof Quran	

15.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے رج ذیل نکات سیکھے:

- خلافت راشدہ میں تعلیم کو سماج کے ہر طبقہ کے لیے عام کیا گیااور اسلامی ریاست کے تمام صوبوں میں تعلیمی مراکز قائم کیے گئے۔اس دور میں ماہرین علم وادب نے مکاتبت کا سلسلہ شروع کیا۔اس کے علاوہ تعلیم کی اشاعت میں مخاطبت کا بھی موثر استعمال ہوا۔
- ان اداروں میں قرآن وحدیث، فقہ، عربی زبان وادب،اور دیگر علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ان تعلیمی اداروں میں سب سے اہم جامعہ مدینہ تھاجہاں پر صحابہ کرام اور دیگر مسلمان مختلف علوم حاصل کرتے تھے۔حضرت عمر بن الخطاب نے شام، مصر، عراق اور دیگر علاقے جہاں مسلمانوں کااثر ورسوخ تھا، وہاں تعلیمی ادارے قائم کیے تاکہ علم کی اشاعت کی جاسکے۔
- خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ شعر وسخن کے بڑے نقاد تھے 'اور اس میں بلند پایہ ذوق رکھتے تھے۔ خصوصاً حضرت علیؓ سے تو پورا دیوان ہی منسوب ہے۔حضرت علیؓ علم وحکمت کے بلند مینار تھے اور کئی علوم کی ایجاد آپ سے منسوب ہے۔
- حضرت ابو بکراور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن کی تدوین ق اشاعت کانہایت اہم کارنامہ انجام دیا گیا۔

15.8 نمونہ امتحانی سوالات

15.8.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات

1. قرآن کی تدوین کس جنگ کے بعد عمل میں آئی؟

(a). جنگ یمامہ　　(b). جنگ یرموک　　(c). جنگ یمامہ　　(d). جنگ قادسیہ

2. جامع القرآن کس کالقب ہے؟

(a). حضرت ابو بکرؓ　　(b). حضرت عمرؓ　　(c). حضرت عثمانؓ　　(d). حضرت علیؓ

3. ابوالاسود الدویلیؒ نے کس کے مشورہ پر علم نحو کی بنیاد ڈالی؟

(a). حضرت ابو بکرؓ　　(b). حضرت عمرؓ　　(c). حضرت عثمانؓ　　(d). حضرت علیؓ

4. کوفہ کس خلیفہ کا علمی مرکز تھا؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

5. کس خلیفہ کے عہد میں مختلف علاقوں میں قرآن کے نسخوں میں مختلف قرأتیں اور رسم الخط کے اختلافات کی شکایات سامنے آئیں؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

15.8.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

1. قرآن کے نزول نے کس طرح عرب اقوام کو علم کی طرف راغب کیا؟
2. نبی ﷺ کے دور میں علم کی ترویج واشاعت کے کیا ثبوت ملتے ہیں؟
3. حضرت ابو بکر کے دور میں تعلیم کی ترویج کے کیا ثبوت ملتے ہیں؟
4. حضرت عمر کے دور میں علمی اصلاحات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
5. حضرت علیؓ کے دور میں علمی سرگرمیوں پر گفتگو کیجیے۔

15.8.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

1. خلفاء راشدین کے دور میں علوم کے ارتقاء پر ایک جامع مضمون لکھیے۔
2. عہد خلفا میں قران کی تدوین کے اسباب و نتائج سے گفتگو کیجیے۔
3. دور خلافت میں حدیث، فقہ اور دیگر علوم کی تدوین اور آغاز وارتقاء کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

15.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. خلفائے راشدین : مولانا معین الدین ندوی
2. سیرت خلفائے راشدین : مولانا اختر حسین مصباحی
3. الفاروق : شبلی نعمانی
4. المرتضی : ابوالحسن علی ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2.C	3. D	4. D	5. C

اکائی 16: خلافت راشدہ-معاشرے کی خصوصیت

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید
16.1 مقاصد
16.2 خلافت راشدہ کا معاشرہ
16.2.1 کثیر قومی اسلامی معاشرہ
16.2.2 غالب خیر پر مبنی معاشرہ
16.3 بے جا طبقاتی تقسیم سے پاک معاشرہ
16.4 خلافت راشدہ کی خصوصیات
16.4.1 اسلامی جمہوری حکومت
16.4.2 بین الاقوامی حکومت اور عالمی طاقت
16.4.3 شورائی نظام اور قانون کی بالادستی
16.4.4 مساوات و برابری
16.4.5 ملک گیری نہیں، دبے کچلے لوگوں کو انصاف کی فراہمی
16.4.6 سماجی برابری
16.5 فرہنگ
16.6 اکتسابی نتائج
16.7 نمونہ امتحانی سوالات
16.7.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات
16.7.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

16.7.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

16.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید

پچھلی اکائیوں میں آپ نے خلافت راشدہ کا نظم ونسق اور خلافت راشدہ کے دور میں علوم کا ارتقا و فروغ اور سرکاری سرپرستی کی کا مطالعہ کیا۔ اس کائی میں ہم خلافت راشدہ کے معاشرے کی منفرد خصوصیات کے بارے میں جانیں گے۔ اس زمانے میں اسلامی معاشرہ عرب کی سرحد سے آگے بڑھ کر ایک کثیر قومی یا بین الاقوامی معاشرے کی شکل اختیار کر گیا تھا اور جس میں مختلف نسلوں، رنگوں، مذہبوں اور قومیتوں کے لوگ شامل تھے۔ وہاں بسنے والے سب لووگوں کو اسلامی اصول وضوابط کے تحت حقوق واختیار حاصل تھے اور عدل کی بنیاد پر اسلامی اقدار کا رنگ غالب تھا۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ :

- خلافت راشدہ کے سماج اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو جان سکیں۔
- آپ سمجھ سکیں کہ اسلامی اولین دور میں کیسا تاریخ ساز اور بہترین معاشرہ تشکیل ہوا تھا۔
- آپ خلافت راشدہ کی خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کر سکیں۔

16.2 خلافت راشدہ کا معاشرہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں جس معاشرے کی تشکیل کی تھی وہ بنیادی طور پر ایک عرب معاشرہ تھا۔ عرب معاشرے کے بارے میں یہ بات ہم پہلے ہی جان چکے ہیں کہ وہ ایک قبائلی معاشرہ تھا اور عرب قبائل کے اصول واقدار ہی اس معاشرے کو بنیاد فراہم کرتے تھے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں قبائلی معاشرے کی خرابیوں کی اصلاح کی اور اسے اسلامی اصولوں اور تعلیمات سے آراستہ کر کے اسلامی معاشرے میں تبدیل کر دیا۔ عرب علاقوں میں عربوں کے علاوہ یہودی، عیسائی، صابئی اور مجوسی قبائل بھی سکونت پذیر تھے جو دیگر مذاہب سے متعلق ہونے کے باوجود وسیع تر اسلامی معاشرے کا حصہ تھے۔

16.2.1 کثیر قومی اسلامی معاشرہ

چونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اسلامی ریاست کی حدود عرب علاقوں تک ہی محدود رہی تھیں، اس لیے اسلامی معاشرے میں

غیر عرب لوگوں کی شمولیت کے باوجود عہد نبوی کا معاشرہ غالب طور پر عرب معاشرہ ہی رہا۔ خلافت راشدہ ک عہد میں جب فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھاتو بڑے پیمانے پر غیر عرب علاقے بھی اسلامی ریاست کا حصہ بنے۔ان علاقوں میں ایرانی، مجوسی، ترکی، قبطی، بربر اور بودھ مذہبی روایات کے ماننے والے لوگ آباد تھے،ان لوگوں کے مذہبی عقائد، رہن سہن، لباس، زبان وغیرہ عربوں سے مختلف تھیں۔ اور ان علاقوں کی فتوحات کے نتیجے میں ان علاقوں میں رہنے والے لوگ بھی اسلامی معاشرے کا حصہ ہو گئے۔ اگرچہ کہ مفتوحہ علاقوں میں عام لوگوں کی ایک تعداد نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مذہب کے لیے کوئی جبر نہ تھا اس لیے بڑی تعداد ذمی لوگوں پر بھی مشتمل تھی۔ مذہبی طبقات کے علاوہ مختلف نسل اور زبان بولنے والے بھی اسلامی معاشرے کا حصہ بنتے گئے۔ جس سے رنگارنگی میں اضافہ ہوا۔

16.2.2 غالب خیر پر مبنی معاشرہ

عہد خلافت راشدہ میں ایک طرف اسلامی معاشرہ روز افزوں وسعت و ترقی پذیر تھا تو دوسری طرف اس کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام جو نبوی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے اور اکثریت میں تھے وہ رفتہ رفتہ اقلیت میں آ گئے۔اسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکابر صحابہ کی تعداد میں بھی کمی آتی گئی اور ان کی جگہ اصاغر (نوعمر) صحابہ اور تابعین نے لے لی۔ بڑے پیمانے پر ہونے والی فتوحات کے نتیجے میں وہ لوگ بھی اسلامی ریاست اور معاشرے کا حصہ بن رہے تھے جن کی اسلامی تربیت نہیں ہوئی تھی یا بہت کم ہوئی تھی؛ یہ وہ لوگ تھے جو اسلام کے مقابلے میں غیر اسلامی روایات اور اپنے سابقہ مذہبی ورثے سے زیادہ متاثر تھے۔ عراق، شام، مصر اور ایران کے علاقوں میں ایسے لوگ بہت بڑی تعداد میں موجود تھے جو یا تو اپنی سابقہ مذہبی روایتوں پر عمل پیرا تھے یا پھر انہوں نے اسلام قبول تو کر لیا تھا لیکن سابقہ مذہبی رسوم وعقائد سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے۔اسی طرح خلافت راشدہ کے دوران عہد نبوی کی مہاجرین وانصار کی تقسیم کی معنویت کم ہو رہی تھی، یہ دونوں طبقے روز بروز کم ہو رہے تھے اور ان کی جگہ دوسری شناختیں (مثلاً عراقی، ایرانی، شامی، مصری وغیرہ) لے رہی تھیں۔

خلافت راشدہ کا معاشرہ غالب خیر پر مبنی معاشرہ تھا اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اختلافات کے باوجود خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں گروہی و قبائلی تعصبات اور علاقائیت پرستی کو کبھی بھی رسوخ حاصل نہیں ہوا۔ خلافت راشدہ میں سماجی مساوات اور برابری معاشرے کی روح تھی، رنگ و نسل یا کسی بھی دوسرے امتیاز کے سبب کسی کو کسی پر فوقیت یا برتری حاصل نہیں تھی، صرف مسجد میں ہی نہیں معاشرے میں بھی بطور مسلمان سب کو یکساں حقوق اور مراعات حاصل تھیں۔ نسل، علاقے، قوم اور زبان کی بنیاد پر مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ سیاسی مناصب ہوں، فوجی عہدے ہوں یا دینی امور کی انجام دہی، یہ ذمہ داریاں انہیں افراد کو دی جاتی تھیں جو اس کے اہل ہوتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت کے مخصوص سماجی و سیاسی حالات میں قریش اور عرب کے بعض دوسرے طبقات اپنی انتظامی صلاحیتوں کے سبب سیاسی مناصب پر سب سے زیادہ فائز ہوئے،اس طرح خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرہ میں قریش کا انتظامی ذمہ داریوں میں غلبہ تھا،البتہ یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہیے کہ ایسا کسی تعصب یا بے جا حمایت کی بنیاد پر نہیں بلکہ صلاحیتوں اور خدمات کی بنیاد پر تھا۔

16.3 بے جا طبقاتی تقسیم سے پاک معاشرہ

حضور نبی پاک ﷺ کی بعثت کے من جملہ مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انسانوں کے درمیان مختلف وجوہ سے جو طبقاتی تقسیم وجود میں آگئی تھی اور جس میں انسان ہی انسانوں کا خدا بن بیٹھا تھا، انسانی سماج کو اس ناجائز تقسیم سے آزادی دلائی جائے۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرافت ورذالت کی انسانی تقسیم کو ختم کرنے کے متعدد اقدامات کیے اور بالآخر انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزادی دلا کر اخوت ومساوات پر مبنی معاشرہ قائم کیا۔ عہد خلافت راشدہ میں بھی اسلامی معاشرہ انہیں عناصر پر مشتمل رہا جن پر کہ عہد نبوی میں تھا۔ آزاد لوگوں کے علاوہ غلام، آزاد کردہ غلام (موالی) اور عجمی نژاد مسلمان بھی خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرہ کا اہم حصہ تھے۔ اسی طرح غیر مسلم بھی مکمل مذہبی و سماجی آزادی کے ساتھ اسلامی معاشرے کا حصہ تھے۔

نبی ﷺ نے غلاموں کے طبقہ کو جو درجہ اور مرتبہ اسلامی معاشرہ میں دیا تھا، خلافت راشدہ میں بھی وہ مرتبہ انہیں حاصل رہا۔ یہ لوگ اپنے مخصوص احوال کے سبب سیاسی وفوجی مناصب تو نہیں حاصل کر سکتے تھے، لیکن علوم وفنون کے میدانوں میں انہیں ترقی کرنے کے سنہرے مواقع حاصل تھے۔ چنانچہ اسلامی علوم کو پروان چڑھانے اور اس دور کے تہذیب وتمدن کی تشکیل میں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کے سبب اہم رول ادا کیا، اور بہت سارے میدانوں میں آزاد عربوں سے آگے بڑھ گئے۔ اسی طرح خواتین کے طبقے کو بھی خلافت راشدہ میں وہ تمام حقوق حاصل تھے جو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حاصل تھے۔ خواتین نے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ازواج مطہرات، دیگر صحابیات اور ان کی تربیت یافتہ تابعات نے اپنی صلاحیتوں اور خدمات سے اسلامی معاشرے کی تعمیر وترقی میں بھرپور حصہ لیا۔ علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کے ارتقا میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کی شاگردہ عمرہ بنت عبدالرحمان وغیرہا خواتین کا جو کردار رہا ہے وہ ہمیشہ زریں حروف میں لکھا جائے گا۔ اس طرح دیکھا جائے تو خلافت راشدہ کا اسلامی معاشرہ عہد نبوی کے اسلامی معاشرے کی توسیع تھا اور اس میں نبوی معاشرے کی خصوصیات بحیثیت مجموعی موجود اور غالب تھیں۔

16.4 خلافت راشدہ کی خصوصیات

نبی ﷺ کے زمانے میں اسلام صرف عرب دنیا کے اندر پھیلا تھا۔ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی حکومت کی سرحدیں عرب دنیا سے بہت آگے تک پھیل گئیں، ایران وخراسان، شام ومصر اور افریقہ تک کے دور دراز علاقے خلافت راشدہ کا حصہ بن گئے۔ اس دوران ہی خلافت راشدہ نے بین الاقوامی حیثیت حاصل کی اور ایک عالمی طاقت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ خلافت راشدہ کے تیس برس کے دورانیے میں اسلامی سماج نے چو طرفہ تعمیر وترقی کے مراحل طے کیے۔ اسلام کے سیاسی واجتماعی نظام کی بنیادیں مضبوط ہوئیں اور ایک بے مثال اسلامی تمدن وجود میں آیا۔ اس طرح یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اسلام جس پیغام کا علم بردار ہے وہ صرف عرب کے بدوی سماج کے لیے ہی مناسب و موزوں نہیں بلکہ اس کی بنیاد پر دنیا میں کہیں بھی جدید ترین تہذیب وتمدن کی تشکیل ہو سکتی ہے۔

آیئے ہم ذیل میں خلافت راشدہ کی کچھ خصوصیات کو مزید تفصیل سے جانتے ہیں۔

16.4.1 اسلامی جمہوری حکومت

ایک ایسے دور میں جب کہ دنیا کے ہر علاقے اور خطے میں خاندانی اور جبری بادشاہتیں قائم تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے زیر سایہ عرب کے بدو سماج میں ایک مستحکم اور اقدار پر مبنی نظریاتی ریاست کی تشکیل کی، ایک ایسی حکومت قائم کی جو نظم و قانون کی پابند تھی اور جس میں عام آدمی سے لے کر حکمراں تک ہر ایک جواب دہ اور ذمہ دار تھا۔ ایک ایسے تمدن اور تہذیب کی بنیاد استوار کی جو بہترین انسانی قدروں کا حامل تھا اور جس میں عوام و خواص یکساں طور پر شامل تھے۔ انہوں نے اپنے بعد ایک ایسا معاشرہ چھوڑا جس کے افراد کو یہ معلوم تھا کہ اسلام کا مزاج ملوکیت و بادشاہت نہیں بلکہ جمہوریت کا تقاضا کرتا ہے:

''خلافت راشدہ میں جو سیاسی نظام قائم تھا اگرچہ وہ جمہوریت کی ٹھیٹ مغربی اصطلاح کے مطابق جمہوری نظام نہ تھا، کیونکہ اس میں حاکمیت اور اقتدار اعلی عوام کو حاصل نہ تھا، لیکن اپنی روح کے لحاظ سے وہ ہر دور کی جمہوریت کے مقابلے میں زیادہ جمہوری تھا۔ حتی کہ جدید مغربی اور اشتراکی حکومتوں کے مقابلے میں بھی زیادہ جمہوری تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نظام میں حاکمیت صرف اللہ کو حاصل تھی۔ اللہ اور رسول کے بعد عوام کو سارے حقوق حاصل تھے اور وہ قرآن و سنت کے مقرر کردہ رہنما اصولوں کے دائرے میں مکمل طور پر بالادستی رکھتے تھے۔ اللہ کی اس حاکمیت نے خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے کو نہ صرف ان مظالم اور ناانصافیوں سے نجات دلادی تھی جو شخصی اور استبدادی حکومتوں کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ بلکہ اس قسم کے مظالم، بے انصافیوں اور گمراہیوں سے بھی نجات دلائی جو جدید دور میں عوام کی حاکمیت کے نام پر عام ہیں اور جن کی وجہ سے نہ صرف دوسری قوموں کو نقصان پہنچتا ہے، بلکہ خود اپنی قوم بھی نقصان اٹھاتی ہے۔''

(ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد اول، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، 2003ء ص 115)

چنانچہ نبی ﷺ کے بعد کے اسلامی معاشرے میں ہر سطح پر جمہوریت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک نے خود کو عوام کے سامنے جواب دہ بنایا۔ انہیں حقوق اور آزادیاں دیں اور انہوں نے اسلامی سماج کے اندر جمہوریت کی روح کو جاری و ساری رکھنے کے لیے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو جمہوریت کی روح کے تقاضوں کے مطابق عام لوگوں کے مجمعوں میں لوگوں نے خلفاء تک سے جواب طلب کیے اور خلفا نے بھی ان پر چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے خندہ پیشانی سے ان کی بات سنی اور جواب سے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ قانون کی نظر میں سبھی یکساں اور برابر تھے۔

16.4.2 بین الاقوامی حکومت اور عالمی طاقت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکومت اور معاشرہ اپنے زمانے میں تشکیل دیا تھا وہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں تک محدود تھا۔ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی حکومت اور سماج دونوں نے بین الاقوامی حیثیت اختیار کرلی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر فتوحات حاصل ہوئیں۔ شام، مصر، افریقہ، ایران، خراسان اور افغانستان وغیرہ کے علاقے اسلامی حکومت کا نہ صرف یہ کہ حصہ بنے بلکہ بہت سارے مسلمانوں نے ان علاقوں میں بود و باش اختیار کرلی اور بڑی تعداد میں مقامی لوگوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اسی کے ساتھ خلافت راشدہ کے دوران جب مسلمانوں نے شام اور ایران جیسی اس زمانے کی بڑی طاقتوں (سپر پاورز) پر غلبہ حاصل کرلیا تو پہلی مرتبہ اسلامی

حکومت کو عالمی طاقت کی حیثیت بھی حاصل ہوئی اور جو بعد کے ادوار میں بھی صدیوں برقرار رہی۔

16.4.3 شورائی نظام اور قانون کی بالادستی

خلافتِ راشدہ میں حکومت کا نظام مشاورت پر مبنی تھا۔ خلیفہ ہر اہم فیصلے سے پہلے اصحابِ رائے اور اہلِ علم سے مشورہ کرتے تھے۔ اس سے نہ صرف فیصلے منصفانہ اور دانشمندانہ ہوتے بلکہ عوام کا اعتماد بھی حکومت پر قائم رہتا۔ قرآنِ کریم کے حکم ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ'' پر عمل کرتے ہوئے خلفائے راشدین نے شوریٰ کے اصول کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا۔ اس نظام سے امت میں اتحاد، ذمہ داری کا احساس اور اجتماعی شعور پروان چڑھا۔

خلافتِ راشدہ کے معاشرے کی بنیاد عدل وانصاف پر قائم تھی اور قانون کی بالادستی قائم تھی، یعنی قانون کی نظر میں سب لوگ نہ صرف یہ کہ یکساں اور برابر تھے بلکہ قانون لوگوں کے تمام طرح کے حقوق کی حفاظت بھی کرتا تھا اور اس بات کی ضمانت فراہم کرتا تھا کہ ریاست کے کسی بھی شہری کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی، انصاف کی فراہمی میں کسی قسم کی رعایت یا سفارش نہیں چلتی تھی۔ پوری اسلامی ریاست میں عدالتیں قائم تھیں اور ان میں قاضی (خلافت راشدہ کے دوران جج کو قاضی کہا جاتا تھا) مقرر ہوتے تھے جن کے سامنے لوگ اپنے مقدمات پیش کرتے تھے اور یہ قاضی کسی دباؤ کے بغیر آزادی کے ساتھ فیصلے کرتے تھے، یہاں تک کہ خلیفہ اور گورنروں کے خلاف بھی مقدمات کی سماعت کا اختیار حاصل ہوتا تھا، وہ انہیں اپنی عدالت میں طلب کر سکتے تھے، ان کے خلاف مقدمے کی سماعت کر سکتے تھے اور ان کے خلاف فیصلہ بھی دے سکتے تھے۔

خلافت راشدہ کے دوران قانون کی بالادستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خلیفہ ثانی کے صاحب زادے (ابو شحمہ) کے خلاف عدالتی کارروائی ہوئی اور جرم ثابت ہونے پر انہیں کوڑوں کی سزا بھی دی گئی۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ایک خارجی کو پکڑ کر لایا گیا جو برسر عام کہہ رہا تھا کہ میں علیؓ کو قتل کر دوں گا۔ حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر اسے چھوڑ دیا کہ اس کی مخالفت صرف زبانی ہے عملاً اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے اسے سزا دی جائے۔

یہاں ایک بات یہ بھی واضح رہے کہ خلیفہ صرف اپنی ذات تک ہی قانون کی بالادستی کو یقینی نہیں بناتا تھا بلکہ صوبے کے گورنروں اور دیگر حکام کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ اپنے زیرِ انتظام علاقوں میں قانون کی حکمرانی قائم کریں اور عام لوگوں کے حقوق کی حفاظت کریں، اس حوالے سے ان کی جواب دہی بھی طے کی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر سال حج کے دنوں میں مکہ میں حاضر رہا کریں تاکہ لوگوں کو ان کے خلاف اگر کوئی شکایت ہو تو اس کا ازالہ کیا جا سکے۔ واضح رہے کہ حج کے دنوں میں پوری اسلامی مملکت سے لوگ حج کے لیے مکہ پہنچتے تھے، لہٰذا اس موقعے پر ان کے لیے اپنی شکایتیں خلیفۂ وقت تک پہنچانا آسان ہوتا تھا۔

احتساب اور مظالم عدالتوں کا قیام

خلافتِ راشدہ میں احتساب کا نظام انتہائی مضبوط تھا۔ حکمران اور افسران دونوں عوام کے سامنے جواب دہ تھے۔ اگر کوئی عامل یا

گورنر غلطی کرتا تو خلیفہ اس سے باز پرس کرتے۔ حضرت عمرؓ نے کئی گورنروں سے ان کے طرزِ زندگی کے بارے میں وضاحت طلب کی تاکہ حکومتی مناصب ذاتی فائدے کے لیے استعمال نہ ہوں۔ عوام کو شکایت کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ اس منصفانہ احتساب نے حکمرانوں اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم رکھا۔

16.4.4 مساوات و برابری

اسلام عدل کا مذہب ہے اور اسلامی ریاست اپنی حدود کے اندر ہر سطح پر عدل و انصاف کا خیال رکھتی ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ریاست مدینہ میں ہر سطح پر عدل و انصاف کا دور دورہ تھا۔ اسلامی معاشرے کی سب سے نمایاں خوبی مساوات ہے، اور خلافتِ راشدہ کا معاشرہ اس کی عملی تصویر تھا۔ وہاں نہ کوئی امیر کو غریب پر فضیلت حاصل تھی، نہ کسی عرب کو عجمی پر، اور نہ کسی سفید کو سیاہ پر۔ سب کو برابر حقوق حاصل تھے۔ خلفائے راشدین خود بھی سادہ زندگی گزارتے تھے تاکہ عوام میں احساسِ تفاوت پیدا نہ ہو۔ غلاموں اور کمزور طبقوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ برابری صرف قانونی نہیں بلکہ عملی تھی، جس نے ایک مثالی انسانی معاشرہ قائم کیا۔

معاشی عدل

مدنی ریاست کی ایک بہت بڑی خوبی معاشی عدل و انصاف تھا۔ ریاست کی یہ خوبی خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی باقی رہی اور ریاست کی وسعت کے باوجود خلفاء نے ہمیشہ وسائل کی منصفانہ تقسیم پر زور دیا، کیونکہ معاشی عدل کے بغیر کوئی بھی معاشرہ تعمیر و ترقی کی منزلیں نہیں طے کر سکتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ زمانہ عوامی فلاح و بہبود کا مثالی نمونہ تھا۔ بیت المال سے غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کی مدد کی جاتی تھی۔ ہر شہری کی بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا، خلافت راشدہ کے پورے زمانے میں حکومت کی آمدنی کو سماج کے مختلف طبقات میں اور رفاہی کاموں میں صرف کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں وظائف کا جو نظام شروع ہوا وہ ایک حقیقی رفاہی مملکت کے قیام کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور موجودہ زمانے تک اسے کسی بھی رفاہی مملکت کے لیے نمونہ اور ماڈل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ وظائف کا یہ نظام خلافت راشدہ کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک جاری رہا۔ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی حکومت کی آمدنی کے سات بڑے ذرائع تھے:

1. زمینوں کا خراج
2. جزیہ (یہ دونوں ٹیکس غیر مسلموں سے لیے جاتے تھے)۔
3. عشر (ایک طرح کا زرعی ٹیکس جو زراعت پیشہ مسلمانوں پر عائد ہوتا تھا)۔
4. زکوٰۃ (یہ دونوں ٹیکس یعنی عشر اور زکوٰۃ مسلمانوں سے لیے جاتے تھے)۔
5. مال غنیمت (چونکہ اس زمانے میں بڑے پیمانے پر فتوحات ہوئیں اس لیے مال غنیمت بھی سرکاری آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھا، واضح رہے کہ مال غنیمت کا صرف پانچواں حصہ ہی سرکاری بیت المال میں جاتا تھا، چار حصے فوجیوں میں تقسیم کر دیے جاتے تھے)۔
6. کنوز و معادن (یعنی زمین سے نکلنے والی معدنیات اور دفینے) اگر یہ کسی شخصی ملکیت والی زمین میں سے بھی نکلتے تو اس کا 20% حصہ

بیت المال کا حق ہوتا تھا)۔

7. عشور، یہ ایک طرح کا تجارتی ٹیکس تھا جو اسلامی ریاست میں تجارت کرنے والے ریاست سے باہر کے غیر مسلم تاجروں سے لیا جاتا تھا۔ اس ٹیکس کے تحت انہیں اپنے مال تجارت کا دسواں حصہ اسلامی ریاست کو ادا کرنا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اس ٹیکس کو اس لیے لاگو کیا گیا کہ غیر مسلم علاقوں میں مسلمان تاجروں کو بھی اس طرح کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔

مذکورہ ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس سے پہلے مقامی ضروریات پوری کی جاتی تھیں اور جو رقم بچ رہتی تھی اسے سال کے آخر میں مرکزی بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا تھا۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں بیت المال قوم کی امانت ہوتا تھا۔ خلفاء اور حکام اس کے نگراں اور ذمہ دار ہوتے تھے۔ اور اس کی آمدنی کو اپنے اوپر خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی تنخواہیں مقرر ہوتی تھیں جن سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتے تھے۔ ضرورت مندوں اور محتاجوں کی کفالت حکومت کی ذمہ داری تھی۔ غیر مسلم رعایا میں بھی جو لوگ کسی وجہ سے اپنے اخراجات پورے کرنے کے اہل نہیں تھے ان کی کفالت بیت المال (سرکاری خزانے) سے کی جاتی تھی۔

16.4.5 ملک گیری نہیں، دبے کچلے لوگوں کو انصاف کی فراہمی

اسلام ملک گیری، اقتدار اور شہرت کے حصول کے لیے جنگ کو جائز نہیں کرتا، اس کا نظریہ جنگ دفاع اور ظلم و استحصال کے خاتمے کے ساتھ مربوط ہے اور اسی لیے اسلام کے لیے جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔ اسلام نے جنگ میں وحشت و بربریت کو منع کیا ہے اور انسانی جان کی حرمت اور تحفظ کے لیے قوانین بنائے ہیں۔ جنگ سے متعلق اسلامی قوانین اور اصولوں کی عہد خلافت راشدہ میں مکمل پابندی کی گئی۔ خلافت راشدہ کے دوران حالانکہ اسلامی ریاست کے حدود میں بہت زیادہ توسیع ہوئی اور بڑے پیمانے پر جنگیں بھی لڑی گئیں البتہ اس دوران جنگ کی تباہ کاریوں کو کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے تو ایران اور مصر میں جاری جنگوں کو بھی محدود کرنے کی کوشش کی، وہ نہیں چاہتے تھے کہ عراق کے بعد ایران کے علاقے میں جنگ پھیلے، اسی طرح مصر پر لشکر کشی کا حکم بھی انہوں نے مجبوری میں دیا تھا۔ اپنے دور خلافت میں انہوں نے بحری مہمات کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔

جنگ اور اصول جنگ کے حوالے سے پہلے خلیفہ راشد سیدنا حضرت ابو بکر صدیق کی وہ نصیحت انسانی تاریخ کا لازوال ہدایت نامہ ہے جس میں انہوں نے شام کی لشکر کشی کے موقعے پر اپنے کمانڈر اسامہ بن زید کو کچھ ہدایات دی تھیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

1. کسی طرح کی بددیانتی نہ کرنا	6. مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا
2. کسی کا مثلہ نہ کرنا	7. چھوٹے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا
3. پھل دار درخت نہ کاٹنا	8. بغیر ضرورت بکری اور اونٹ ذبح نہ کرنا
4. نخلستان نہ جلانا	9. آبادیوں کو ویران نہ کرنا
5. عیسائی راہبوں اور عبادت گزاروں کو قتل نہ کرنا	10. بزدلی کا مظاہرہ نہ کرنا

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دی جانے والی ان ہدایات کا نتیجہ تھا کہ خلافت راشدہ کے دوران ہونے والی فتوحات کے بعد نہ کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوئی، نہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، نہ کہیں قتل عام ہوا، نہ کہیں آبادیوں کو لوٹا اور اجاڑا گیا اور نہ کہیں عورتوں کی عزت وآبرو پر حملہ کیا گیا۔ اس کے برعکس خلافت راشدہ کے دوران ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک شخص کے کھیتوں کو اسلامی فوج سے نقصان پہنچا تو اس نے خلیفہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور خلیفہ وقت (حضرت عمرؓ) نے اسے اس کا ہرجانہ دلوایا۔

16.4.6 سماجی برابری

خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں سماجی برابری کا دور دورہ تھا۔ رنگ، نسل، علاقے، قومیت اور زبان کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ سماج میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو یکساں اور برابر کے سماجی، معاشی، سیاسی اور دینی حقوق حاصل تھے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا درجہ برابر تھا۔ مسجد اور معاشرے میں ہر جگہ ان کو یکساں مقام حاصل ہوتا تھا۔ ہر انسان کو سماج میں رہتے ہوئے کام کرنے اور ترقی کرنے کے یکساں مواقع حاصل تھے اور اس میں کسی کے ساتھ کسی طرح کا تعصب نہیں برتا جاتا تھا۔

اسلام نے غلاموں اور موالی جیسے طبقات کو جو درجہ اور مقام عطا کیا اس کے نتیجے میں انہیں علوم وفنون کے میدان میں خاص طور پر ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے سنہرے مواقع ملے اور انہوں نے اسلامی تہذیب وتمدن کو بنانے اور سنوارنے میں بھرپور حصہ لیا۔ اسی طرح خواتین کا طبقہ جو ہمیشہ سے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور مذہبی حقوق سے محروم چلا آتا تھا، اسلام نے جب انہیں یہ حقوق دیئے تو عہد نبوی کی طرح خواتین نے عہد خلافت راشدہ میں بھی ان سرگرمیوں میں حصہ لیا اور اپنا کردار بخوبی ادا کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ کے سیاسی سرگرمیوں اور ان کی خاص شاگردہ عمرہ بنت عبدالرحمان کی علوم وفنون کے فروغ اور تہذیب وتمدن کے ارتقا میں خدمات کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

البتہ سماجی برابری کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ صلاحیتوں اور دیگر اوصاف کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا ہو۔ عہد نبوی کی طرح خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی یہ طریقہ رائج رہا کہ سرکاری مناصب اور سیاسی ذمہ داریاں وغیرہ خاص طور پر لوگوں کو صلاحیت اور تجربے کی بنیاد پر دیئے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دور نبوی کی طرح خلافت راشدہ کے دوران بھی اسلامی معاشرے سے غلاموں اور موالی طبقات کی سیاسی سرگرمیوں میں نمائندگی بہت ہی کم یا نہیں تھی۔ گورنر یا امیر جیسے اہم سیاسی عہدوں پر خال خال ہی کسی کا نام ملے گا۔ مثال کے طور پر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت سلمان فارسی کو بصرہ کا گورنر بنایا گیا تھا لیکن کچھ دنوں بعد ہی انہوں نے استعفادے دیا۔ اہم سیاسی مناصب پر غلام یا موالی طبقے سے تقرر کی کمی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی تعداد کم تھی اور صلاحیتیں محدود ہوتی تھیں۔

اخلاق وتعلیم

خلافتِ راشدہ کے معاشرے میں دینی واخلاقی تربیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ قرآن وسنت کی تعلیم عام تھی اور ہر فرد اپنی عملی زندگی میں اخلاقِ حسنہ کا مظہر تھا۔ سچائی، دیانت داری، امانت، صبر، ایثار اور خدمتِ خلق جیسے اوصاف لوگوں کے کردار کا حصہ بن چکے تھے۔ خلفائے راشدین خود اپنے طرزِ عمل سے دوسروں کے لیے نمونہ بنتے تھے۔ اس تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ معاشرہ امن، محبت اور باہمی اعتماد سے

لبریز تھا۔اس کے نتیجہ میں معاشرے میں برائیاں ختم ہو گئیں اور جرائم کم ہو گئے۔چوری، زنا، شراب، رشوت ستانی اور بدعنوانی جیسے، جرائم پر سخت سزاوں کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم و تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ ذمہ دار اور بااخلاق شہری بن گئے تھے۔ حکومت عوام اور حکام دونوں کے اخلاق و کردار کی نگرانی کرتی تھی اور جن چیزوں سے لوگوں کے برائی میں پڑنے کا اندیشہ ہو،ان پر پابندی عائد کر دی جاتی تھی۔

اسی طرح عام لوگوں میں حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی مناسب تعلیم اور اخلاقی تربیت کا انتظام کیا جائے، خلافت راشدہ کے دوران چاروں خلفاء نے اس جانب خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے عوام کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا بڑے پیمانے پر انتظام کیا۔ حکومت کے تمام ذمہ داروں کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ عام لوگوں اور خاص طور پر اسلامی سماج کے نئے شہریوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دیں۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے جزیرہ نمائے عرب کے متعدد شہروں میں لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے معلم مقرر کیے تھے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کو مختلف صوبوں میں بھیجا گیا تھا۔ مثلاً کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود کو اور شام کے مختلف شہروں میں معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب وغیر ھم کو معلم مقرر کیا گیا۔ یہ معلمین لکھنا پڑھنا سکھانے کے علاوہ ناظرہ و حفظ قرآن مجید، ان کا مفہوم و مطلب، احادیث، عربی زبان وادب، احکام و مسائل اور سیرت واخلاق کی تعلیم دیتے تھے۔ شروع میں تعلیم کا انتظام مساجد میں ہوتا تھا یا معلمین اپنے گھروں میں طلبہ کو پڑھاتے تھے، بعد میں اس کام کے لیے مکاتب بھی قائم کیے گئے۔ تعلیم مردوں، عورتوں اور بچوں سب کے لیے عام تھی۔ معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں، البتہ صحابہ کرام عام طور پر تنخواہ نہیں لیتے تھے۔

سادگی اور تقویٰ پر مبنی طرزِ حکومت

خلفائے راشدین کی زندگی سادگی، تقویٰ اور زہد کی مظہر تھی۔ وہ حکومت کو ذاتی عیش و آرام کا ذریعہ نہیں بلکہ امانت سمجھتے تھے۔ وہ سب سادہ کھانا کھاتے، عام کپڑے پہنتے، خود کام کرتے اور بیت المال سے معمولی وظیفہ لیتے تھے۔ ان کا مقصد دنیاوی دولت حاصل کرنا نہیں بلکہ اللہ کی رضا تھی۔ ان کی سادہ اور پاکیزہ زندگی نے عوام کو بھی زہد و قناعت کی طرف مائل کیا اور معاشرہ روحانیت واخلاص سے منور ہو گیا۔

16.5 فرہنگ

ذمی: یہ ایک ایسے غیر مسلم شہری کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے ساتھ اسلامی حکومت نے تحفظ کا معاہدہ کیا ہو۔

والی: گورنر　　　عشور/عشر: دسواں حصہ　　　معاشرہ: Society

16.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عرب ایک قبائلی معاشرہ تھا اور عرب قبائل کے اصول واقدار ہی اس معاشرے کو بنیاد فراہم کرتے تھے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں قبائلی معاشرے کی خرابیوں کی اصلاح کی اور اسے اسلامی اصولوں اور تعلیمات سے آراستہ کر کے اسلامی معاشرے میں تبدیل کر دیا۔ عربوں کے علاوہ عرب علاقوں میں سکونت پذیر کچھ یہودی، عیسائی اور مجوسی قبائل بھی تھے جو دیگر مذاہب سے متعلق ہونے کے باوجود وسیع تر اسلامی معاشرے کا حصہ تھے۔ خلافت راشدہ کے زمانے کا معاشرہ خیر کا معاشرہ تھا جس میں نیکی اور بھلائی کا ہر طرف چرچا تھا۔

- خلافت راشدہ میں نظام حکومت جمہوری اور شورائی تھا۔ حکومت کو عام لوگوں کے سامنے جواب دہ بنایا گیا اور قانون سب کے لیے یکساں تھا اور سب پر یکساں طور پر لاگو بھی ہوتا تھا۔ خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں سماجی برابری کا دور دورہ تھا۔ رنگ، نسل، علاقے، قومیت اور زبان کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ سماج میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو یکساں اور برابر کے سماجی، معاشی، سیاسی اور دینی حقوق حاصل تھے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا درجہ برابر تھا۔ مسجد اور معاشرے میں ہر جگہ ان کو یکساں مقام حاصل ہوتا تھا۔
- اسلامی معیشت کی بنیاد عدل اور انفاق پر ہے، اور خلافتِ راشدہ میں یہی اصول عملاً نافذ تھا۔ دولت کو چند ہاتھوں میں محدود رہنے نہیں دیا گیا بلکہ زکوٰۃ، صدقات، اور بیت المال کے ذریعے اسے سماج کے تمام طبقات تک پہنچایا گیا۔ محنت اور دیانت داری سے کمائی کو پسند کیا جاتا تھا، جبکہ سود اور ذخیرہ اندوزی کو سختی سے روکا گیا۔ اس متوازن نظام نے غربت میں کمی، خوش حالی میں اضافہ اور دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا۔

16.7 نمونہ امتحانی سوالات

16.7.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات

1. ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مشہور شاگردہ کا نام بتائیں؟

(a). عمرہ بنت عبدالرحمان (b). حضرت خدیجہؓ (c). حضرت سمیہؓ (d). سب غلط

2. کس خلیفہ نے اپنے گورنروں کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر سال حج کے دنوں میں مکہ میں حاضر رہا کریں۔

(a). حضرت ابو بکر (b). حضرت عمرؓ (c). عمر بن عبدالعزیز (d). ان میں سے کوئی نہیں

3. خلافت راشدہ کے دوران اسلامی حکومت کی آمدنی کے کتنے بڑے ذرائع تھے؟

(a). گیارہ (b). تین (c). سات (d). پندرہ

4. مال غنیمت کا کون سا حصہ سرکاری بیت المال میں جاتا تھا۔

(a). پانچواں حصہ (b). پہلا حصہ (c). چار حصہ (d). سب غلط

5. زکوٰۃ اور عشر کس سے وصول کیا جاتا تھا؟

(a). مسلمانوں سے (b). غیر مسلموں سے (c). دونوں سے (d). سب صحیح

6. حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت سلمان فارسی کو کہاں کا گورنر بنایا گیا تھا؟

(a). بصرہ (b). کوفہ (c). مصر (d). مدینہ

16.7.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

1. عہد خلافت راشدہ میں سماجی برابری پر مضمون لکھیے۔
2. جنگ اور اصول جنگ کے حوالے سے خلیفہ حضرت ابو بکرؓ کی اسامہ بن زید کو جو ہدایات دی تھی۔ بیان کیجیے۔
3. خلافت راشدہ کے معاشی عدل پر مضمون لکھیے۔
4. خلافت راشدہ میں خیر پر مبنی معاشرے کا جائزہ لیجیے۔
5. خلافت راشدہ کے عہد میں بے جا طبقاتی تقسیم سے پاک معاشرے پر نوٹ لکھیے۔

16.7.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

1. خلافت راشدہ کے معاشرے پر روشنی ڈالیے۔
2. خلافت راشدہ کی خصوصیات میں اسلامی جمہوری حکومت پر مضمون لکھیے۔
3. عہد خلافت راشدہ میں قانون کی بالادستی پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

16.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. خلفاءراشدین : حاجی معین الدین ندوی
2. تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم) : پروفیسر یسین مظہر صدیقی
3. مختصر تاریخ اسلام : غلام رسول مہر
4. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول) : ثروت صولت

معروضی سوالات کے جوابات

1.A	2.B	3. C	4. A	5. A	6. A

نمونہ امتحانی پرچہ

Maulana Azad National Urdu University

B.A. I Semester Examination

(Paper 1 : Life of the Prophet and Pious Caliphate)

Paper Code: BNIS101DCT

Time: 3hrs. Marks: 70

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃ دی گئی ہے۔ تمام حصوں سے سوال کے جواب دینا لازمی ہے۔

حصہ اول میں 5 لازمی سوال ہیں جو کہ معروضی سوالات/خالی جگہ کو پر کرنا/مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر جواب کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔

1x10=10

حصہ دوم مختصر جواب کے 8 متقاضی سوالات پر مبنی ہے۔4 سوالات کے جواب مطلوب ہیں۔ جواب 100 الفاظ پر مشتمل ہوں۔ ہر سوال کے لیے 5 نمبر مختص ہیں۔

5x6=30

حصہ سوم طویل جواب کے متقاضی سوالات پر مبنی ہے۔5 سوالات دیے گئے جن میں سے 3 سوال کے جواب دینا لازمی ہیں۔ جواب 250 الفاظ پر مشتمل ہو۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔

3x10=30

حصہ اول

سوال 1

i. ''جنگ بسوس'' کن دو قبیلوں کے درمیان ہوئی تھی؟

(a). عبس وذبیان (b). عبس و بکر (c). بکر و تغلب (d). قینقاع وقریظہ

ii. عرب کس جانور کے شجرۂ نسب کو یاد رکھتے تھے؟

(a). اونٹ (b). گھوڑا (c). گائے (d). شیر

iii. شام کے دوسرے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ کون تھا؟

(a). عبداللہ (b). سائب (c). میسرہ (d). نعمان

iv. خفیہ دور میں تبلیغ اسلام کا مرکز کہاں تھا؟

(a). دار ابو بکرؓ (b). دار ارقم (c). دار عمرؓ (d). دار ابو طالب

v. شعب ابی طالب کا مقاطعہ کتنے سال رہا تھا؟

(a). 2/سال (b). 3/سال (c). 4/سال (d). 5/سال

vi. غزوہ بدر میں لشکر کفار کی کمان کس کے ہاتھوں میں تھی؟

(a). ابو سفیان (b). ابو جہل (c). عتبہ (d). ولید

vii. یارِ غار کس کا لقب تھا؟

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

viii. حضرت عمرؓ کو کون سا خطاب ملا تھا؟

(a). صدیق (b). غنی (c). شجاع (d). فاروقؓ

ix. بئرِ رومہ کس نے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا؟

(a). حضرت علیؓ (b). حضرت عثمانؓ (c). حضرت عمرؓ (d). حضرت ابو بکرؓ

x. ''لا خلافۃ الا عن المشورۃ'' کس کا قول ہے؟

(a). حضرت علیؓ (b). حضرت عثمانؓ (c). حضرت عمرؓ (d). حضرت ابو بکرؓ

حصہ دوم

1. عکاظ کے میلے پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. تبلیغ دین کی شروعات اللہ کے رسولؐ نے کیسے کی؟ واضح کیجیے۔
3. شعب ابی طالب کا واقعہ کب اور کیوں پیش آیا؟ مختصراً لکھیے۔
4. مسجد نبویؐ کی تعمیر پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
5. صلح حدیبیہ ''فتح مبین'' کیسے ہے؟ بیان کیجیے۔
6. خلافت سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کی اسلامی خدمات پر تبصرہ کیجیے۔
7. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدنی زندگی پر روشنی ڈالیے۔
8. حضرت علیؓ کی قضاۃ اور علم پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

حصہ سوم

9. عرب قوم اور اس کے مختلف طبقات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
10. خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور اس میں آپ ﷺ کے کردار پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔
11. غزوۂ احد کب اور کن حالات میں پیش آیا؟ مفصلاً تحریر کیجیے۔
12. حضرت عمرؓ کے عہد حکومت پر مفصل نوٹ لکھیے۔
13. خلافت راشدہ کے نظم و نسق کا جامع تعارف کروائیے۔

****

اہم نکات

یادداشت